

لاہور سے تٹا خاکِ بجا اور مرقند

سفرنامہ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ایک ضروری گزارش

اس کتاب کو ای بُک بنانے میں ہماری غرض صرف اتنی ہے کہ کوئی اللہ کا مخلص بندہ اس کو پڑھ کر ہدایت پا جائے اور ہمارے لئے مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

جن پیشرز حضرات کی کتاب کو بغیر انکی اجازت کے ہم نے یہ کیا ہے ان سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اللہ کے لئے ہم کو معاف کر دیں، اللہ سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ قیامت میں آپ کو اس کا بدلہ آپ کی توقع سے زیادہ دیکر آپ کو خوش کر دے گا

لاہور سے تا خاک بخارا اور سمرقند

مؤلف

حضرت مولانا فقیر زوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ



ناشر

مکتبہ علمیہ محلہ پاک شاہ اردو بازار سہانپور پٹی (ٹنڈا)

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
52	تاشقند کالج و سکول	7	عرض ناشر	
53	مجھے ہے حکم تو ایں	9	پیش لفظ	
57	انگریز کا سفر	11	باب 1: پس منظر	1
61	سچی جہان کے دکھش مناظر	17	باب 2: از جہان کا سفر	2
65	نشر پلا کے کرنا	18	روسی وفد سے ملاقات	
66	راستے کی چٹانیں	21	پہلی پرواز	
69	سر قد کا ہر بچی شہر	22	دہریے کی مستی	
71	سرخ آنسو کیسے آئی؟	24	ایک عارف کی صحت	
73	علامہ پر غتیوں کی انتہاء	25	سیاحت ہوٹل میں قیام	
75	دین مناد تحریک	26	مفتی اعظم سے ملاقات	
77	ہم و نشان نہ رہے	30	مصنف عثمانی کی زیارت	
77	پڑھائی کاٹ دیا	32	تاشقند کے بارے میں	
78	دیوانوں کی روئیدلو	33	دولوی فرغانہ میں چند روز	
80	صنف ہازک کی استقامت	35	مصحف کی مرکزیت	
81	ریکستان کے مدارس	37	نسبت کی دلکاشت	
83	مفتی اعظم سر قد کی بیعت	38	کتاب میں ہڈی	
84	لالے کی حلتی	40	انت هذا و نحن هذا	
85	مخلوط کتب کی لائبریری	43	عند جان کے مدارس	
87	لوہے کی چادر وں پر لکھا ہوا قرآن مجید	45	دو ہر وں کی دریافت	
88	چٹوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید	47	مہمان نوازی کی انتہاء	
89	فن کلمت	48	حاکم قوہان کی دعوت	
91	شاہزادہ کی زیارت	49	توتیزہ سر پام آ	
93	سید فی بی خانم	50	منبر کی آواز محفلوں تک	
94	گور امیر	51	تاشقند واپسی	
95	امام اسحق ابو منصور ماتریدی			
96	مہر شین کا قبرستان			

فہرست

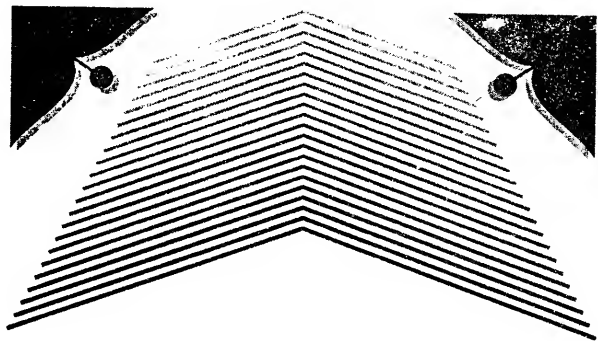
صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار	صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
126	حضرت خواجہ عزیز زمان علی رامیتسی		96	فقیر ابو الیث سرقدی	
126	حضرت خواجہ بابا سائی		97	حضرت خواجہ سعید بن عثمان بن عفان	
127	کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا		97	حضرت خواجہ عبید اللہ احراروی	
128	جوانوں کی خودی صورت فولاد		98	امام حارثی کی آخری گرامگاہ	
130	یہ تو کوئی فرشتہ ہے		103	ایک یادگار مراقبہ	
131	دعوت ہائے شیراز		104	حارث ایک تاریخی شعر	
132	فرنگی روئینہ سکون کی تلاش میں		105	مدرسہ میر عرب	
135	حضرت خواجہ بایزید مسطائی		106	سجدہ امام حارثی کا یادگار خطبہ	
136	چائے بھی اور چائے بھی		108	شیخ حارثیہ بابا سے ملاقات	
137	حضرت خواجہ ابو الحسن خرقانی		110	سجدہ ابو حفص کبیر	
139	ارگت کاسفر		111	حضرت سید امیر کلاں	
141	شہر سبز کاسفر		111	حضرت کعب بن احبار	
142	قرشی میں قرشی		112	قصر عارقال کی پر شکوہ عمارت	
143	جزاکہ دروگاہی		113	خدیلیہ تیرے پراسر امجدے	
144	ایک مسلمان سے ملاقات		116	خواجہ جمال کے دیس میں	
145	ذرا کچھ کے دیکھو		118	خدیجہ انجینی کی بیت	
148	ازبکستان ادبیاتی و صنعتی اخبار کو انٹرویو		120	ہمیں بھی پہچانو	
149	ریڈیو تاشقند کو انٹرویو		120	نائب حاکمہ کی آمد	
151	باب 3: تاجکستان کاسفر	3	121	حضرت گل بابا سے ملاقات	
153	دوشنبہ کاسفر		122	شکار کرنے کو آئے	
155	شہر نو کے تین بھائی		122	وزیر کی فقیر سے ملاقات	
155	مومن کی فراست		123	وہ شاہیں زیر دام آیا	
156	خوہورت لوگ خوہورت ملک		125	دوشنبہ سے وفد کی آمد	
157	حضرت مولانا محمد یعقوب چشتی		125	حضرت خواجہ محمود انجیر فتویٰ	
159	حضرت خواجہ محمد دم اعظم		126	حضرت خواجہ محمد عارف ملہ تباہ	

فہرست

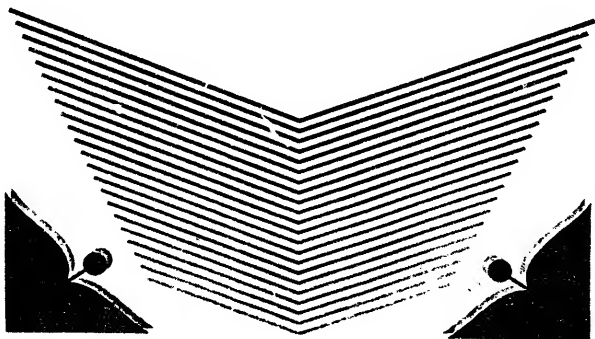
صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
196	الہامی مسکراتی حینہ	160	جسے اللہ رکھے.....	
198	الہامی جامع مسجد	160	عاشق خدا سمد	
199	مفتی اعظم سے ملاقات	161	مسجد خواجہ محمد عارف ریوگری	
200	نئی مسجد کاسک حیدر	162	امیر شکور سے ملاقات	
200	قزاق دوشیزہ کا خواب	164	نیم شب کی شادی	
201	شوہر طائفہ کی آمد	165	ٹینکوں کا قبرستان	
202	تیسرے میرے کی دریافت	166	حکیم ترمذی کا مزار	
203	چیلک کا قیام	167	امام ترمذی کے مزار پر	
205	مستورات کی جمعیت	168	نسبت نقشندیہ کی بدکالت	
206	نیلندہ نیلام	169	ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں	
206	حضرت خواجہ احمد یوسف	170	زم زم ہیل	
208	لولیاد کارپور	171	مغفل شعر و لوب	
209	باب 5: گر خشتین کا سفر	179	حضرت خواجہ علاء الدین عطائے	
209	ہنگامی فروزنے	180	زمین پر نشان رہے	
212	تکیوں کی کہستی	181	سر آسیہ داغی	
214	مرکی میں ایک دن	183	مولانا احمد جان کو خلافت	
217	مغز کی تلاش	183	روہیل کی بدارش	
218	زندگی بھر کوئی نہیں کھائی	184	ترگرام کی مسجد	
218	مفتی اعظم جہول کی جمعیت	185	ایک دلچسپ خواب کی دلچسپ تعبیر	
219	لے لے لے تو جواب ہر سوال	187	حاکم شہر کی دعوت	
222	دہریہ لڑکی کا مسلمان ہونا	188	اس سادگی پہ کون.....	
224	چمکھ میں قیام	189	ہوا کے دوش پر	
224	قاضی بھلائی کا مزار	190	انیر ہو شش کی عقیدت	
227	باب 6: روٹ کا سفر	193	باب 4: قزاقستان کا سفر	4
228	شراب خانہ غراب	193	خدا کی قدرت	

فہرست

صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر	عنوان	صفحہ نمبر
279	کاؤن میں قیام	230	مرکزی مسجد کی نئیوں حالی	
281	تسمہ پائے تسم	231	تاریخی مسجد میں قیام	
282	لونا کا قیام	234	چوتھے ہیرے کی دریافت	
284	یوڑھی عورت کا اعلیٰ محبت	235	ہاں ہاں کرتے کرتے پیدا.....	
285	اکھیں کے بحر کوں سے	238	سادھو کا قبول اسلام	
287	باب 9: کوہ قاف کے دیس	243	تاریخی مسجد کا تاریخی خطبہ	
288	کفر کا چا جن کے آئے	244	ارباب کرکٹیں پر توجہ	
289	اسلاف کی یادیں تازہ	245	پانچویں ہیرے کی دریافت	
291	واپسی کا سفر	246	لینن گرلاؤ داگی	
293	لوٹ کے بدھو کو کر کو آئے	248	لینن گرلاؤ کی راتیں	
	*****	249	لونا کا قیام کی تفصیل	
		252	غری جہا کی سیر	
		253	لونا گرلاؤ کی ان ہونی تنہا	
		255	مغرب کی کھڑکی	
		256	لینن کی اصلیت	
		257	کدہ سٹاکا دورہ	
		261	باب 7: لونا گرلاؤ کا سفر	7
		263	فیدان حبیب کے رشتے	
		265	رولیل کی کمانی خودوں کی زبانی	
		266	مسجد کیف کا سنگ پیدل	
		268	خر کو فہرہ داگی	
		269	پاسہاں مل گئے	
		272	ماسکوں میں ڈانڈ	
		275	باب 8: تانا رستہ کا	8
		275	گور کی کا سفر	



میں بندہ ناداں ہوں مگر شکر ہے تیرا
رکھتا ہوں نہانخانہ لاہوت سے پیوند
اک ولولہ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند





علماء سے سنا ہے اور کتابوں میں پڑھا ہے کہ اللہ کے کچھ مدے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ سرور دو عالم ﷺ کے فیضانِ رحمت سے حصہ پاتے ہیں اور اہل جہاں کے لئے سرپائے رحمت بن جاتے ہیں۔ پھر ان کے واسطے سے مخلوق کو فیضانِ الہی پہنچتا ہے۔ عصر حاضر میں دیکھا جائے تو انہی رجالِ اللہ میں سے ایک شخصیت محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم کی بھی نظر آتی ہے۔ وہ قریہ قریہ بستی بستی محبتِ الہی کی جوت جگا رہے ہیں اور لوگوں کے قلوب کو گرم رہے ہیں۔

انہوں نے اپنا کوئی مسکن بنایا ہی نہیں۔ بس سفر ہی ان کی زندگی ہے۔

صبح	چلتے	ہیں	شام	چلتے	ہیں
عشق	والے	مدام	چلتے	ہیں	
ساتھ	چلتی	ہے	ان کے	یوں	دنیا
جیسے	بیچے	غلام	چلتے	ہیں	

آپ فرماتے ہیں ”ہر ملک ملک ماست“ بسا اوقات تو صبح ایک ملک میں ہوتی ہے اور شام دوسرے ملک میں اور فجر کسی تیسرے ملک میں۔

جہاں میں اہل ایمان صورتِ خورشید جیتے ہیں
اودھر ڈوبے اودھر نکلے اودھر نکلے اودھر ڈوبے

صرف یہ نہیں کہ یہ اسفارِ محض چلت پھرت ہیں بلکہ عند اللہ ایسی قبولیت نصیب ہے کہ مختصر ترین سفر میں بھی کثیر تعداد میں لوگ فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر شمار کیا جائے کہ یہ اور رحمت کتنے ملکوں کو سیراب کر چکا ہے تو ممالک کی ایک طویل فہرست ہے جس کا یہاں لکھنا ایک بے معنی بات ہے۔

بعض حضرات نے حضرت سے متعدد دفعہ گزارش کی کہ آپ اپنے حالات سفر کو کتابی شکل میں منظر عام پر لائیں تاکہ عام آدمی کو بھی فائدہ پہنچے۔ لیکن حضرت اپنی کسر نفسی کی بناء پر ہر دفعہ یہی فرماتے کہ ”بھئی ڈاکے کا کام تو فقط ڈاک پینچانا ہوتا ہے اور وہی فریضہ ادا کر رہے ہیں“ آخر ایک مرتبہ بعض حضرات نے عرض کیا کہ اگرچہ آپ ڈاکے ہیں ہمارے لئے تو محبوب حقیقی کے پیامبر ہیں، اگر آپ در محبوب تک رسائی رکھتے ہیں تو ہم بھی اس کی متاع علیٰ حسرت رکھتے ہیں۔ واللہ محفل ناز سجائیے اور محبوب کے لطف و انعام کا تذکرہ چھیڑئیے کہ اس سے آپ کو بھی کیف و نشاط حاصل ہو گا اور ہمیں بھی کچھ سوز و ہجران نصیب ہو گا۔ بس ایک دن حضرت کی جولانیء طبع میں طغیان آیا تو وسط ایشیاء کی آزاد ریاستوں اور ریشاء کے حالات سفر لکھنے شروع کر دیئے۔ مضمون آتا گیا داستان بنتی گئی، سیلان قلم جو چلا تو آٹھ سال پرانے سفر کو بھی یوں لکھ دیا جیسے ابھی دورہ کر کے آئے ہوں۔ باوجود اپنی تبلیغی مصروفیات کے تھوڑے ہی دنوں میں تقریباً 300 صفحات قلمبند کر دیئے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت دامت برکاتہم نے اپنی تواضع اور منکسر المزاجی کی وجہ سے یہ تین سو صفحات بھی بہت کلفت لکھے ہیں۔ نہ جانے اس میں بھی کیا کیا احوال چھپائے ہیں۔ اگر پوری شرح و بسط سے لکھتے تو یہ صفحات بھی کئی چند ہو جاتے۔ بہر حال مالا بدرك كله لا يترك كله کے مصداق ہم نے اسی کو غنیمت سمجھتے ہوئے طبع کروایا ہے اللہ سے دعا ہے کہ اس کاوش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں۔

ہو سکتا ہے ایک عام قاری کو یہ تحریر دیگر علمی اور اصلاحی کتب سے ذرا مختلف محسوس ہو۔ اس ضمن میں عرض یہ کرنا ہے کہ حضرت کی طبع لطیف نے دوران تحریر چونکہ علم، ادب، اصلاح اور حقائق سفر ہر چار جہت کے تقاضوں کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے جس سے آپ کی تحریر میں ایک اچھوتا پن آگیا ہے۔ اور یہی اس کتاب کا حسن ہے۔ لہذا قارئین سے التماس ہے کہ وہ تصنیف کو اسی کے رنگ میں پڑھنے کی کوشش کریں۔ واللہ الموفق



الحمد لله وكفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد
حضرت مرشد عالم فرمایا کرتے تھے :

”سفر سقر ہوتا ہے مگر وسیلہ ظفر ہوتا ہے“

فقیر کو کئی مرتبہ ایشیاء کی آزاد ریاستوں کا سفر کرنے کا موقع ملا۔ احباب کا شدید
اصرار رہا کہ وہاں کے مشاہدات و حالات کو قلمبند کیا جائے۔ فقیر ٹال مٹول کرتا رہا
چونکہ دل میں بار بار یہ خیال آتا کہ

میں کیا مری حیثیت کیا

تقریباً سات سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی احباب کا مطالبہ کم ہونے کی
جائے النازور پکڑتا گیا حتیٰ کہ فقیر نے اللہ کا نام لے کر کاغذ قلم سنبھالا۔ جو کچھ ذہن
میں آیا اسے بلا کم و کاست کاغذ پر منتقل کر دیا۔ اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ زبان
عام فہم اور اتنی سلیس ہو کہ پانچویں جماعت کا طالب علم بھی اسے پڑھ کر فائدہ حاصل کر
سکے۔ یہ سفر نامہ علماء کرام کی جائے عوام الناس کے لئے زیادہ مفید ہو گا اور امید ہے
کہ ان کی معلومات میں اضافہ ہو گا۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ فقیر کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ آخرت کا سفر آسان ہو۔

ایں سخن را نیست ہرگز اختتام
ختم کن واللہ اعلم بالسلام
{یہ وہ باتیں ہیں جو کہ ختم نہیں ہو سکتیں، بس اب ختم ہی کر دے
کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے}

دعا گو و دعا جو

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی
کان اللہ لہ عوضا عن کل شئی
23 مارچ 2000ء
(حال مقیم) مکہ مکرمہ

باب 1

پس منظر

فروری 1992ء کا واقعہ ہے کہ فقیر نے جامع مسجد عثمانیہ بہادر آباد کراچی میں نماز جمعہ کا خطبہ دیا۔ میان کے دوران امت مسلمہ کی زبوں حالی کا تذکرہ چل نکلا تو فقیر نے کہا،

”آج طاغوتی قوتیں امت مسلمہ کو دستر خوان پر پڑے ہوئے کھانے کی طرح ہڑپ کرنا آسان سمجھتی ہیں۔ آج کفر کے ہاتھ میں شار واپروگرام ہے جب کہ ہمارے ہاتھ میں قراردادیں ہیں۔ آج کفر کے ہاتھ میں پیٹریٹ میزائل ہیں جب کہ ہمارے ہاتھ میں اپیلیں ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم قعر مذلت میں کیوں جا گرے؟ ہماری دینی غیرت و حمیت کہاں گئی؟ کیا ہم نے مسلمان ماؤں کا دودھ نہیں پیا؟ کاش کہ ہم عقل کے ناخن لیتے اور اپنی ذات کے خول سے باہر نکل کر دیکھتے کہ کفر کس طرح دندنا پھرتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔

محترم جماعت! وقت ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے کہ مسلمانو! جاگو،

جاگو، جاگو..... جو آج خود نہیں جاگے گا تو کفر اسے پاؤں کی ٹھوکروں سے پامال کرے گا۔ دشمن کے قدم ہماری دہلیز تک پہنچ چکے ہوں گے۔ پھر ہمارے خون کو پانی کی طرح بہا کر چنگیز خان کی یادیں تازہ کی جائیں گی۔ دشمن کے طیارے ہماری فضاؤں میں تیرتے اور چنگھاڑتے ہوں گے۔ توپوں کی گھن گرج ہمارے دماغوں کو مازف کرے گی۔ ہماری لاشوں کو ٹینکوں کے نیچے کچل دیا جائے گا۔ عورتوں کے سروں سے دوپٹے چھین لئے جائیں گے۔ ماں باپ کے سامنے پاکدامن بیٹیوں کی عصمتیں پامال کر دی جائیں گی۔ زندہ چننے والوں کے گلے میں ذلت و رسوائی کے طوق ڈال دیئے جائیں گے۔ پاؤں میں غلامی کی زنجیریں ڈال دی جائیں گی۔ افسوس صد افسوس ہمارے لئے چلو میں پانی لے کر ڈوب مرنے کا وہ مقام ہوگا۔ زمین کے اندر کا حصہ زمین کے اوپر کے حصے سے بہتر ہوگا۔ کاش کہ ہم وقت کی پکار سنتے اور چین کی بانسری جانے کی جائے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنے تن من دھن کی بازی لگا دیتے۔

محرم جماعت! آج دنیا کے حالات تیزی سے اپنا رخ بدل رہے ہیں۔ ایک طرف مشرق میں جاپان کو ریا سے لے کر سنگاپور تک کے ممالک آپس میں تجارتی مراسم بڑھا رہے ہیں اور عظیم مشرق کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ دوسری طرف مغربی ممالک ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر منسلک ہو گئے ہیں کہ مختلف ممالک ایک شہر کے مختلف محلوں کی مانند بن گئے ہیں۔ یورا ڈالر (Euro Dollar) کی کرنسی اپنا کر عظیم مغرب کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ اے مسلمان نوجوان! اٹھ باندھ کمر کیوں ڈرتا ہے پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے۔ اٹھ کھڑا ہو اور اسلام کا پرچم ہاتھ میں لے کر چار داگ عالم کو بتا دے کہ

Neither East, Nor West, Islam is the best.

(نہی مشرق، نہی مغرب، اسلام ہے سب سے بہتر)

محترم جماعت! یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو چڑیوں سے باز مروادیتا ہے۔ قلیل کو کثیر پر اور کمزور کو قوی پر غلبہ عطا کر دیتا ہے۔ ہم اگر قرآن کو سینوں سے لگائیں اور پھر اپنے قدم اٹھائیں تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ وقت کا تقاضا ہے کہ

وقت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

ماضی میں ایک وقت ایسا بھی تھا۔ روس دنیا کی سپر پاور کہلاتا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حقیقی سپر پاور نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ آج دیکھیے کہ روس سپر پاور کی بجائے صفر پاور بن چکا ہے۔ شیشے کا برتن ٹوٹ جائے تو بھی چمناکے کی آواز آتی ہے اتنا بڑا ملک ٹوٹا مگر ذرا سی بھی آواز نہ آئی۔ یقین کریں کہ اگر ساری دنیا کی طاقتیں بھی اکٹھی ہو جاتیں تو روس کے اتنے ٹکڑے نہ کر سکتیں جتنے ٹکڑے روس نے اپنے ہاتھوں سے کر لئے۔ کیا یہ معجزہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟ ممکن ہے کہ وسط ایشیاء کی نو آزاد ریاستوں کے مسلمان اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے اپنا کردار ادا کر سکیں۔

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا کریں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تاحاک کا شفر

محترم جماعت! اگر ہم مسلمان متحد ہو گئے تو طاغوتی قوتوں پر یہ راز طشت از بام ہو جائے گا کہ مسلمان تو لوہے کے چنے ہیں انہیں چبانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

نماز جمعہ کے بعد محترمی جناب سعید الظفر صاحب (ڈائریکٹر پاکستان سٹیل ملز کراچی) نے فقیر سے کہا ”حضرت آپ وسط ایشیاء کی ریاستوں کا دورہ کریں تاکہ

مسلمانوں کے درمیان فاصلے کم ہوں۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ فقیر نے اثبات میں کہا انشاء اللہ۔ محترمی عبدالشکور دادا صاحب (چیف ایگزیکٹو دادا سنز لمیٹڈ) نے کہا ”میرے ایک دوست عرصہ دراز سے روس میں تجارتی کام کر رہے ہیں۔ میں ان کی وساطت سے ویزے کا بندوبست کر دوں گا۔“ فقیر نے کہا ”اچھی بات ہے۔“ چنانچہ فقیر نے اپنا پاسپورٹ ان کے حوالے کیا اور وطن مالوف واپس آگیا۔ کئی دن ویزہ کے انتظار میں گزر گئے۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد معلوم ہوا کہ ویزہ لگنے میں کچھ رکاوٹیں ہیں۔ مزید پندرہ دن کے بعد مواصلاتی رابطہ کرنے پر معلوم ہوا کہ رکاوٹیں ابھی تک برقرار ہیں۔ فقیر متفکر ہوا اور بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہو کر دعائیں مانگتا رہا۔ اسی دوران محب و مشفق جناب منیر احمد صاحب کا درج ذیل خط موصول ہوا۔

مکتوب

از کراچی

خدمت جناب محترم القام واجب الاحترام پیر و مرشد دام ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خیریت موجود بفضل اللہ تعالیٰ۔ عافیت مطلوب از بارگاہ اعلیٰ۔ صورت احوال یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنی سستی اور کوتاہی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ کی طرف خط نہیں لکھ سکا۔ مجھے آپ کی مصروفیات کا پتہ ہے۔ اس لئے وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا مگر رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔

میں 10 رمضان المبارک کو تہجد کی نماز کے بعد مراقبہ میں تھا کہ آپ مجھ اکیلے کو مراقبہ کروا رہے تھے اور کوئی مددہ کمرے میں نہیں تھا۔ ایک آواز آئی کسی نے مجھے کہا ”یہ کون ہے“ میں نے جواب میں کہا ”یہ میرے پیر و مرشد حضرت ذوالفقار احمد صاحب ہیں“ آواز آئی ”ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام دے دو کہ 75 دن کے لئے

سوویت یونین چلے جائیں۔“ جناب براہ مہربانی رہنمائی فرمائیں اور جواب سے نوازیں۔ شکریہ

والسلام آپ کا سیاہ کارنا لائق و ناچیز مرید

منیر احمد

فقیر یہ مکتوب پڑھ کر حیرت و استعجاب کا مجسمہ بن گیا۔ منیر احمد صاحب کو فقیر کے آئندہ لائحہ عمل کا قطعاً علم نہیں تھا۔ پھر انہوں نے یہ بات کیسے لکھ دی؟ دل میں خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تو لنگڑے مجھڑ اور کمزور مکڑی سے کام لے لیتا ہے۔ کیا بعید ہے کہ فقیر جیسے کم عمل اور بے بضاعت سے بھی اشاعت دین کا کام لے لیا جائے۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ فقیر کے پاسپورٹ پر ازبکستان کا ویزہ لگ چکا ہے۔ فقیر نے ایک ہم مشرب دوست سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا ”ماضی بعید میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت شریفہ وسط ایشیاء سے پاک و ہند میں منتقل ہوئی تھی۔ اب لگتا ہے کہ عصر حاضر میں یہ قرض واپس کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے۔ لہذا اس کار خیر میں تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔“

گو کہ اس بات سے فقیر کی حوصلہ افزائی ہوئی تاہم تسلی و اطمینان کے لئے اپنے پیر تعلیم حضرت شیخ وجیہ الدین صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں صورتحال سے آگاہ کرنے کا خیال آیا۔ جب انجلیزنگ یونیورسٹی میں حاضر ہو کر حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کو احوال واقعی عرض کئے تو انہوں نے مکتوب پڑھا اور فرمایا۔

”بھئی یہ تو بڑی بشارت ہے آپ ضرور جائیں“

حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے فرمایا ”شیخ صاحب! یہ تو قرض لوٹانے جا رہے ہیں۔“ حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا ”وسط ایشیاء سے نسبت

نقشبندیہ ہمیں ملی تھی۔ پھر امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس میں مزید اسباق شامل کئے۔ اب تو یہ مجددی اسباق والی نعمت لے کر وہاں جائیں گے۔“ یہ بات سن کر فقیر کے جسم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکتہ گل
نیم صبح تیری مہربانی
فقیر نے دفتر سے طویل رخصت لے کر رخت سفر باندھا اور آغاز سفر کرتے ہوئے زبان حال سے کہا

جس کے ناموں کی نہیں ہے انتہاء
ابتدا کرتا ہوں اس کے نام سے



باب 2

از بختان کا سفر

فقیر نے وسط ایشیاء کے سفر کا آغاز لاہور سے 22 اپریل 1992ء بدھ کے دن کیا۔ بڑوں سے سنا ہے کہ بدھ کے دن جس کام کی ابتداء کی جائے اس میں سدھ ہوتی ہے۔ بعض علماء تو اس بارے میں حدیث پاک بھی نقل کرتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیمی آغاز بدھ کے دن کیا جاتا ہے۔ لاہور سے کراچی کی فلائٹ حسب معمول کافی آرام دہ تھی۔ فقیر نے خطبہ جمعہ جامع مسجد عثمانیہ کراچی میں دیا۔ جن احباب کو فقیر کے سفر کا پتہ چلا انہوں نے فرحت و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے ڈھیروں دعائیں دیں۔ ہفتہ کے دن ائرپورٹ پر پہنچے تو معصوم ہوا کہ فلائٹ از بختان سے آئی ہی نہیں لہذا جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مسافر حضرات نے جب دفتر معلومات سے رابطہ کیا تو بتایا گیا کہ اگلی فلائٹ سوموار کے دن اسلام آباد سے تاشقند کے لئے روانہ ہوگی۔ پس جو لوگ تاشقند جانا چاہتے ہیں وہ اسلام آباد چلے جائیں۔ فقیر PIA کی فلائٹ کے ذریعے اسلام آباد پہنچا۔ قیام پروفیسر محمد اسلم صاحب

کے مکان پر کیا۔ سو موار کے دن پھر رخت سفر باندھا اور اتر پورٹ پر پہنچے۔ سامان چیک کروا کر بورڈنگ پاس حاصل کیا اور امیگریشن کے مرحلہ سے گذر کر لاؤنج میں پہنچے۔ تقریباً ایک گھنٹہ تک انتظار کرنے کے باوجود جب فلائٹ جانے کا کوئی اعلان نہ ہوا تو طبیعت میں تشویش پیدا ہوئی۔ اتنے میں اعلان کیا گیا کہ، چونکہ افغانستان کے اندر دو متحارب گروپوں میں لڑائی زور پکڑ گئی ہے لہذا ایر فیلڈ مدد ہونے کی وجہ سے فلائٹ نہیں جاسکے گی۔ سب مسافر حضرات PIA کے زیر انتظام ایک ہوٹل میں قیام کرنے کے لئے تشریف لے چلیں۔ مسافر حضرات نے چہ میگوئیاں کرنی شروع کر دیں۔ کچھ لوگ غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ لوگ کھڑے مسکرا رہے تھے اور کچھ لوگ حالات کی نزاکت و صداقت پر حث کر رہے تھے۔

روسی وفد سے ملاقات :

اتنے میں ایک خوبصورت نوجوان نے فقیر سے آکر پوچھا کہ کیا آپ تابانی گروپ کے کسی آدمی کو جانتے ہیں؟ فقیر نے جناب یعقوب تابانی صاحب کا نام لیا ہی تھا کہ وہ صاحب سینے سے لگ گئے اور کہنے لگے کہ میں تابانی گروپ کے تاشقند آفس میں مینیجر کے طور پر کام کرتا ہوں اور مجھے عباس خان کہتے ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں پوری معلومات حاصل ہیں۔ آئیے میں آپ کا تعارف وسط ایشیاء سے آئے ہوئے چند معززین سے کرواتا ہوں۔ ساتھ ہی انہوں نے قریب کھڑے ہوئے چند حضرات کا تعارف کروایا جن میں حبیب اللہ صاحب فارن منسٹر اور ایکس پریزیڈنٹ ازبکستان اور انور سعید منسٹر ٹورازم شامل تھے۔ فقیر نے بھی اپنی دنیوی تعلیم اور دینی مشاغل کے متعلق اپنا تعارف کروایا تو جمال کمال صاحب نے ”انسان کامل“ اور ”آدم کامل“ کا خطاب دیا۔ حبیب اللہ صاحب نے ”ذوالفقار زندہ باد“ کے الفاظ سے اپنی دلی خوشی کا

اظہار کیا۔ عباس خان نے تجویز پیش کی کہ ہوٹل میں ٹھہرنے کی جائے تانابانی گروپ کے مہمان خانے میں ٹھہرنا چاہئے۔ وہاں پر کھانے پینے اور رہنے سہنے کی سہولیات زیادہ ہوں گی، مزید برآں شور و غل سے جان چھوٹ جائے گی۔ سب حضرات نے مسکرا کر اس تجویز کو قبول کیا اور یوں ہم لوگ اسلام آباد کے ایک خوبصورت علاقے کے ایک خوبصورت مہمان خانے میں آگئے۔ فقیر کو مہمان حضرات کے ذریعے وسط ایشیا کے بارے میں درج ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

”وسط ایشیا کی سرحدیں شمال میں روسی سائبیریا کے پنجہ میدانوں کو چھوتی ہیں اور جنوب میں افغانستان و ایران سے ملتی ہیں۔ یہ وسیع و عریض علاقہ ایک طرف چین کی سرحد سے ملتا ہے تو دوسری طرف کیسپین کے ساحل تک جا پہنچتا ہے۔ افغانستان اور وسط ایشیا کے درمیان میں دریائے جیخوں بہتا ہے۔ اس لئے پاک و ہند کے لوگ اس علاقے کو ”دریایار“ یعنی عربی زبان میں ماوراء النہر کا علاقہ کہتے ہیں۔

یہ علاقہ سیر، کارا، زرافشاں اور آمودریاؤں کی سرسبز اور زرخیز زمین پر مشتمل ہے۔ جس کے بطن میں سونے، چاندی، یورینیم گیس اور تیل کے وافر ذخائر ہیں۔ اس کے میدانوں میں کپاس اگتی ہے اور سڑکوں کے دونوں جانب کے باغات پھلوں سے لدے رہتے ہیں۔ اس کے ایک طرف پامیر کے برف پوش پہاڑ ہیں تو دوسری طرف ترکمانستان کے وسیع و عریض ریگستان بھی ہیں۔

ماضی میں وسط ایشیا کی اس سرزمین میں چونکہ شاہراہ ریشم گزرتی تھی لہذا یہ علاقہ زبردست فوجی اور اقتصادی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اسی وجہ سے وقت کے طالع آزمائوں اور توسیع پسندوں کی یلغار کا مرکز بھی یہی جگہ رہی ہے۔

تین سو سال قبل مسیح میں یہ زمین سکندر اعظم کے تابع رہی ہے۔ پھر ساتویں اور آٹھویں صدی میں عربوں کے ذریعے یہاں اسلام کی بہار آئی۔ تیرھویں صدی میں

منگولیا سے چنگیز خان کی سفاکی کا طوفان اٹھا اور اس نے اس علاقے کی زندگی و تہذیب کو درہم برہم کر دیا۔ بالآخر امیر تیمور اور ظہیر الدین بابر نے برصغیر کی تاریخ اور تہذیب پر گہرے نقوش چھوڑے۔ قضا و قدر کے فیصلے ہیں کہ انیسویں صدی کے شروع میں اس قدر دینی تہذیب و تمدن رکھنے والی جگہ ایک مرتبہ پھر زار روس کی جارحیت کے نتیجے میں کفر کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ ستر سال تک یہاں کیمونسٹ سرخ انقلاب کا دور دورہ رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے 1991ء کے آخر پر ان لوگوں کو آزادی کی نعمت عطا کی اور کیمونزم کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

فقیر کے لئے یہ معلومات فقط دلچسپ ہی نہیں بلکہ عبرت کا باعث بھی تھیں۔ قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں بہرے کانوں اور ہند آنکھوں کو کھولنے کے لئے کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہیں۔ دوپہر اور رات کے کھانے پر جب سب مل بیٹھے تو لذیذ کھانوں کے جائے وسط ایشیاء کے حالات و واقعات سننے میں زیادہ لذت ملی۔ رات گئے تک یہ سلسلہ کلام جاری رہا۔

اگلے دن صبح سویرے یہ خبر ملی کہ فلائٹ آج بھی نہیں جاسکتی۔ وسط ایشیاء کے حضرات اس خبر کو سن کر بہت زیادہ سیخ پا ہوئے۔ ان میں سے بعض حضرات نے سرکاری دفاتر میں حاضری دینی تھی اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ان کے پاؤں میں غیر معینہ مدت تک کے لئے زنجیریں ڈال دی گئی ہیں۔ حبیب اللہ صاحب ایکس پریزیڈنٹ از بختان نے تجویز دی کہ ہم کیوں نہ کراچی سے ماسکو چلے جائیں اور پھر ماسکو سے تاشقند واپس آجائیں۔ سب لوگوں نے یہ تجویز بہت پسند کی۔ انہوں نے فقیر سے رائے پوچھی تو فقیر نے کہا کہ آپ لوگ جائیں، بہترین تجویز ہے۔ انہوں نے پوچھا تو آپ نہیں جانا چاہتے؟ فقیر نے کہا کہ میرے پاس ماسکو کا ویزہ نہیں ہے۔ تاش مرزا اسمبلیڈر از بختان نے مسکرا کر کہا کہ پاسپورٹ لائیں ابھی آپ کا ویزہ لگوا

دیتے ہیں۔ عباس خان نے اپنے ڈرائیور کو بلوایا اور فقیر کا پاسپورٹ دے کر سفیر صاحب کا پیغام بہام ویزہ کو نسلر دیا کہ ابھی ابھی اس پرویزہ لگائیں، چونکہ یہ سفیر صاحب کے ساتھ سفر کریں گے۔ ڈرائیور نے واپس آکر سب کے سامنے کہا کہ کو نسلر پاسپورٹ کو دیکھ کر یو یو اربا تھا کہ یہ شخص نہ تو کسی ملک کا پریزیڈنٹ ہے نہ ہی پرائم منسٹر ہے پھر مجھے چھٹی کے دن گھر سے بلایا گیا ہے کہ ویزہ سٹمپ کر دوں۔ جب فقیر نے پاسپورٹ کھول کر دیکھا تو اس میں تین ماہ کی مدت کا ویزہ لگایا گیا تھا اور وسط ایشیا کی ریاستوں اور روس کے باقی ماندہ حصوں میں جانے کی اجازت بھی موجود تھی۔ فقیر نے الحمد للہ کہتے ہوئے اطمینان کا سانس لیا کہ خواب والی بات پوری ہوتی نظر آرہی ہے۔ ”بھتر دن کے لئے آزاد ریاستوں میں چلے جاؤ۔“ پی آئی اے کی فلائٹ کا مؤخر ہونا فقیر کے حق میں رحمت بن گیا۔ فقیر نے دور کھت نفل شکرانے کے طور پر ادا کئے۔ عام حالات میں روس کا تین مہینے کا ویزہ لگنا جتنا مشکل تھا فقیر کے لئے اللہ تعالیٰ نے اتنا ہی آسان کر دیا۔

پہلی پرواز :

2 مئی 1992ء ہفتہ کے دن اسلام آباد سے کراچی روانگی ہوئی۔ وسط ایشیا کے وفد کے ہمراہ فقیر نے بھی VIP کلاس میں سفر کیا۔ رات کو ہوٹل میں ٹھہرنے کی بجائے فقیر نے شیخ محمد یعقوب صاحب کے گھر قیام کرنے کو پسند کیا۔ جماعت کے احباب جمع ہو گئے تھے، رات کا بیشتر وقت مشائخ نقشبند کے حالات و واقعات سنانے میں گذر گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نام میں اتنی لذت اور شیرینی ہے کہ اس نام کا ذکر کرنے والوں کے تذکرے کرنے میں بھی مزہ آتا ہے، دلوں کو سکون ملتا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے پوچھا کہ اہل اللہ کے تذکرے سے سکون قلب ملتا ہے اس کی کوئی

قرآنی دلیل بھی ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی آیت تلاوت فرمائی۔

و كلا نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك

(اور وہ سب ہم بیان کرتے ہیں آپ پر رسولوں کی خبروں میں سے، جس کے ذریعے ہم آپ کے دل کو مضبوط کرتے ہیں)

3 مئی 1992ء کو صبح سویرے نور کے تڑکے کراچی انٹرپورٹ پر پہنچے۔ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ از بختان انٹر لائن کی فلائٹ تاشقند سے کراچی آچکی ہے۔ اب یہی فلائٹ مسافروں کو کراچی سے تاشقند لے جائے گی۔ جب کاؤنٹر پر پہنچے تو وہاں پر Virgin Flight (پہلی پرواز) کا بیئر لگا ہوا تھا۔ شیخ ایرانی نے آیت پڑھی،

انا انشأنهن انشاء فجعلنهن ابكارا

(ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا، پس ہم نے ان کو کنواریاں بنایا)

پھر کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں بھی اپنے پیاروں کو کنواری لڑکیاں عطا کرے گا۔ آپ کو تو دنیا میں کراچی سے تاشقند کی پرواز بھی پہلی نصیب ہو رہی ہے۔ الحمد للہ پاکستان کی طرف سے دینی مقصد کے پیش نظر پہلا پاکستانی ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔ پوری پرواز میں دینی وضع قطع کا کوئی دوسرا مسافر نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ جہاز کی نشستیں آدھی سے زیادہ خالی تھیں۔

دہریے کی مستی :

جہاز کو پرواز کئے ابھی آدھا گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ قریبی نشست پر بیٹھے ہوئے ایک پاکستانی نے فقیر سے گفتگو کا آغاز ان الفاظ میں کیا ”میں چند سال پہلے روس میں انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔ جب ڈارون کی تھیوری پڑھی تو حقیقت کھلی کہ مذہب کی اپنی حقیقت کوئی نہیں ہے۔ انسانوں نے اپنی غمی خوشی کو

نمنانے کے لئے طور طریقے اپنالئے ہیں۔ عالم حضرات فقط دینی کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ ان بچاروں کو دنیا کا کیا پتہ، خود بھی گمراہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مولانا! آپ کو چاہئے کہ سائنس پڑھیں تاکہ آپ کے سامنے حقیقت کھلے۔ ویسے میں آپ سے پوچھ سکتا ہوں کہ آپ وسط ایشیا کیوں جا رہے ہیں؟ فقیر نے کہا کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ملنے کے لئے۔ کہنے لگا کہ یہ لوگ تو سائنسی سوچ رکھتے ہیں اور آپ کو سائنس کی الف بے کا پتہ نہیں ہوگا تو آپ کیا کریں گے؟ فقیر نے تنگ آکر اسے اپنی سائنسی تعلیم کے متعلق تعارف کروایا تو وہ دہریہ بغلیں جھانکنے لگا۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہنے لگا مجھے توقع نہیں تھی کہ آپ جیسے لوگ بھی سائنسی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آپ مجھے معاف فرمائیں۔ اچھا میرے ذہن میں ایک سوال ہے آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب عطا فرمائیں۔ سوال یہ ہے کہ جو لوگ قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتے ہیں ان کو اس کا ثواب کیسے ملتا ہے؟ فقیر نے کہا کہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھیں یا بغیر سمجھے پڑھیں دونوں صورتوں میں ثواب ملتا ہے۔ کہنے لگا کہ بغیر سمجھے ثواب ملنے والی بات سمجھ میں نہیں آتی، کوئی پکی دلیل دیں۔ فقیر نے کہا کہ اچھا بتاؤ کہ اگر کوئی شخص کھلیں پڑھے تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ کہنے لگا کہ ہاں قرآن کا لفظ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ اس کے معنی کیا ہیں؟ کہنے لگا کہ حروف مقطعات کے معانی تو نہیں بتائے گئے۔ فقیر نے کہا اگر لفظ کے معانی سمجھ بغیر اس کو پڑھنے پر اجر ملتا ہے تو دوسرے الفاظ کے پڑھنے پر اجر کیوں نہیں ملے گا؟ کہنے لگا کہ اچھا بتائیں کہ نماز کو عربی میں پڑھنا کیوں ضروری ہے، ہم اپنی زبان میں کیوں نہیں پڑھ سکتے؟ فقیر نے کہا کہ اعمال کے اپنے اپنے درجات ہیں مثلاً عامانگنا سنت عمل ہے اس کو اپنی اپنی زبان میں مانگنے کی اجازت دے دی گئی، مگر نماز فرض ہے اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا کہ انہی الفاظ میں ہو جن الفاظ میں نبی علیہ السلام نے پڑھی۔ اگر اپنی زبانوں

میں پڑھنے کی اجازت دے دی جاتی تو آج چودہ سو سال گزرنے پر اس کی شکل ہی مسخ ہو چکی ہوتی۔ امت اسرا کو پڑھنے کی بجائے طلبہ سارنگی کے ساز پر گایا کرتی۔ عبادت کا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا۔ کہنے لگا کہ مولانا میری نظر میں آپ بڑے ذہین آدمی ہیں فقیر نے کہا کہ میری نظر میں تو آپ انتہائی بے وقوف انسان ہیں۔ آپ پیدا ہوئے مسلمان گھرانے میں مگر روس جا کر آپ دین گنوا بیٹھے۔ کاش کہ آپ کو آپ کی ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ فقیر کے یہ توجہ بھرے الفاظ اس دہریے کے دل پر جھلی بن کر گرے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ کہنے لگا کہ مولانا میں تو بہ تائب ہو کر نئے سرے سے مسلمان ہوتا ہوں۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کیا کہ

وما کنا لنهتدی لولا ان هدانا الله

(اور ہم ہدایت نہیں پاسکتے تھے، اگر اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا)

تھوڑی دیر میں اتر ہو سٹس نے اعلان کیا کہ ہم تاشقند کے اتر پورٹ پر اترنے والے ہیں، فقیر نے کلمے کا ذکر کرنا شروع کر دیا۔

ایک عارف کی نصیحت :

حضرت سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ جہاز کے حادثے عموماً اوپر چڑھتے وقت یا نیچے اترتے وقت پیش آتے ہیں لہذا مسافروں کو چاہئے کہ جب جہاز اڑنے لگے تو کلمے کا تکرار کر لیا کریں اور جب اترنے لگے تو بھی کلمے کا تکرار کر لیا کریں، کیا پتہ یہ آخری پرواز ہو۔ جب حادثہ پیش آتا ہے اس وقت کلمہ پڑھنے کی فرصت کہاں۔ چند منٹ رجوع الی اللہ کرنے سے ایک تو ذکر الہی کا ثواب ملے گا دوسرا اگر حادثہ پیش آگیا تو حدیث مبارکہ :

من کان آخر کلامه لا اله الا الله دخل الجنة

(جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو جنت میں داخل ہوگا)

کے مطابق ایمان پر مرنا نصیب ہوگا۔ یہ معارف اہل اللہ کے دلوں میں ہی وارد ہوتے ہیں عوام الناس کی سوچ ان سے بہت پیچھے رہ جاتی ہے۔

سیاحت ہو ٹل میں قیام :

تاشقند ایئر پورٹ سے باہر نکلتے ہی ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے سارے بدن میں جھر جھری سی پیدا کر دی۔ فقیر عباس خان کے ہمراہ سیاحت ہو ٹل تاشقند پہنچا۔ جناب انور سعید وف منسٹر ٹورازم کے حکم پر ڈائریکٹر ازبکستان ہو ٹل نے فقیر کے لئے ایک مخصوص کمرہ الاٹ کر دیا، جس کے ساتھ ملحقہ ڈرائیگ روم بھی تھا۔ رات کا کھانا تباہی گروپ کے سٹاف نے ہوا یا تھا۔ عباس خان کے ایک دوست دادا خان نوری سے ملاقات ہوئی یہ شاعر و ادیب بھی تھے اور اردو زبان بڑی روانی سے بولتے تھے۔ یہ اپنے گھر سے پلاؤ ہوا کر لائے تھے۔ تھوڑی دیر گفتگو کے بعد دادا خان نوری کہنے لگے کہ کیا آپ یہاں کے مفتی اعظم سے ملنا چاہیں گے؟ فقیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کہنے لگے کہ میں صبح آپ کو ہو ٹل کے کمرے سے لے جاؤں گا۔ فقیر نے کھانے کے بعد نماز عشاء ادا کی اور اللہ رب العزت سے دعا مانگی کہ ”اے پروردگار میرا یہاں کوئی دوست نہیں، کوئی رفیق سفر نہیں، میں یہاں اکیلا ہوں، مگر آپ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہو معکم اینما کنتم (وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہو) پس جب آپ ساتھ ہیں تو مجھے آپ نفس و شیطان کے حوالے نہ کرنا اور ہر قدم پر میری پشت پناہی فرمانا۔ آپ چاہتے ہیں تو مجھ پر اور مٹری سے کام لے لیتے ہیں، مجھ جیسے بے بضاعت بے علم و بے عمل سے بھی سلسلہ عالیہ کی اشاعت کا کام لے لیں۔ ہوتا ویسا ہے جو آپ چاہیں گے، آپ کے ہاں قابلیت کا نہیں قبولیت کا معاملہ ہے۔“

کافی دیر تک یہ تار جڑی رہی حتیٰ کہ دل کو طمانیت سی نصیب ہو گئی کہ رب کریم کی طرف سے مدد و نصرت شامل حال رہے گی۔ فقیر مسنون دعائیں پڑھتے ہوئے بستر پر گہری نیند سو گیا۔

مفتی اعظم سے ملاقات :

4 مئی 1992ء کو صبح دس بجے دادا خان نوری کے ہمراہ تبابی گروپ کے ہیڈ آفس میں پہنچے۔ یہاں سے وسط ایشیا کی ریاستوں کا ایک بڑا نقشہ حاصل کیا تاکہ جس علاقے میں جانا ہو وہاں کے لوگوں کو غائبانہ توجہ دینی آسان ہو۔ دادا خان نوری پوچھنے لگے کہ آپ بڑی دیر سے نقشے کی طرف خاموشی سے دیکھ رہے ہیں۔ میں آپ کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ فقیر نے کہا آپ کا شکریہ، بس آپ مفتی اعظم سے ملاقات کروا دیں۔ دادا خان نوری نے بتایا کہ مفتی اعظم کا درجہ وفاقی وزیر کا ہوتا ہے وہ اپنے سیکریٹریٹ میں بیٹھتے ہیں ان سے ملنا تو جوئے شیر لانے کے مترادف ہے مگر میں آج کل مفتی صاحب کی ایک کتاب پر نظر ثانی کر رہا ہوں لہذا میں جیسے ہی جاؤں گا اسی وقت ملاقات ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا کہ بالکل اسی طرح قیامت کے دن گنہگار لوگوں کی نیکیوں سے محبت رکھنے کی بنا پر جلدی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہو جائے گی اور جہنم کا معاملہ ہو گا۔ دادا خان نوری ہنس کر کہنے لگے کہ آپ ہر بات میں سے کوئی دینی بات نکال لیتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ کسی نے بھوکے سے پوچھا تھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں، اس نے کہا تھا چار روٹیاں۔ اسی طرح فقیر آخرت کی کامیابی چاہتا ہے لہذا ہر بات میں سے آخرت کی بات نکال لیتا ہے۔ دادا خان نوری یہ سن کر بہت محفوظ ہوئے۔ راستے میں کہنے لگے کہ لوگ آپ کو پاکستان میں کس لفظ سے پکارتے ہیں۔ فقیر نے کہا اکثر لوگ ”حضرت“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کہنے لگے حضرت اگر آپ اجازت

دیں تو ہم یہاں قریب سے حلیمہ خان کو بھی ساتھ لے لیں۔ فقیر نے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟ دادا خان نوری نے کہا کہ جس طرح آپ کے پاکستان میں نور جہاں ایک معروف گلوکارہ ہے کہ اسے ہر چھوٹا بڑا جانتا ہے، اسی طرح ازبکستان میں ٹی وی کی مقبول ترین فنکارہ حلیمہ خان ہے۔ یہاں کا ہر چہ اس کا شیدائی ہے۔ وہ مفتی اعظم صاحب کالج سے متعلق ایک ٹی وی پروگرام کروا رہی ہے۔ مفتی اعظم صاحب نے اسے بلوایا ہے۔ آپ کے لئے یہاں مساجد میں تقریر کرنا بہت آسان ہو جائے گا۔ حلیمہ خان کی وجہ سے مفتی صاحب آپ کو جلدی اجازت دے دیں گے۔ فقیر نے کہا ٹھیک ہے جیسے آپ مناسب سمجھتے ہیں۔ اگر وہ ہماری پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اگلے چند لمحوں میں ہم ایک وسیع و عریض میٹھے کے دروازے پر رکے۔ ہارن کی آواز سننے ہی حلیمہ خان باہر نکلی۔ دادا خان نوری کے اشارے پر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر دونوں ازبک زبان میں بات چیت کرتے رہے۔ اچانک حلیمہ خان نے پشت کی جانب سے فقیر کے کندھوں کو اپنے ہاتھ لگائے۔ فقیر گھبرا کر آگے کو جھکا تو دادا خان نوری نے کہا حضرت، میں نے آپ کا تعارف کروایا ہے تو حلیمہ خان نے فرط عقیدت میں آپ کے کپڑوں کو بدمکت کے لئے ہاتھ لگایا ہے۔ فقیر کو محسوس ہوا کہ حلیمہ خان نے کپڑوں کو ہاتھ لگا کر اپنے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرے۔ فقیر اس بات کو سوچ کر حیران ہوا کہ گناہوں بھری زندگی گزارنے کے باوجود اس عورت کے دل میں ایک مسلمان عالم کا کتنا احترام موجود ہے۔ ممکن ہے کہ یہی اس کے لئے ہدایت کا سبب بن جائے۔ اسی اثناء میں گاڑی ایک وسیع و عریض عمارت کے سامنے رکی۔ دادا خان نوری نے کہا حضرت! یہ طلحہ شیخ کی مسجد ہے۔ فقیر گاڑی سے باہر نکلا، سردی کی وجہ سے لمبا جبہ پہنا ہوا تھا اور عصا ہاتھ میں تھا۔ دادا خان نوری نے کہا کہ حضرت حلیمہ خان پوچھ رہی ہے کہ آپ نے لاٹھی کیوں پکڑی ہوئی

ہے کیا جوڑوں میں درد ہے۔ فقیر نے کہا، نہیں یہ تو سنت سمجھ کر اپنے پاس رکھی ہے اور ویسے بھی

عصا نہ ہو تو کلیسی ہے کار بے بنیاد
دادا خان نوری بہت خوش ہوئے اور فقیر کو آگے چلنے کے لئے کہا۔ عمارت میں داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ ایک دفتر ہے جس میں قدم قدم پر افسروں سے اجازت لینا پڑتی ہے۔ کئی افسرانٹرویو لینے کے بعد اگر مناسب سمجھتے ہیں تو اسے نائب مفتی کے پاس بھیجتے ہیں اور اگر نائب مفتی صاحب مناسب سمجھیں تب مفتی صاحب سے ملاقات کی باری آتی ہے۔ حلیمہ خان نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فون کار سیور اٹھایا اور مفتی صاحب سے کہا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے آئی ہوں میرے ایک مہمان عالم بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ مفتی صاحب نے عملے سے کہا کہ ان لوگوں کو فوری طور پر میرے دفتر میں پہنچادیا جائے۔ چنانچہ ایک صاحب ہمیں مختلف کمروں اور برآمدوں سے گزارتے ہوئے ایک عالیشان دفتر میں لے گئے۔ ایک صاحب نے دروازے پر استقبال کیا دادا خان نوری نے کہا حضرت، یہ ہمارے مفتی اعظم محمد صادق محمد یوسف ہیں۔ مفتی صاحب بڑے تپاک سے ملے۔ پھر ہمیں کرسیوں پر بٹھا کر گرم گرم چائے سے تواضع کی۔ پہلے حلیمہ خان سے حج کے پروگرام کے متعلق بات کی۔ پھر دادا خان نوری سے گفتگو کرتے رہے۔ بلاآخر عربی زبان میں فقیر سے مکالم ہوئے کہ آپ کہاں سے آئے ہیں کیوں آئے ہیں؟ فقیر نے ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں بتایا کہ اپنے اکابر کی نسبت کا نور پھیلا نے حاضر ہوا ہوں۔ مفتی صاحب یہ سن کر تڑپ اٹھے اور کہنے لگے شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی، ہمیں اس نعمت کی بہت ضرورت ہے۔ آپ پورے وسط ایشیا میں جہاں چاہیں بیان کریں۔ فصاحت کریں مراقبہ کروائیں اور ہمارے علماء کے دلوں کو نسبت کے نور سے منور کریں یہ آپ کا ہم پر احسان عظیم

ہوگا۔ میں ابھی ایک میننگ میں جانے والا ہوں جس میں ہم نے از بختان کے مختلف اضلاع سے تقریباً چالیس مفتی حضرات کو بلوایا ہے میں انہیں بتا دوں گا کہ وہ آپ کے پروگرام اپنے علاقوں میں کروائیں۔ مفتی اعظم صاحب سے ملاقات کے بعد جب دفتر سے نکلے تو راہبر ہمیں ایک کانفرس ہال میں لے گیا جس میں 40 اضلاع کے مفتی حضرات تشریف فرما تھے۔ جب انہوں نے فقیر کو دیکھا تو بہت خوشی خوشی ملاقات کی۔ دادا خان نوری نے تعارف کروایا اور مفتی اعظم صاحب کا پیغام پہنچایا سب نے کہا کہ ہمارے علاقے میں پروگرام رکھا جائے، ہم حاضر ہیں۔ ایک نے کہا چشم مارو شن دل ما شاد۔ فقیر نے دادا خان نوری سے کہا کہ موقع غنیمت ہے ابھی ایک پروگرام ترتیب دے دو تاکہ میں بیس دن میں ان سب جگہوں کا سفر کر سکوں۔ دادا خان نوری نے میڈم حلیمہ خان سے کہا کہ آپ حضرت کو مصحف عثمانی دکھائیں اتنی دیر میں ہم یہاں پروگرام تکمیل دے دیتے ہیں۔

میڈم حلیمہ خان نے فقیر سے کہا کہ آپ میرے ساتھ چلیں میں آپ کو مصحف عثمانی کی زیارت کرواتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ آپ آگے چلنے کی جائے پیچھے چلیں مگر مجھے راستہ بتاتی رہیں۔ اس نے بوجہ سوال کیا کہ ایسا کیوں؟ فقیر نے کہا کہ ہمیں قرآن مجید سے یہی تعلیم ملتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کے ہمراہ گھر کی طرف چلے تھے تو لڑکی سے فرمایا تھا کہ تم پیچھے چلو۔ ایسا نہ ہو کہ آگے چلنے میں غیر محرم کے جسم پر نظر پڑے۔ حلیمہ خان یہ سن کر تڑپ گئی اور کہنے لگی کہ شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی، ایسے لوگ دنیا میں آج بھی موجود ہیں۔ فقیر نے کہا میڈم یہ سب کچھ میرے شیخ کی محنت ہے۔ اتنے میں ہم لوگ ایک بڑے گیٹ کے سامنے پہنچے جس پر تالہ لگا ہوا تھا۔ حلیمہ خان نے کہا شیخ، میں ابھی کسی آدمی کو بھیج کر یہاں کے نگران کو بلواتی ہوں تاکہ وہ دروازہ کھولے۔ قریبی عمارت سے ایک لڑکا

کہ وہ کمرے کا درجہ حرارت اور ہوا میں نمی کی مقدار کو چیک کریں۔ قرآن مجید پر مختلف کیمیکل کا سپرے کرتے رہیں تاکہ یہ نسخہ خراب نہ ہو۔

فقیر نے جب مصحف عثمانی کی زیارت کی تو خط کو فی میں لکھی ہوئی عبارت پڑھی نہیں جا رہی تھی۔ کافی دیر غور و خوض کے بعد دو لفظ جبریل و میکال سمجھ میں آئے۔ پھر فقیر نے زبانی پڑھنا شروع کر دیا تو لفظوں کی بناوٹ خود بخود سمجھ میں آنے لگی۔ جب اس لفظ پر پہنچے فسیکفیکھم اللہ تو وہاں پر ایک نشان لگا ہوا دیکھا۔ بتایا گیا کہ جب حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا گیا تو آپ کے جسم سے نکلنے والے خون کی وجہ سے یہ نشان لگ گیا۔ سبحان اللہ، قیامت کے دن کسی کی شہادت پر زمین کی مٹی گواہ، کسی کی شہادت پہ پتھر گواہ، مگر حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر اللہ کا قرآن گواہ۔ کافی دیر تک عقیدت و محبت بھری نگاہوں سے قرآن مجید کے اس نسخہ کو دیکھا، حتیٰ کہ دادا خان نوری نے یہ آکر بتایا کہ حضرت! فرغانہ واوی کے پروگرام بن گئے ہیں کافی دیر ہو چکی ہے۔ اب واپس گھر چلنا چاہئے۔ فقیر دادا خان نوری کے ہمراہ کار کی اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور حلیمہ خان بیچلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ حلیمہ خان نے راستے میں بڑا زور لگایا کہ ہم تھوڑی دیر اس کے گھر میں رک کر شوربے کا پیالہ پی لیں۔ مگر نماز کا وقت قریب تھا اور فقیر کی نیت بھی نہیں تھی کہ اس کے گھر سے کچھ کھایا پیا جائے۔ لہذا معذرت کر کے اجازت لی اور ہوٹل سیاحت کے کمرے میں آکر دم لیا۔ اگلے دن حلیمہ خان نے پیغام بھجوایا کہ میں آپ کے متعلق ٹی وی پروگرام دینا چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں چھپنے کی بجائے پھپھنے کی تعلیم دی ہے۔ لہذا یہ کام نہیں ہو سکتا۔

تاشقند کے بارے میں :

مفتی اعظم صاحب سے ملاقات کر کے واپس آتے ہوئے دادا خان نوری نے تاشقند کی چند مشہور عمارات دکھائیں اور از بختان کے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کیں۔

”از بختان کو وسط ایشیاء کی جمہوریاؤں میں مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی آبادی دو کروڑ اور رقبہ ایک لاکھ 58 ہزار مربع میل ہے۔ ازبکوں کا سلسلہ منگولوں کے ان خانوں سے ملتا ہے جنہوں نے ایک وقت میں روس اور کیف تک بادشاہی کی۔ امیر تیمور نے اپنے دور میں تہذیب اور ثقافت کے وہ گہرے نقوش چھوڑے کہ جس کی جھلک سات سو سال کے بعد اب بھی سر قند، خٹار اور خیوا کی حسین و جمیل مساجد اور عالی شان مدارس کی عمارتوں میں نمایاں ہے۔ ازبک لوگوں کو نہ صرف اس بات پر ناز ہے کہ یہ تیمور اور بامداد وطن ہے بلکہ اس بات پر بھی فخر ہے کہ یہ امام خٹاری، امام ترمذی، امام ابو منصور ماتریدی جیسے علماء اور شیخ بہاؤ الدین نقشبندی جیسے مشائخ اور علی شیر نوائی جیسے شاعر، ابن سینا جیسے سائنسدان اور البیردنی اور فارابی جیسے فلاسفروں کی سر زمین ہے“

دادا خان نوری نے فقیر کو وہ عمارت بھی دکھائی جہاں 1965ء کی جنگ کے بعد سویت وزیر اعظم کو سی گن کی کوششوں سے ایوب خان اور لال بہادر شاستری کے درمیان معاہدہ تاشقند طے پایا تھا۔ تاشقند کا شہر ”تمین شین“ یعنی جنت کے پہاڑوں کے دامن میں دریائے چرچک کی وادی میں بسا ہوا دو ہزار سال پرانا شہر ہے۔ ایک زمانے میں یہ ایک ہزار قلعوں کا شہر کہلاتا تھا۔ شاید اسی وجہ سے اس کا نام تاشقند ہے یعنی پتھروں کا شہر۔ ازبک زبان میں تاش پتھر کو اور قند شہر کو کہتے ہیں۔ شیریں فرہادی

محبت بھری داستان بھی اس علاقے سے وابستہ ہے۔ اب اس شہر کی بلند وبالا، عالیشان عمارتیں، کشادہ سڑکیں، فواروں والے چوراہے اور خوبصورت پارکوں کو دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ اتنا پرانا شہر ہے۔ سابق سوویت یونین کے تین بڑے شہروں ماسکو، لینن گراڈ اور کیف کے بعد چوتھا نمبر تاشقند کا آتا ہے۔ یہ ایشیا کا پہلا شہر ہے جہاں زیر زمین ریلوے کی تعمیر شروع ہوئی۔ زیر زمین اسٹیشن سنگ مرمر سے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ان پر زلزلے کا اثر نہیں ہو سکتا۔

وادئ فرغانہ میں چند روز :

دادا خان نوری نے بتایا کہ اس کا آبائی وطن فرغانہ وادی ہے۔ یہ ازبکستان کی بڑی زر خیز اور مردم خیز سر زمین ہے جو باہر کا مسکن و مولد ہونے کا شرف رکھتی ہے۔ مزید برآں صاحب ہدایہ قاضی برہان الدین المرغینائی نے بھی اسی سر زمین میں جنم لیا۔ اس وادی کے مشہور شہر مرغیان، نمگان، عند جان اور قوتان ہیں۔ دادا خان نوری نے جب سنا کہ فقیر وہاں کا سفر کرنے پر تل گیا ہے تو ان کے دل میں شوق انگڑائیاں لینے لگا کہ وہ بھی اپنے وطن مالوف کی سیر کرے۔ دادا خان نوری نے فقیر سے کہا کہ میں آپ کو وادی فرغانہ لے کر جاؤں گا۔

جمعرات 7 مئی 1992ء کو دن کے گیارہ بجے وادی فرغانہ کے لئے روانگی ہوئی۔ دوران سفر برف پوش پہاڑوں سے گزرنا پڑا۔ ایک جگہ راستے میں گاڑی کھڑی کر کے باہر نکلے تو ہر طرف برف ہی برف کا عجیب سماں تھا۔ سردی اتنی زیادہ تھی کہ برف ہاتھ میں لینے سے ہاتھ گیلے نہیں ہوتے تھے۔ بخ بستہ ہوائیں چل رہی تھیں۔ فقیر کافی دیر تک برف پر چلنے کی مشق کرتا رہا۔ دوبارہ سفر شروع کر کے ایک ایسی جگہ ر کے جہاں دادا خان نوری کے ایک دوست کی قیامگاہ تھی۔ ظہر کی نماز پڑھی اور کھانا

بھی کھایا۔ مغرب کے قریب واوی مرغلان میں پہنچے۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول، درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے، فقیر کی زبان سے بے اختیار یہ آیت نکلی

لقد كان لسبأ في مسكنهم آية جنتن عن يمين و شمال

(تحقیق قوم سبا کیلئے دائیں اور بائیں دو باغ نشانی تھے)

شہر میں داخل ہو کر سیدھے مسجد میں پہنچے تو مؤذن نے فقیر کو دیکھتے ہی نماز پڑھانے کا اشارہ کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد نمازی اس طرح حلقہ بنا کر بیٹھ گئے کہ جیسے کوئی محفل منعقد ہونی ہے۔ مسجد کے امام خطیب مفتی عبدالرحمن صاحب نے فرمایا کہ اہل محلہ آپ سے کچھ نصیحت سنا چاہتے ہیں۔ فقیر نے اردو زبان میں بیان کیا اور دادا خان نوری نے ازبک زبان میں ترجمہ کیا۔ حاضرین محفل سبحان اللہ اور الحمد للہ کے ذریعے فقیر کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ مجلس کے اختتام پر مفتی عبدالرحمن صاحب نے اپنے گھر جانے کی دعوت دی۔ محلے کے نمازیوں میں سے بھی چند حضرات وہاں پہنچ گئے۔ کھانے کے دوران بھی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ رات کو وہیں پر قیام کیا۔ نماز فجر کے بعد فقیر نے عربی زبان میں میان کیا اور مفتی عبدالرحمن صاحب نے بڑی خوبصورتی سے اس کا ترجمہ ازبک زبان میں کیا۔ لوگوں نے نہایت توجہ سے بات سنی۔ محفل کے اختتام پر مراقبہ بھی کروایا گیا۔ نوافل اشراق کے بعد ایک صاحب کے ہاں ناشتہ کی دعوت تھی۔ اس نے علاقے کے تمام علمائے کرام اور مشائخ عظام کو مدعو کیا ہوا تھا۔ فقیر کو ان سب سے ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔

از بختان میں کھانے سے پہلے بہت اہتمام سے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں۔ ہر محفل میں اٹھتے بیٹھتے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جاتی ہے۔ آنے والا مہمان جب دعا مانگتا ہے تو اس دوران میزبان کھڑے ہو کر نہایت ادب سے ”رحمت رحمت“ کا لفظ کہتے ہیں۔

محبت کے اظہار کے لئے اپنا دایاں ہاتھ سینے پر رکھتے ہیں۔ پھر دسترخوان بچھاتے ہیں اور روٹی کے ٹکڑے کر کے اس پر رکھتے ہیں۔ خشک میوے دسترخوان پر بہت زیادہ رکھے جاتے ہیں۔ پتلے قہوے کی شکل میں تھوڑی تھوڑی چائے کپ میں ڈال کر پانی کی جائے پی جاتی ہے۔ پلاؤ یہاں کی بہت مقبول ڈش ہے۔ کھانے کے لئے بڑے بڑے پیالوں میں گوشت شوربہ دیا جاتا ہے۔ لوگ عموماً اس میں روٹی کے ٹکڑے ڈال کر ٹرید مانتے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ٹرید کو کھانوں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو عائشہؓ صدیقہ کو دوسری عورتوں پر حاصل ہے۔ کھانے کے اختتام پر گوشت کے بھنے ہوئے کباب پیش کئے جاتے ہیں۔ یہاں کا اصول ہے کہ کھانا آہستہ آہستہ آرام آرام سے کھاؤ۔ جس مہمان کو اس اصول کا پتہ نہ ہو اور وہ جلدی جلدی کھانا کھائے تو اس کا کھانا کھا کر برا حال ہو جاتا ہے۔

نمنگان کی مرکزیت :

نمنگان تاشقند سے پانچ سو میل دور از بھٹان کے آخری سرے پر واقع ایک بڑا شہر ہے اس کی اہمیت کے دو اسباب ہیں ایک تو محل وقوع ایسا ہے کہ مشرق میں یہ قزاقستان کی سرحد کے قریب ہے، جنوب میں کرغستان نزدیک ہے اور مغرب میں تاجکستان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں اسلامی تحریک کا فروغ بلاشبہ پڑو، کی تینوں جمہوریاؤں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ دینی علوم حاصل کرنے والے طلباء یہاں آکر علماء سے پڑھتے ہیں اور واپس اپنی جگہوں پر جا کر ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتے ہیں۔ نمنگان کی اہمیت کا دوسرا سبب یہاں کے متقی اور پرہیزگار علماء کی مضبوط جماعت ہے۔ ایک شہر میں کئی دینی مدارس ہیں۔ ماحول پر اس کا اثر نظر آتا ہے۔ نمنگان میں چند عورتیں چہرے پر حجاب لے کر بازار میں پھرتی نظر آتی ہیں جب کہ وسط ایشیا میں

یہ منظر کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتا۔ عورتیں سر توڑھانپ لیتی ہیں مگر چہرہ کھلار کھتی ہیں۔ نمنگان کا شر خاصاً اور بہت خوبصورت ہے چاروں طرف کے مضافات میں بھی آبادی ہے۔ اندرون شہر کے بعض محلوں میں پرانی آبادی اور تنگ گلیاں ہیں وگرنہ ہر جگہ کشادہ سڑکیں اور جدید اونچی عمارتیں ہیں، تجارتی اور صنعتی ادارے موجود ہیں۔ سڑکوں کے دونوں طرف سرو، صنوبر اور پھلوں کے درخت لگے ہوئے ہیں۔

نمنگان دریائے سیر کے کنارے آباد ہے۔ دریا کے دوسرے کنارے پر مغل بادشاہ بابر کے والد عمر شیخ مرزا کا قلعہ ہے۔ جہاں اب اس کے آثار قدیمہ کے نشانات موجود ہیں۔ ظہیر الدین بابر اس تاریخی قلعہ میں پیدا ہوئے، سات سال کی عمر تک انہوں نے اس قلعہ میں پرورش پائی۔ لیکن جب ان کے والد اس قلعہ کی دیوار سے گر کر دریائے سیر میں ڈوب گئے تو وہ اپنی والدہ کے ساتھ ننھیال منتقل ہو گئے۔ جب جوان ہوئے تو جنگجو طبیعت کے ساتھ ساتھ سخت کی بلندی انہیں ہندوستان تک لے آئی۔ سیر اور کارادونوں دریا نمنگان کے قریب ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیر اور کارا کی وادی میں پرورش پانے والا مغل چہ گنگا اور جہنا کی وادیوں کا تاج دار بنا۔

نمنگان کے قریب تیل کا ایک بڑا ذخیرہ دریافت ہوا ہے۔ جب کنواں کھودا گیا تو تیل اس زور اور تیزی سے نکلا کہ قابو سے باہر ہو گیا۔ چنانچہ اس جگہ کے گرد کالے تیل کی بہت بڑی جھیل سی بن گئی۔ اب اس میں سے بڑے بڑے ٹینکروں کے ذریعے تیل نکال کر ریفرنری کی طرف لے جاتے ہیں۔ دادا خان نوری کی آنکھیں اس جھیل کو دیکھ کر چمک اٹھتی ہیں۔ وہ اسے سونے کی جھیل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نمنگان میں ”عدالت“ نام سے ایک تحریک ابھری ہے جس کے سربراہ رستم جان نوجوانوف ہیں۔ یہ تحریک اصلاح معاشرہ کے لئے سرگرم عمل ہے۔ ”عدالت“

گمراہ نوجوانوں اور جرائم پیشہ لوگوں کو مسجد میں لاتی ہے اور انہیں قرآن پاک پڑھانے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مذہب کی تعلیم حاصل ہونے پر وہ نوجوان توبہ تاب ہو کر نیک بن جاتے ہیں۔

نسبت کی برکات :

فقیر دادا خان نوری کے ہمراہ جب نمگان شہر میں داخل ہوا تو مولانا رستم جان نے چار جگہوں پر استقبال کے لئے جماعت بھیجی تھی۔ انرپورٹ پر، اڈے پر، مدرسہ عربیہ میں اور جامع مسجد کے دروازے پر۔ ہمارے پاس مدرسے کا ایڈریس تھا وہاں پہنچنے پر طلباء نے پر تپاک طریقے سے استقبال کیا۔ جمعۃ المبارک کا دن تھا اور نماز کا وقت بہت قریب تھا۔ ہم لوگ جلد ہی وضو نازہ کر کے نماز کے لئے مسجد میں آگئے۔ جامع مسجد مخدوم ایٹان میں فقیر نے میان کیا اور مولانا رستم نے ترجمانی کی۔ دادا خان نوری کے اندازے میں پانچ ہزار نمازیوں کا مجمع تھا۔ فقیر نے باطنی صفائی کے عنوان پر تقریر کی۔ اہل اللہ کے واقعات سن کر مجمع تڑپ اٹھا، نمازیوں میں ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ میان سے باہر۔ فقیر نے جب جمعہ کا عربی خطبہ پڑھا تو نسبت شریفہ کی برکات نے سماں باندھ دیا۔ لوگوں کی آنکھوں سے موتیوں کی طرح رخساروں پر آنسو گرتے نظر آرہے تھے۔ نماز کی امامت بھی فقیر نے کی، نماز کے بعد مولانا رستم جان کے کہنے پر فقیر نے پورے مجمع کو بیعت کے کلمات پڑھائے اور مراقبہ کروایا۔ نماز کے بعد نمازیوں نے مصافحہ کے لئے اس قدر ہجوم کیا کہ اگر چند نوجوان فقیر کو اپنے حصار میں نہ لے لیتے تو جان چھانا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود کچھ لوگ مصافحہ کر رہے تھے، کچھ لوگ بازوؤں کو، کپڑوں کو، جسم کے دوسرے حصوں کو ہاتھ لگا کر برکت کے حصول کی خاطر اپنے چہروں پر مل رہے تھے۔ فقیر اپنے دل میں اپنے نفس

کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ اے ذلیل! اپنے سیاہ اعمال کو دیکھ اور اپنے پروردگار کی ستر پوشی کو دیکھ، لوگ تیری تعریفیں نہیں کر رہے بلکہ تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریفیں کر رہے ہیں۔ علاقے کے مشائخ حضرات باجماعت ملنے کے لئے آگے بڑھے تو نوجوانوں نے حصار میں راستہ بنا کر انہیں اندر آنے دیا۔ فقیر نے نورانی چہرے دیکھے تو فرط عقیدت میں ان کے ہاتھ چومے جب کہ انہوں نے فقیر کی پیشانی پر بوسے دیئے۔ مجمع کے لوگ اس منظر کو دیکھ کر اللہ اللہ کی صدا بلند آواز سے لگا رہے تھے۔ دادا خان نوری کی باچھیں کھل رہی تھیں۔ وہ اپنے آپ میں فخر محسوس کر رہے تھے کہ میں ایک ایسے مہمان کو لے کر آیا ہوں کہ علاقے کے علماء صلحاء جس سے مل کر اتنے خوش ہوئے ہیں۔ کافی دیر بعد جب لوگوں کی نفری کم ہوئی تو نوجوان حضرات فقیر کو ایک قریبی حجرے میں لے گئے۔

کباب میں ہڈی :

تھوڑی دیر بعد حجرے کے اندر مقامی علماء و مشائخ بھی تشریف لائے۔ بعض حضرات نے فقیر کو دیکھا تو بلند آواز سے کہا

”سیمامہم فی وجوہہم من اثر السجود“

(نشانی ہے ان کے چروں پر، سجدوں کے اثر سے)

بعض حضرات نے دعاؤں کی درخواست کی تو فقیر نے ان کے حکم کی تعمیل میں دعا کروادی۔ اسی اثناء میں کوٹ چٹلون میں ملبوس ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا اور فقیر کے قریب اس طرح آکر بیٹھ گیا جیسے کوئی شیخ المشائخ بیٹھتا ہے۔ جب کوئی آدمی فقیر کو دعا کے لئے کہتا تو یہ صاحب جلدی سے ہاتھ اٹھ کر بلند آواز سے دعا شروع کر دیتے اور پھر اس آدمی کو کہتے کہ آپ کے لئے دعا کر دی گئی ہے۔

پھر اچانک ان صاحب نے میان کرنا شروع کر دیا۔ فقیر نے قریبی آدمی سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ تو اس نے کان میں بتایا کہ یہ ترکی کے عالم ہیں، بے ریش ہیں، عورتوں سے اختلاط رکھتے ہیں، حرام حلال کی تمیز نہیں مگر حکومت نے ان کو تبلیغ کے لئے بھیجا ہے۔ مغربی ممالک نے وسط ایشیاء کی ریاستوں کے آزاد ہونے پر یہ محسوس کیا کہ یہاں کے مسلمان کہیں پاکستان یا سعودی عرب والے اسلام پر نہ چلنا شروع کر دیں۔ لہذا انہوں نے ایک فنڈ قائم کر کے بہت بڑی رقم اکٹھی کی اور ترکی کو پیش کی کہ آپ اپنے علماء کو یہ پیسے دے کر وسط ایشیاء بھیجیں وہاں پر مساجد اور مدارس بنائیں اور وہاں کے لوگوں کو اپنے جیسا مسلمان بنائیں۔ لہذا ایسے چند سو حضرات اس وقت از بھستان کے مختلف علاقوں میں آئے ہوئے ہیں۔ ہم مہمان کا اکرام کرتے ہوئے ان کی باتیں سن لیتے ہیں مگر کرتے وہی ہیں جو ہماری اپنی سمجھ میں آتا ہے۔

جب وہ صاحب کچھ دیر میان کرتے رہے تو مجمع میں ایک شخص نے کہا کہ آپ کی باتیں تو ہم روزانہ سنتے ہیں براہ مہربانی ہمیں اس پاکستانی شیخ کی باتیں سننے دیں۔ مگر وہ صاحب لوگوں کی چاہت کا احترام کرنے کی بجائے اپنی باتوں میں لگے رہے حتیٰ کہ ہر آدمی کو ناگواری محسوس ہونے لگی۔ جب فقیر نے دیکھا کہ آداب محفل کو ایک طرف کر کے ان صاحب نے محفل کا رنگ ہی بدل دیا ہے تو فقیر نے ان کے قلب پر توجہ ڈالی۔ اگلے چند لمحوں میں وہ صاحب محفل سے اٹھ کر چلے گئے۔ سب نے سکھ کا سانس لیا۔ الحمد للہ عقل و مال کے بل بوتے پر پروان چڑھنے والی کئی ماہ کی محنت نسبت شریفہ کے انوار کی برکت سے پل بھر میں راکھ کا ڈھیر بن گئی۔

واللہ غالب علی امرہ ولكن اکثر الناس لا يعلمون

(اور اللہ تعالیٰ غالب رہتے ہیں اپنے حکم میں اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)

انت هذا و نحن هذا :

اگلے دن مقامی علمائے کرام کی ایک جماعت ملاقات کے لئے آئی۔ اکثر حضرات مختلف مدارس کے ناظم و مہتمم اور مساجد کے امام و خطیب تھے۔ یہ حضرات اتنی روانی سے عربی زبان بول رہے تھے جیسے کہ عربی ان کی مادری زبان ہو۔ فقیر نے ان کے سامنے اپنی بے علمی کا اظہار اور جمالت کا اقرار کر لیا۔ یہ بھی بتایا کہ فقیر آپ کی سب باتیں سمجھتا تو ہے مگر عربی زبان بولنے پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ بہر حال ٹوٹی پھوٹی زبان میں جواب دیتا رہے گا۔ دادا خان نوری اپنے بہن بھائیوں سے ملنے کے لئے گھر گئے ہوئے تھے لہذا گفت و شنید کا دوسرا کوئی راستہ نہ تھا۔ صاحب خانہ نے خشک میوے دسٹر خوان پر رکھ دیئے تھے۔ سب لوگ میوے بھی کھاتے رہے اور بات چیت کا سلسلہ بھی چلتا رہا۔ مولانا داؤد خان مقامی علماء میں سے سن رسیدہ اور استاد عالم کا درجہ رکھتے تھے۔ انہوں نے فقیر سے پاکستان کے احوال دریافت کئے۔ ایک سوال کرتے ہوئے ان کے لہجے میں بڑی سختی تھی کہ پاکستان کے عوام نے اپنا ملک کلمہ کا نعرہ لگا کر حاصل کیا تھا، 45 سال گزرنے کے باوجود وہاں ابھی تک اسلامی شریعت نافذ کیوں نہیں ہوئی؟ وہاں کے علمائے کرام کو کیا ہو گیا؟ کیا سب لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ فقیر نے بتایا کہ علمائے کرام نفاذ شریعت کی کوششیں کر رہے ہیں مگر اس جواب سے مولانا داؤد خان کی تسلی نہ ہوئی۔ پھر انہوں نے فقیر سے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں آئے؟ فقیر نے عرض کیا کہ نسبت شریفہ کی اشاعت کے سلسلہ میں آیا ہوں۔ انہوں نے نہایت سختی کے لہجے میں کہا کہ کیا پاکستان میں کام مکمل ہو گیا ہے جو آپ یہاں آئے ہیں؟ فقیر نے عرض کیا کہ نوکر کی اور ڈاکینے کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی وہ حکم کے پاہن ہوتے ہیں۔ فقیر بھی بعض منامی اشارات کی وجہ سے یہاں حاضر

ہوا ہے۔ آپ کو ناگواری ہو رہی ہے تو یہاں سے واپس چلا جائے گا۔

ہم فقیروں سے کچ ادائی کیا

آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا

محفل میں تھوڑی دیر کے لئے سنجیدگی اور خاموشی کا ماحول بن گیا۔ مولانا رستم خان نے فقیر سے کہا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمادیں۔ فقیر نے تعمیل حکم کے طور پر تقویٰ کے عنوان پر کچھ میان کیا ساتھ ہی حاضرین پر باطنی توجہ ڈالی۔ بعض حضرات پر گریہ طاری ہو گیا۔ مولانا دود خان دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ بیان کے اختتام پر وہ اٹھ کر آگے آئے اور فقیر سے معذرت کرنے لگے کہ میں نے بلند آواز سے آپ سے بات چیت کی، میں آپ کو پہچان نہیں سکا، مجھے معاف فرمادیں۔ یہ کہتے ہوئے ان کے سامنے ایک جگہ پستے کا مغز پڑا تھا اور ساتھ ہی چھلکے پڑے تھے۔ انہوں نے مغز پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ شیخ انت هذا (آپ ایسے ہیں) اور پھر چھلکوں پر ہاتھ رکھ کر کہا و ذہن هذا (ہم ایسے ہیں)۔ اس کے بعد انہوں نے چوں کی طرح بلک بلک کر اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا، فقیر کے پاؤں سے لگے بیٹھے تھے۔ بالآخر انہوں نے اپنا سر فقیر کی گود میں ڈال کر اتنی اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا کہ ہمسائے کے گھروں سے لوگ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ حاضرین محفل کے اوپر ایسا گریہ طاری تھا کہ جیسے کسی کے فوت ہونے پر رو رہے ہوں۔ فقیر سب کو تسلی دے رہا تھا۔ مولانا عمر خان بار بار اونچی آواز سے اللہ اللہ کہتے اور روتے جا رہے تھے۔ کافی دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا، فقیر نے ان سب کو تسلی دی مولانا عمر خان نے کہا کہ حضرت ہم طریقت میں آپ کے شاگرد بننا چاہتے ہیں۔ فقیر نے سب حضرات کو بیعت کیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے نسبت شریفہ کی اشاعت کا دروازہ کھول دیا۔ بیعت کے بعد سب علمائے کرام کے قلب پر انگلی رکھ کر اسم ذات کی ضرب لگائی گئی اور سب کو مراقبہ کا طریقہ بتایا گیا۔ جب ان سے کہا کہ

تھوڑی دیر کے لئے مراقب ہو جائیں تو سب حضرات سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔ مراقبہ کے اختتام پر سب حضرات نے اپنے اپنے مدارس میں آنے کی دعوت دی۔

فقیر نے ان سب کی دعوت قبول کی الحمد للہ کہ سات کاروں میں سب حاضرین شہر کے مختلف مدارس میں گئے۔ ہر جگہ فقیر نے اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں بیان کیا، طلباء بھی سلسلہ عالیہ میں داخل ہوتے رہے۔ مولانا عمر خان نے کہا حضرت! آپ یہاں کے علماء کے متفقہ طور پر پیرو مرشد ہیں۔ علماء پہلی مرتبہ کسی ایک شخصیت پر متفق ہوئے ہیں۔ الحمد للہ ہم سلوک سیکھنے آپ کے پاس پاکستان بھی آئیں گے۔ فقیر نے کہا چشم مارو شن دل ماشاؤ۔

ممکن شہر میں روسی انقلاب سے پہلے چھوٹی بڑی ایک ہزار مساجد تھیں مگر کیمونسٹوں نے دو بڑی مساجد کے علاوہ باقی سب کو بند کر دیا تھا۔ اب الحمد للہ سب کی تعمیر نو ہو رہی تھی بائیس مساجد میں جمعہ شروع ہو چکا تھا، باقی کا تعمیراتی کام جاری تھا۔ فقیر کو بعض جگہوں پر لے جا کر دعا بھی کروائی گئی۔ الحمد للہ پہلے ہی دن اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کاملہ سے اللہ اللہ کرنے والوں کی ایک جماعت بنا دی۔ اب فقیر کو نہ تعارف کے لئے داوا خان نوری کی ضرورت رہی اور نہ ہی کہیں آنے جانے کے لئے کسی کی گاڑی کی محتاجی رہی۔ داوا خان نوری نے جب یہ معاملہ دیکھا تو کہنے لگے کہ حضرت آج رات ہمارے گھر دعوت قبول فرمائیں اس کے بعد علماء آپ کو جہاں چاہیں لے جائیں۔ چنانچہ رات کو پر تکلف ازبب کھانے دسترخوان پر ملے، بھنا ہوا گوشت بڑا لذیذ تھا، بہت زیادہ کھا لیا۔ جب سونے لگے تو داوا خان نوری نے بستر کے ساتھ دسترخوان بچھا کر اس پر کھانے رکھوا دیئے۔ پوچھا یہ کیا؟ کہنے لگے کہ رات کو آٹھ کھلے کی توبہ کھانے کھا لیجئے گا۔

عند جان کے مدارس :

عند جان کے ایک معروف شیخ طریقت حضرت عادل خان دامت برکاتہم نے جب ممگان کے علماء کے بارے میں سنا کہ وہ طریقت میں داخل ہو گئے ہیں تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے فقیر کی طرف خصوصی نمائندہ بھیجا کہ آپ عند جان تشریف لائیں۔ فقیر حکم کی تعمیل میں اگلے دن عند جان حاضر ہوا۔ ظہر کی نماز ایک مدرسہ کی مسجد میں ادا کی، اساتذہ اور طلباء سے ملاقات ہوئی۔ نماز کے بعد مسجد میں ایک نوجوان عالم دین درس قرآن دینے لگے اور کئی سونمازی ان کے درس میں بیٹھ گئے۔ نوجوان عالم دین مولانا عبدالقہار صاحب کے چہرے پر سعادت کے انوار نظر آرہے تھے۔ جب درس مکمل ہوا تو دعا سے پہلے ایک صاحب نے اعلان کیا کہ پاکستان سے ایک شیخ طریقت تشریف لائے ہیں وہ میان کریں گے۔ جب فقیر منبر و محراب کے قریب حاضر ہوا تو مولانا عبدالقہار صاحب خاموش لگ رہے تھے۔ لگتا تھا کہ فقیر کے متعلق ان کی طبیعت میں انشراح نہیں تھا۔ جب فقیر نے درس قرآن دیا تو انہوں نے ترجمانی کی۔ الحمد للہ نسبت شریفہ کے انوار نے محفل کو خوب گرمایا۔ حتیٰ کہ درس کے بعد مولانا عبدالقہار صاحب سب سے پہلے بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ عوام الناس کا تو کیا کہنا، ان کے جوش و خروش کا عالم تو دیدنی تھا۔ میان سے فراغت پر مولانا عبدالقہار صاحب فقیر کو اپنے گھر لے گئے، انتہائی پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ کھانے سے فراغت پر فرمانے لگے کہ حضرت! اب آپ آرام فرمائیں گے یا یہاں پر ایک نیا مدرسہ بن رہا ہے وہاں جا کر دعا فرمائیں گے۔ اس مدرسہ کے بانی ابھی مسجد میں آپ سے بیعت ہو چکے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ عاجز یہاں پر آرام کے لئے نہیں بلکہ کام کے لئے آیا ہے۔ میرے پیر و مرشد فرمایا کرتے تھے کہ ”کام، کام، کام، بس تھوڑا

آرام“ لہذا اس عاجز کا بھی یہی معمول ہے۔ سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ کر ایک وسیع و عریض عمارت میں پہنچے جس کا نام مدرسہ امام عاصمؒ تھا۔ یہاں دو بہت بڑی بڑی کمریں فٹ کی گئی تھیں اور عمارت کا کام بڑی تیزی سے مکمل ہو رہا تھا۔ تمہ خانہ اتنا بڑا تھا کہ ہم لوگ چل چل کر تھک گئے۔ پورا مدرسہ دیکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ مدرسہ کیا ایک یونیورسٹی کی عمارت نظر آرہی تھی۔ فقیر نے پوچھا کہ اس میں کتنے طلباء کی رہائش کا انتظام کیا گیا ہے؟ بتایا گیا کہ ایک کمرے میں 4 طلباء کے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ حالانکہ پاکستان کے حساب سے اس میں آٹھ طلباء بھی ٹھہر سکتے تھے۔ مولیٰ مدرسہ کے بڑے حافظ عبدالجلال صاحب کو فقیر کا بیان اتنا پسند آیا تھا کہ ان کے ہاتھ میں ہر وقت ٹیپ ریکارڈر رہتا تھا اور وہ فقیر کی ہر گفتگو ٹیپ کرتے تھے۔ فقیر نے ان سے کہا کہ چلو بیانات تو ٹیپ کئے ہی جاتے ہیں۔ ہر وقت کی گفتگو کو ٹیپ کرنے کا کیا مقصد؟ اس نے رو کر کہا کہ حضرت ہم یہ باتیں سنیں گے اور یاد کیا کریں گے کہ آپ نے کس موقع پر کیا فرمایا تھا۔ مدرسہ میں دعا کرنے کے بعد ہم لوگ حاجی عبدالسلام صاحب کے گھر کھانے کے لئے پہنچے۔ انہوں نے عند جان شہر کے معززین کو مدعو کیا ہوا تھا۔ الحمد للہ کھانے کے بعد تھوڑی دیر بیان ہوا تو اکثر لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہو گئے۔ مولانا عبدالقہار صاحب کہنے لگے حضرت! اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو مقام تسخیر عطا کیا ہے۔ ایسے ایسے لوگ بھی بیعت ہو رہے ہیں جن کے متعلق ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اس میں عاجز کا کوئی کمال نہیں، کمال تو کمال والے پروردگار کا ہے جو اپنے گنہگار بندوں کو بھی دین کے لئے قبول فرما لیتا ہے۔ اسی گفتگو کے دوران ایک عالم دین نے دعوت دی کہ حضرت! آپ عشاء کی نماز آسا کہ کی قرعہ آبادی میں واقع ایک مسجد میں پڑھائیں۔ فقیر نے مولانا عبدالقہار صاحب سے پوچھا کہ فقیر تو نووارد ہے آپ بتائیں کہ کیا کریں؟ تو انہوں نے کہا کہ حضرت میں

خود آپ کے ساتھ وہاں چلوں گا آپ پروگرام دے دیجئے۔

دو ہیروں کی دریافت :

مغرب کی نماز کے بعد مولانا عبدالقہار صاحب کے ہمراہ آسا کہ جانا ہوا۔ اہل محلہ کے اصرار پر فقیر نے عشاء کی نماز قصر پڑھائی جب کہ سب نمازیوں نے اپنی بقیہ نماز پوری کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مولانا عبدالقہار صاحب نے فرمایا کہ حضرت کا یہاں تشریف لانا ہمارے لئے نعت غیر مترقبہ ہے۔ میرا ارادہ بہت پہلے سے تھا کہ کسی شیخ سے بیعت کروں مگر طبیعت کہیں بھی مطمئن نہیں ہوتی تھی۔ حضرت کی توجہات نے مجھے اپنا غلام بے دام بنا لیا ہے۔ میں نے بیعت کر لی ہے بلکہ میں تو آپ کے ہاتھ بک چکا ہوں۔ یہ کہہ کر مولانا نے اپنے عمامے کو پھیلادیا۔ فقیر نے کہا کہ حاضرین میں سے جو حضرات بیعت ہونا چاہیں وہ کپڑا پکڑ لیں۔ بس پھر کیا تھا سب حاضرین محفل نے کپڑا تھام لیا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سب لوگ بیعت کے لئے تیار تھے۔ بیعت سے فراغت پر فقیر نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اوراد و وظائف کی تشریح کی اور تھوڑی دیر کے لئے مراقبہ کروایا۔ اس مراقبہ میں فقیر نے فارسی کے درج ذیل اشعار پڑھے

مومن ذکر خدا بسیار گو
تایمانی در دو عالم آرد

(اے مومن ذکر خدا بہت کر تاکہ تو دونوں جہانوں میں عزت پائے)

ذکر کن ذکر تا ترا جان است

پاکي دل ز ذکر رحمان است

(ذکر کر ذکر، جب تک تو زندہ ہے کیونکہ دل کی پاکیزگی رحمن کے ذکر سے

حاصل ہوتی ہے)

ۛ یک چشم زدن غافل از آں شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی
{ آنکھ جھپکنے کی دیر بھی ہر بادشاہ سے غافل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ پر کرم کی
نگاہ کر رہا ہو اور تو اس وقت غافل ہو }

ۛ ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم
{ ہم نے جو کچھ پڑھا وہ سب بھول گئے، ہاں البتہ اس یار کی بات کہ ہم بار بار
دہرا رہے ہیں }

یہ اشعار سن کر مجمع کے لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔ آہ و بکا اس قدر
تھی کہ دیکھنے والے کو بھی ترس آجائے۔

محفل سے فراغت پر مولانا عبدالقمار صاحب نے بتایا کہ حضرت! آپ ہمارے
دوست مولانا حاکم جان کے ہاں رات کا قیام کریں گے۔ ساتھ کھڑے ہوئے مولانا
حاکم جان اور مولانا عبداللہ سے انہوں نے تعارف کروایا۔ دونوں حضرات نے کہا کہ
حضرت ہم دونوں نے مشورہ کیا ہے کہ آپ کے وسط ایشیاء کے پورے سفر میں ساتھ
رہیں۔ فقیر نے دادا خان نوری کی طرف دیکھا تو انہوں نے کہا بہت اچھا پہلے ہم دو
تھے اب چار ہو جائیں گے۔ باقی لوگ تو مقامی ہوتے ہیں، آتے جاتے رہتے ہیں۔ فقیر
نے ان دونوں حضرات کی طرف غور سے دیکھا تو سعادت کے آثار نظر آئے۔

ۛ مرد حقانی کی پیشانی کا نور

کب چھپا رہتا ہے پنیں زی شعور

آنے والے وقت نے بتا دیا کہ یہ دونوں دوست دو ہیرے ثابت ہوئے، جن کے

تعلق پر فقیر کو روز محشر نجات کی امید ہے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ خشد کریم
{ میں نے سنا ہے کہ امید اور خوف (آخرت) کے دن اللہ کریم ہر دوں کو بھی
نیکیوں کے ساتھ خشد دے گا }

مہمان نوازی کی انتہا :

جب مولانا حاکم جان کے گھر بچے تو کھلی سے لے کر ان کے اندرون خانہ تک
ایک بالکل نیا سفید کپڑا بچھا ہوا تھا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیوں بچھایا گیا ہے؟ انہوں نے
کہا کہ آپ اس پر چل کر اندر آئیں۔ فقیر نے جوتے اتارنے چاہے تو مولانا حاکم جان
نے کہا کہ حضرت آپ جو توں سمیت چل کر آئیں۔ ہمارے ہاں ایسی ہستی آئی ہے کہ
ہم اگر اپنی پلکیں بچھا سکتے تو دروغ نہ کرتے۔

اے باد صبا مثلا تو سہی مہمان جو آنے والے ہیں

کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

فقیر ان کے اصرار پر چارو ناچار اس سفید کپڑے پر چل کر گھر کے کمرے میں
پہنچا۔ گھر نہایت وسیع و عریض تھا۔ پھلوں کے درخت اور انگوروں کی میلوں سے سارا
صحن بھرا ہوا تھا، پھولوں کی خوشبو نے فضا کو معطر بنا دیا تھا۔ دلکش اور آرام دہ کمرے
خوشگوار ماحول پیش کر رہے تھے۔ کھانے میں ایک بجرے کا گوشت بھون کر پیش کیا گیا
تھا۔ جب رات گئے سب لوگ چلے گئے تو مولانا حاکم جان اور مولانا عبد اللہ نے کہا کہ
حضرت ہم آپ کی مٹھی چا پی کرنا چاہتے ہیں، اجازت مرحمت فرمائیں۔ ان کے شوق
کو دیکھ کر فقیر نے ہاں کر دی۔ کافی دیر تک یہ نجی محفل جاری رہی۔ فقیر نے مولانا

حاکم جان سے ایک سوال پوچھا کہ مولانا یہ بتائیں ، آپ آج کی دو تین محافل میں شریک رہے ہیں یہاں لوگ اس قدر تعداد میں سلسلہ عالیہ میں داخل کیوں ہو رہے ہیں؟ مولانا نے جواب دیا کہ حضرت ایک سال پہلے از بختیان میں دو تین بڑے بڑے مشائخ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا کام کر رہے تھے۔ مگر چند مہینے پہلے یکے بعد دیگرے ان کا انتقال ہو گیا۔ پچھلے چند مہینوں سے علماء و صلحاء روزانہ دعائیں کر رہے تھے کہ کوئی کامل شیخ ملے جس سے ہم اصلاحی تعلق قائم کریں۔ عین اس وقت آپ کی آمد کو یہاں کے علماء نعت غیر مشرقہ سمجھ رہے ہیں۔ اسی لئے جوق در جوق سلسلہ عالیہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ فقیر اپنے دل میں نادم و شرمندہ ہوا کہ لوگوں کے تاثرات کتنے اچھے ہیں اور فقیر کتنا گندہ ہے۔ دل نے جواب دیا کہ عظمت الہی کا مشاہدہ کرو۔ قربان جاؤں اس کی عنایات پر جو ایک حقیر فقیر گندے ہمدے کو کیسی عزتوں سے نوازتا ہے۔

ذرا دیکھو کھوٹا سکھ سر عام چل رہا ہے

حاکم قوقان کی دعوت :

11 مئی 1992ء کو عند جان سے روانہ ہو کر دن کے ایک بجے قوقان پہنچے۔ فقیر کے لئے سٹیٹ گیسٹ ہاؤس میں رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ انتظامات اتنے پر تکلف تھے کہ فقیر کا دل گھبرا رہا تھا۔ ہم یورپہ نشینوں کو تخت نشینوں سے کیا واسطہ۔ مگر سلسلہ عالیہ کی اشاعت کے لئے حضرت خواجہ سیف الدین مجددیؒ کی مثال سامنے تھی۔ اس لئے خاموشی سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ نو کروں چاکروں کی بھرمار، ہر طرف عیش و عشرت کے اسباب ، فقیر اسے آزمائش ہی سمجھتا رہا اور دعا کرتا رہا کہ اے پروردگار! فقیر کو کسی آزمائش میں مبتلا نہ کر دینا۔ وہ دن جس بے قراری میں گذر ا شاید

زندگی کا کوئی دوسرا دن اتنی بے قراری میں نہیں گذرا۔ لوگوں کے سامنے رو بھی نہیں سکتے تھے۔ بس دل کے رونے پر اکتفا کیا۔ زبان پر یہ شعر بے اختیار آگیا۔

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں

بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

مقامی انتظامیہ کا ایک وفد ملاقات کے لئے آیا۔ فقیر نے انہیں کچھ دیر نصیحت کی۔ جب ان کو فقیر کی انجینئرنگ کی تعلیم کے بارے میں علم ہوا تو وہ سب کے سب بہت متاثر ہوئے۔ فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر لطیفہ قلب کی نشاندہی کر دی۔

تو نیز بر سر بام آ :

توقان شہر میں ایک عالیشان عمارت تھی جس میں مقامی کیمونسٹ پارٹی کا صدر مقام واقع تھا۔ حاکم توقان نے اس میں خواتین کا پروگرام رکھوایا۔ چنانچہ دادا خان نوری اور مولانا عبداللہ کے ہمراہ وہاں جانا ہوا۔ سیکورٹی کے انتظام ایسے تھے جیسے کسی خزانے میں داخل ہو رہے ہوں۔ مقامی عالم نے بتایا کہ پچھلے ستر سال میں آپ پہلے مسلمان ہیں جو اس عمارت میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ جگہ کفر پھیلانے کا مرکز رہی ہے۔ فقیر نے کہا کہ انشاء اللہ یہی جگہ دین پھیلنے کا ذریعہ بنے گی۔ فقیر کے لئے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ یہ مستورات انگریزی نہیں سمجھتی تھیں جب کہ روسی زبان فقیر نہیں سمجھتا تھا۔ بہر حال تھوڑی دیر بیان ہوا، دادا خان نوری نے فقیر کی ترجمانی کی اس کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ سوال و جواب کی محفل رہی۔ اکثر عورتیں چونکہ کیمونسٹ خیالات رکھتی تھیں لہذا ان کے سوال بھی اسی نوعیت کے تھے۔ بعض نے یہ سوال پوچھا کہ اسلام میں عورت کو دوسرے درجے کا شہری کیوں سمجھا گیا ہے؟ فقیر نے آسان

الفاظ میں ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ اور ساتھ ہی ساتھ توجہات کا سلسلہ جاری رکھا۔ الحمد للہ سب عورتوں نے کہا کہ آپ بتائیں ہم اچھی زندگی کیسے گزار سکتی ہیں؟ فقیر نے ان سب کو اسلام کی دعوت دی۔ سب نے بیعت ہو کر اسلام قبول کرنے کے کلمات پڑھے۔ وہ لمحات ایسے دلگداز تھے کہ مقامی عالم دین زار و قطار رو رہے تھے۔ جو جگہ کمیونسٹ پارٹی کا صدر دفتر تھی الحمد للہ آج اس جگہ ایک فقیر بے نوا لوگوں کو کلمہ پڑھا کر دین میں داخل کر رہا تھا۔ کسی کمیونسٹ نے کبھی یہ سوچا تک نہیں ہوگا، عجیب منظر تھا۔ مقامی عالم نے کہا کاش سارے کمیونسٹ اس کو دیکھ سکتے۔

تو نیز برسر بام آ کہ خوش تماشا نیست

(تو بھی چھت پر آکر دیکھ کہ کیسا بہترین تماشا ہے)

محفل کے اختتام پر مستورات کے تاثرات بہت اچھے تھے۔ اکثر نے کہا کہ ہمیں توقع ہی نہیں تھی کہ پاکستان میں دینی و دنیوی علم کے حامل ایسے لوگ ہوں گے جو ہمارے لئے اسلام قبول کرنے کا سبب بنیں گے۔ ذلک الفضل من اللہ

اگر بڑھیا در پر آئے سلطان

تو اے واعظ نہ ہو ہرگز پریشان

منبر کی آواز محفلوں تک :

نماز عشاء کے بعد کا پروگرام شاہی مسجد میں رکھا گیا تھا۔ یہ ازبکستان کی واحد ایسی مسجد ہے جس کا مینار سوفٹ اونچا رکھا گیا ہے۔ پوری مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ امام صاحب نے فقیر کو بتایا کہ آج آپ کا بیان مسجد میں موجود لوگ بھی سنیں گے اور گھروں میں بیٹھی مستورات بھی سنیں گی۔ فقیر نے کہا وہ کیسے؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے ریڈیو اسٹیشن کا عملہ بلایا ہے جو اس پروگرام کو کاسٹ کریگا۔ اندازاً اس شہر کے دس

ہزار مسلمان گھروں میں یہ پروگرام سنا جائے گا۔ امام صاحب نے محفل کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے کیا، پھر فقیر نے بیان کیا۔ دادا خان نوری کو ترجمہ کرنے کا ملکہ حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے بڑے جوش و خروش سے ترجمانی کی۔ بیان کے بعد اس قدر لوگ بیعت کے لئے تیار تھے کہ کپڑے پھیلانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ فقیر نے لاؤڈ سپیکر پر ہی کلمات پڑھائے اور سب حاضرین نے وہ کلمات پڑھے۔ جب محفل کے اختتام پر لوگ مصافحہ کے لئے آگے بڑھے تو معاملہ کنزول سے باہر ہو گیا۔ مسجد اور مدرسہ کی پوری عمارتیں لوگوں سے بھری ہوئی تھیں۔ جب باہر نکلے تو پتہ چلا کہ باہر کے لوگ اندر کے لوگوں سے زیادہ تھے۔ باہر سڑک پر اس قدر ہجوم تھا کہ ٹریفک جام ہو چکی تھی۔ فقیر کو چند علماء نے اپنے حصار میں لے کر مجمع سے نکالا۔ بعض لوگ دور سے اپنے کپڑے کا ایک سرافقیر کی طرف پھینکتے جو فقیر کے جسم سے لگتا تو وہ اس سرے کو پکڑ کر چوم لیتے۔ مفتی اعظم خان صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہاں پر تو کبھی کسی وزیر اعظم کو دیکھنے کے لئے اتنے لوگ نہیں آئے جتنے آج آئے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر فقیر نے جواب میں جگر کا مشہور شعر پڑھا۔

میرا کمال عشق میں اتنا ہے اے جگر

وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

تاشقند واپسی :

اگلے دن تاشقند واپسی ہوئی۔ تابانی آفس کی سیکرٹری عزیزہ نے دادا خان نوری سے حالات سفر سنے تو پوچھا کہ اس سفر میں ان کے کتنے شاگرد بنے ہوں گے۔ دادا خان نوری نے کہا کہ محتاط اندازے کے مطابق تقریباً پچاس ہزار آدمی سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے ہوں گے۔ جب یہ حالات تابانی گروپ کے ڈائریکٹر محمد یعقوب تابانی

صاحب نے سنے تو انہوں نے بھی بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ وہ 15 مئی 1992 جمعہ کے دن سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ فقیر کا ارادہ تھا کہ چند دن تاشقند میں رہ کر کام کیا جائے۔ جناب عباس خان صاحب کی وساطت سے ریڈیو از بکستان پر فقیر کی تلاوت اور چند تقاریر نشر کروائی گئیں۔ مقامی اخبار کے چند حضرات انٹرویو کے لئے آئے اور انہوں نے پہلے صفحے پر نمایاں سرخی کے ساتھ فقیر کے سفر کی تفصیلات دیں۔ فقیر کا خیال ہے کہ یہ تفصیلات ان کو دادا خان نوری سے ملی تھیں۔

تاشقند کا اردو سکول :

تاشقند میں ایک اردو سکول ہے جس کا نمبر N-156 ہے۔ یہاں پر بچوں کو اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں کی پرنسپل صاحبہ ایک دن فقیر کا پتہ کرتی ہوئی سیاحت ہوٹل پہنچ گئیں۔ کہنے لگیں کہ ہم نے اخبار میں آپ کے متعلق پڑھا ہے آپ ہماری دعوت قبول فرمائیں اور سکول کے بچوں کو اپنی نصیحتوں سے نوازیں۔ فقیر نے کہا کہ جو وقت آپ کے لئے موزوں ہو اس وقت فقیر حاضر ہو جائے گا۔ چنانچہ مورخہ 16 مئی کو دادا خان نوری کے ہمراہ سکول جانا ہوا۔ پرنسپل صاحبہ اور دیگر شاف کو سکول کے دروازے پر استقبال کے لئے موجود پایا۔ سکول کے بچوں نے استقبالیہ اشعار پڑھے۔ جس کے جواب میں فقیر نے بھی شکریہ کے کلمات کہے۔ بچوں نے تقریباً آدھا گھنٹہ تک مختلف سوالات پوچھے اس کے بعد دو گھنٹے کے لئے بچوں نے کہانیاں سنائیں، اشعار پڑھے اور ترانے سنائے۔ فقیر نے اپنی تقریر میں انہیں پاکستان کی تاریخی و جغرافیائی معلومات سے آگاہ کیا پھر آخر پر دین اسلام کے بارے میں کچھ باتیں بتائیں بالخصوص تاریخ اسلام میں سے بچوں کے واقعات سنائے جن کو سن کر بچے بہت ہی محظوظ ہوئے۔ شاف نے اپنی رائے دی کہ بچوں کے بارے میں اتنا معلوماتی خطاب

ہم نے زندگی میں پہلی دفعہ سنا ہے۔ شاف نے نہایت پر تکلف کھانا پیش کیا۔ آخر پر پرنسپل صاحبہ نے فقیر کا شکریہ ادا کیا اور مشورہ دیا کہ اگر آپ پاکستان کے کسی سکول کا نام پیش کریں تو ہم ان کے ساتھ اپنے تعلیمی روابط استوار کریں گے۔ ہر سال ان کے دو لڑکوں کو اپنے ہاں بلائیں گے اور اپنے دو لڑکوں کو وہاں بھیجیں گے تاکہ دونوں اداروں کا رشتہ مضبوط تر ہو جائے۔ آخر پر چوں نے فقیر کو پتھو لوں کے ہار پیش کئے۔ فقیر نے دادا خان نوری سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہار ہے۔ فقیر نے کہا ہر گز نہیں یہ تو جیت ہے۔ یہ سن کر دادا خان نوری اتنا محظوظ ہوئے کہ کہنے لگے حضرت آپ ابھی میرے گھر تشریف لے چلیں، پلاؤ تیار ہو گا۔ وہ کھانے کے بعد میں آپ کو ہوٹل سیاحت لے جاؤں گا۔ فقیر نے کہا کہ اگر آپ نے پہلے سے نیت کی ہوئی ہے تو فقیر آپ کا دل رنجیدہ نہیں کرے گا۔ چنانچہ پلاؤ کھانے کے بعد جب ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے تو فقیر نے کہا ”دھاگے کھساں دے، تے پینڈے نت پر دیاں دے“۔ دادا خان نوری اس کے مطلب کو نہ سمجھ سکے اور نہ ہی فقیر نے سمجھانے کی ضرورت محسوس کی۔

مجھے ہے حکم ازاں :

تاشقند کے ایک محلے کا نام مرزا غالب محلہ ہے۔ اس کو لے جانے والی سڑک کا نام ابھی مرزا اسد اللہ خان غالب ہے۔ اس کے ملحق دو محلے ہیں ایک کا نام الہیہ دینی محلہ اور دوسرے کا نام ابراہیم محلہ ہے۔ مرزا غالب کو چونکہ ازبک ہونے پر فخر ہوا کرتا تھا اسی لئے ازبک لوگوں نے اس کی یاد تازہ کرنے کے لئے مسجد اور محلے کا نام ان کے نام پر رکھ دیا۔ مرزا غالب نے شاعری کی دنیا میں جو کمال دکھایا اگر دین کے رنگ میں رنگے ہوتے تو شاید اور زیادہ قبولیت پاتے۔ خود کہتے ہیں :

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
فقیر کو مرزا غالب کے دو شعر ہمیشہ سے بہت پسند رہے ہیں اور فقیر اپنی نجی گفتگو
اور بیانات میں انہیں استعمال کرتا رہا ہے ایک شعر تو عشق کے بارے میں ہے۔

نہ تو ہجر ہے اچھا نہ وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے
دوسرا شعر مراقبے پر فٹ ہوتا ہے اور نقشبندی فقیروں کو پسند آتا ہے کہ
جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

مرزا غالب محلہ تاشقند یونیورسٹی کے قریب ایک کشادہ اور خوبصورت علاقے
میں واقع ہے۔ جب دادا خان نوری نے اس محلے کے متعلق فقیر کو بتایا تو ساتھ ہی یہ
بھی کہنے لگے کہ اس محلے کا رئیس میرا بہت اچھا دوست ہے اور وہ وہاں پر مسجد بنا رہا ہے
اور مسجد کا نام بھی مرزا غالب مسجد ہے۔ عباس خان پاس بیٹھے یہ گفتگو سن رہے تھے
انہوں نے رئیس محلہ عبید اللہ جان کو فون کر ڈالا۔ رئیس محلہ نے انہیں بتایا کہ مسجد کی
تعمیر کا کام مکمل ہو گیا ہے اب ہم اس میں نماز کا آغاز کرنے والے ہیں اہل محلہ کا اصرار
ہے جمعہ کا خطبہ کوئی نمایاں شخصیت دے۔ عباس خان نے کہا یہ تو بڑا اچھا ہوا ہمارے
پاس پاکستان سے ایک مہمان بزرگ تشریف لائے ہیں یہ کام وہ کریں گے۔ چنانچہ
جمعہ کی نماز کا پروگرام اس طرح طے پا گیا۔ جمعہ کے دن عباس خان اور دادا خان نوری
ہمراہ مرزا غالب محلہ میں گئے۔ مسجد بڑی وسیع و عریض اور عالیشان بنی ہوئی تھی۔
ایک طرف مٹی اور پچی کھچی تعمیراتی چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، چونکہ چند دن پہلے تعمیر
مکمل ہوئی تھی۔ رئیس محلہ عبید اللہ جان سے ملاقات ہوئی وہ بڑے خوش تھے کہ آج

ان کے محلے میں اذان دی جائے گی اور پہلی بار اللہ تعالیٰ کا نام بلند کیا جائے گا۔ انہوں نے فقیر کو دیکھتے ہی کہا کہ ہمارے محلے کی مسجد میں پہلی اذان آپ دیں گے۔ پہلا خطبہ جمعہ آپ پڑھیں گے اور پہلی نماز کی امامت بھی آپ کرائیں گے اور اس کے بعد ہمارے گھروں میں کھانے پر اہل محلہ کے ساتھ جمع ہوں گے۔

ہم لوگ وضو کر کے مسجد میں آگئے۔ جب فقیر نے اذان کننی شروع کی تو قریب کے گھروں سے چھوٹے بچے، عورتیں اور مرد نکل کر دوڑے ہوئے آئے، مرد تو مسجد میں آگئے مگر عورتیں مسجد کی کھڑکیوں اور دروازوں کے ساتھ چٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ کوئی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی، کوئی اوپر آسمان کی طرف دیکھ کر اپنے ہاتھ سینے پر لگا لیتی۔ عبید اللہ جان نے بتایا کہ یہ عورتیں قربان ہوئی جا رہی تھیں کہ ہم اپنی زندگی میں اس محلے میں اذان کی آواز سن رہی ہیں۔ فقیر نے جمعے کا میان اردو زبان میں کیا اور دادا خان نوری نے جھوم جھوم کر اس کی ترجمانی کی۔ جب دوسری اذان کے بعد فقیر نے خطبہ جمعہ شروع کیا تو نمازیوں پر عجیب و غریب کی کیفیت طاری ہوئی۔ بعض نے تو فرط خوشی میں زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ نماز جمعہ کے بعد جب فقیر مردوں سے مصافحہ کر کے باہر نکلا تو عورتوں کا جم غفیر کھڑا ہوا پایا۔ رکیں محلہ نے کہا کہ یہ عورتیں آپ سے دعا کروانے کے لئے جمع ہو گئی ہیں۔ فقیر نے ہاتھ اٹھا کر سب کے لئے دعا مانگی۔ حاضرین کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ خوشی کے مارے آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ فقیر اس بات کو سوچ کر گریہ کناں تھا کہ جب تک اس مسجد میں نماز پڑھی جائے گی فقیر کو بھی اجر ملے گا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ خشد خدائے خشنود

(یہ نیک بختی کو شش سے نہیں ملتی جب تک کہ اللہ کریم نہ دے)

دعا سے فراغت پر رئیس محلہ سب مہمانوں کو اپنے قریبی مکان میں لے گئے۔ یہ مکان باہر سے محلے کے دوسرے مکانات کی طرح تھا اونچی دیوار اور ایک بڑا پھانک جس پر انگور کی بیلین لٹک رہی تھیں۔ باہر سے مکان بالکل سادہ تھا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوئے تو سامنے خوبصورت باغ نظر آیا۔ جس میں سیب، ناشپاتی، بادام اور لوبان کے درخت تھے۔ باغ کے تین طرف چونی ستونوں والے برآمدے تھے اور ان سے ملحق بڑے بڑے رہائشی کمرے تھے۔ عبید اللہ جان ہمیں دروازے سے قریب ہی ایک بڑے ہال نما کمرے میں لے گیا۔ جس کی دیواروں پر بڑے قیمتی قالین اور کڑھی ہوئی چادریں آویزاں تھیں، چھت پر بے حد پیارے نقش و نگار بنائے ہوئے تھے۔ اس کام میں ازبک لوگ اتنے ماہر ہیں کہ فقیر نے دنیا میں ایسے نقش و نگار کہیں نہیں دیکھے۔ مہمان خانے کے درمیان میں ایک لمبا دسترخوان مچھا ہوا تھا جس پر خشک میوے پڑے ہوئے تھے۔ جب ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے تو عبید اللہ جان نے نان کے ٹکڑے کر کے دسترخوان پر رکھے۔ ساتھ ہی شوربے سے بھرے بڑے بڑے پیالے آگئے۔ یہ اصل میں یخنی تھی جس میں گوشت کی ایک ایک بڑی بوٹی بھی تھی اور آلو اور سبزیاں اور چنے بھی تھے۔ شوربے سے فراغت نہ ہونے پائی تھی کہ پلاؤ آگیا۔ کھانے کے ساتھ سبز چائے تو ازبک لوگ اس طرح پیتے ہیں جس طرح ہمارے لوگ ٹھنڈا پانی پیتے ہیں۔

کھانے کے بعد جب اجازت طلب کی تو عبید اللہ جان نے فقیر کو ایک لمبا روٹی بھر ا خوبصورت ازبکی کوٹ پہنایا اور دکھا کہ ہمارے ہاں مہمان کی عزت افزائی اسی طرح کی جاتی ہے۔ فقیر نے دل میں دعا مانگی کہ اے پروردگار! جب تیرے بندے یوں عزت افزائی کر رہے ہیں تو آپ بھی مجھے انسانیت کی پوشاک پہنادیں۔ یہ تو قرآن مجید میں آپ نے خود ہی فرمایا ہے۔ و لباس التقویٰ ذلک خیر (اور پرہیزگاری کا

لباس وہ سب سے اچھا ہے)

انگریز کا سفر :

16 مئی بروز ہفتہ مولانا عبداللہ حسب وعدہ سیاحت ہوٹل میں تشریف لائے تو ان کے ہمراہ ان کے ایک دوست امت علی بھی تھے۔ امت علی صاحب ایک شیخ کے بیٹے تھے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تھوڑا عرصہ پہلے چہرے پر سنت سجائی تھی۔ خوبصورت چہرے پر خوبصورت ریش بہت اچھی لگ رہی تھی۔ تعارف کے بعد تھوڑی دیر بات چیت کا سلسلہ جاری رہا۔ فقیر نے بتایا کہ تین دن یہاں پر قیام رہے گا پھر سر قند و خوار کے سفر پر روانگی ہوگی۔ امت علی نے تجویز پیش کی کہ اگر ہم اس کے گھر قیام کریں تو وہ ہمیں قریب کے پہاڑی علاقے کی سیر بھی کروائے گا جسے دیکھنے کے لئے لوگ دور دراز کا سفر کر کے آتے ہیں۔ مولانا عبداللہ نے بھی کمایا سیدی! اس کی دعوت قبول فرمائیں۔ فقیر نے رضامندی ظاہر کی تو ہم لوگ فوراً اپنا سامان سمیٹ کر انگریز کے لئے روانہ ہو گئے۔ آدھا سفر ریل گاڑی کے ذریعے طے کیا اور بقیہ سفر بس کے ذریعے کیا۔ بسوں کا سفر نہایت آرام دہ ہوتا ہے۔ جب بس کی سیٹوں پر بیٹھ گئے تو فقیر کے آگے والی سیٹ پر ایک ازبک لڑکی بیٹھی تھی۔ بس چلنے کے بعد جب اس کی نظر فقیر پر پڑی تو وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ کافی دیر اس طرح کھڑے کھڑے فقیر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ مولانا عبداللہ نے اس سے پوچھا کہ آپ بیٹھ جائیں آپ تقریباً آدھے گھنٹے سے کھڑی ہیں اور ایک گھنٹے کا سفر باقی ہے، وہ کہنے لگی کہ میں اس مسمان کا چہرہ دیکھ رہی ہوں تو مجھے اللہ یاد آ رہا ہے۔ میں ایک گھنٹہ اور بھی کھڑی ہو سکتی ہوں۔ فقیر نے سنا تو دل ہی دل میں دعا مانگی کہ یا اللہ فقیر کے ظاہر کو دیکھ کر لوگوں کو اللہ یاد آتا ہے۔ آپ قیامت کے دن فقیر کو انہیں لوگوں کے ذمہ میں کھڑا فرمائیے گا۔

انگریز شہر تاشقند سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر ہے اس کے قریب کونسلے کی کانیں ہیں اور محلی مٹانے کے بڑے بڑے کارخانے لگے ہوئے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ ہر کارخانے میں ایک شہر آباد ہے۔ اس شہر میں زیادہ آبادی روسیوں کی ہے۔ شہر کی سڑکیں رن وے کی طرح کشادہ اور ہموار ہیں۔ ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول ہیں عمارات بہت خوبصورت ہیں۔ کاش کہ یہ لوگ خوب سیرت بھی ہوتے اور دنیاوی نعمتوں کے ساتھ ساتھ ایمان کی نعمت سے بھی آراستہ ہوتے۔ امت علی نے بتایا کہ شہر میں تقریباً 10 مسجدیں ہیں مگر جامع مسجد ایک ہی ہے۔ اس کے امام خطیب خود بھی قادر یہ سلسلہ کے شیخ ہیں۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو ہم لوگ نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد کی طرف چلے۔ باہر نکل کر معلوم ہوا کہ بارش ابھی ابھی رکی ہے۔ درختوں کے پتوں سے بارش کے پانی کے قطرے ابھی تک ٹپک رہے تھے، ہر طرف جل تھل والا معاملہ تھا۔ مسجد تک پیدل چل کے جانا محال تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک کار قریب آکر رکی۔ ایک نوجوان گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تھا اور ایک عورت چھوٹے بچے کو گود میں لئے کچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ مرد نے امت علی سے پوچھا کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں؟ یہ مہمان آپ کے ساتھ کون ہے؟ جب امت علی نے فقیر کا تعارف کروایا تو وہ عورت کہنے لگی کہ کیا یہ ممکن ہے ہم لوگ آپ کو مسجد تک چھوڑ آئیں۔ فقیر نے خدائی مدد سمجھتے ہوئے سر ہلا کر ہاں کا اشارہ کر دیا۔ عورت اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی اور کچھلی سیٹ پر ہم تینوں بیٹھ گئے۔ الحمد للہ کہ تھوڑی دیر میں ہم مسجد میں پہنچ گئے۔ فقیر نے امت علی سے کہا کہ ہمیں سب سے پہلے امام مسجد سے ملنا چاہئے۔ جب ان کے حجرے کے دروازے پر گئے تو امام صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کر دیا کہ آپ لوگ مسجد میں چلے جائیں۔ مسجد میں پہنچے تو وہی نمازی بھی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ نماز مغرب کی اذان ہوتے ہوتے دس پندرہ

آدمی اکٹھے ہو گئے۔ امت علی کا خیال تھا کہ نماز کے بعد مولانا سے تعارف کریں گے۔ لیکن امام صاحب نے نماز پڑھی اور اپنے نمازیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہیں باہر لے گئے۔ ایک دو آدمیوں نے امت علی سے فقیر کے بارے کچھ پوچھنا چاہا تو امام صاحب نے ان کو بھی بلالیا۔ امت علی کے پریشان چہرے کو دیکھ کر فقیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ عالم آپ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئے اور یہ نہیں چاہتے کہ نمازیوں سے آپ کا تعارف ہو۔ مسجد میں میان تو بڑی دور کی بات ہے۔ فقیر نے کہا کوئی بات نہیں نسبت شریفہ اپنا راستہ خود بنائے گی۔ اتنے میں امت علی مسجد کے باہر نکلے تو دیکھا کہ امام صاحب وہاں کھڑے نمازیوں سے گلے لگا رہے تھے۔ امت علی کو دیکھ کر انہوں نے پوچھا کہ یہ تمہارا ساتھی کون ہے؟ اس نے بتایا کہ نقشبندی سلسلہ کے شیخ ہیں۔ امام مسجد صاحب نے کہا مگر ہم لوگ تو قادری ہیں۔ پھر پوچھا کہ کیا یہ مہمان ترکی زبان بول سکتے ہیں۔ امت علی نے کہا نہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر ہمیں اس کی بات کیسے سمجھ میں آئے گی ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ امت علی نے کہا ہم ازبک لوگوں میں مہمان کا بلا اکر ام کیا جاتا ہے۔ مگر آج مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ مہمان مسجد میں موجود ہے اور میزبان باہر کھڑے خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ یہ سن کر ایک دو نوجوان تیار ہو گئے کہ اچھا ہم تھوڑی دیر کے لئے اندر آجاتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا اچھا جاؤ مگر جلدی واپس آجانا۔ دو نوجوان اندر آئے اور فقیر کے قریب بیٹھ گئے۔ فقیر نے انہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے متعلق کچھ بتانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد باہر کے لوگ ایک ایک کر کے اندر آتے گئے حتیٰ کہ پندرہ کے پندرہ حضرات اندر آکر بیٹھ گئے۔ امام صاحب اکیلے باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ جب کافی دیر کے بعد کوئی آدمی باہر نہ نکلا تو امام صاحب بھی اندر آگئے کہ دیکھیں کیا ہو رہا ہے؟ جب وہ فقیر کے قریب آکر بیٹھے تو فقیر یہ تفصیل بیان کر رہا تھا کہ سلسلہ عالم

نقشبندیہ میں دست بکار اور دل بیار کا کیا مطلب ہے مولانا عبد اللہ ترجمانی کر رہے تھے۔ جب امام صاحب نے بیان سنا تو ان کے دل کی حالت بدل گئی۔ فقیر نے محفل کے اختتام پر کہا کہ سب لوگ مراقبہ کریں۔ مراقبہ میں امام صاحب پر توجہ ایسی پڑی کہ انہوں نے تڑپنا شروع کر دیا، روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ جب مراقبہ سے فارغ ہوئے تو امام صاحب کہنے لگے کہ ہمیں بھی یہ طریقہ تعلیم کریں۔ فقیر نے کہا کہ اس کے لئے بیعت ہونا ضروری ہے۔ امام صاحب نے کہا کہ میں اگرچہ پیر ہوں مگر میرا دل مجھے ملامت کر رہا ہے کہ آج تجھے گھر میں نعمت مل رہی ہے لہذا محروم نہ رہنا۔ آپ مجھ پر احسان فرمائیں اور اپنے حلقہ مریدین میں شامل کر لیں۔ مسجد میں موجود تمام لوگ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ عشاء کی نماز کے بعد فقیر نے دوبارہ مراقبہ کروایا۔ دعا کے بعد جب جانے لگے تو امام صاحب نے فقیر کا عصا اٹھا لیا اور آگے آگے چلنے لگے۔ مسجد کے دروازے پر پہنچ کر اصرار کرنے لگے کہ ہمارے گھر چلیں اور کھانا کھائیں۔ امت علی کے لئے یہ دعوت خلاف توقع تھی، انہوں نے ہاں کر دی۔ چنانچہ ہم لوگ امام صاحب کے گھر پہنچ گئے۔ امام صاحب کے بیٹے حافظ قرآن تھے انہوں نے فقیر کو دیکھا تو بیعت کی تمنا ظاہر کی۔ فقیر نے اہل خانہ کو بھی بیعت کیا۔ جب واپس آنے لگے تو امام صاحب فقیر کے عصا کو پکڑ کر چوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ آج مجھ سے آپ کی بے ادبی سرزد ہوئی ہے مجھے معاف فرمائیں اور اس مسجد کو اپنی مسجد سمجھیں۔ پھر بیٹے کو حکم دیا کہ مہمان حضرات کو گھر تک پہنچا کر آئیں۔ امت علی نے گھر پہنچ کر فقیر کے سامنے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی کہ حضرت ہم آپ کی قدر نہ کر سکے۔ فقیر نے کہا کہ اس میں آپ کا کیا قصور؟ وہ گئی بات امام صاحب کی تو انہوں نے شروع میں بے اعتنائی برتی مگر نسبت شریفہ کی برکات نے انہیں محروم نہ ہونے دیا۔ مولانا عبد اللہ کا خوشی کے مارے عجیب حال ہو رہا تھا۔ وہ کہنے لگے

یاسیدی! آپ کے پاس اصلی مال ہے جہاں بھی جائیں گے اس سودے کے بڑے خریدار ملیں گے۔

امت علی جب مستورات کے پاس گئے اور انہوں نے مسجد کی کارگزاری سنائی تو ان کی اہلیہ صاحبہ نے پیغام بھیجا کیا کہ ہمیں بھی بیعت کر لیا جائے۔ فقیر نے انہیں کلمات پڑھا کر سلسلہ عالیہ میں داخل کر لیا۔ امت علی کا پنا محمد عثمان بہت پیارا تھا فقیر نے کہا کہ آج کے بعد ہم آپ کو ابو عثمان کے نام سے پکاریں گے۔ الحمد للہ یہ نام ایسا مشہور ہوا کہ آج وسط ایشیا کی تمام ریاستوں کے لوگ انہیں مولانا ابو عثمان کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سعی جبلان کے دلکش مناظر :

17 مئی بروز اتوار مولانا عبداللہ اور ابو عثمان نے یہ خواہش ظاہر کی کہ قریبی خوبصورت پہاڑی علاقے کی سیر کرنی چاہئے۔ شام تک واپسی ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو پانی والی اور سرسبز و شاداب جگہیں بہت پسند تھیں۔ ہم بھی سنت کی نیت کے ساتھ ان جگہوں پر بیٹھ کر اللہ کا ذکر کریں گے۔ ایک کار میں ہم پانچ آدمی انگریزین سے سعی جبلان کی طرف روانہ ہوئے۔ چند کلو میٹر کے بعد فقیر نے محسوس کیا کہ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان آپس میں اشاروں اشاروں میں کچھ باتیں کر رہے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کیا بات ہے؟ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! ابو عثمان نے گھر میں بہت سا کھانا تیار کروایا تھا، غلطی سے ساتھ لینا یاد نہیں رہا، سارا دن بھوکا رہنا پڑے گا، اس سے بہتر ہے کہ ہم واپس جا کر وہ کھانا لے آئیں۔ فقیر نے کہا مولانا ہمارا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے وہ کھانا انشاء اللہ ہم واپس جا کر کھائیں گے۔ مولانا نے پوچھا مگر جہاں جا رہے ہیں وہاں کیا نہی گا؟ فقیر نے کہا

~ کار ساز ما بفکر کار ما
فکر ما در کار ما آزار ما

(ہمارا کار ساز ہمارے کام کی فکر میں ہے، اور اپنے کام میں ہماری فکر تو باعث رنج ہے)
مولانا یہ شعر سن کر بہت محظوظ ہوئے مگر کہنے لگے کہ حضرت آج بہت مجاہدہ
ہو گا۔ فقیر نے کہا مولانا ہم من و سلوئی کھانے والے فقراء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آج
تک اپنی رحمت کے نظارے دکھائے ہیں اب بھی وہی رزق پہنچائے گا۔ مولانا یہ سن کر
خاموش تو ہو گئے مگر ان کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں تھے۔ دن کے گیارہ بجے
ہم ایک پہاڑ کی خوبصورت چوٹی پر پہنچے، ہر طرف اونچے اونچے درخت، پھولوں اور
پھولوں کی اتنی بہتات کہ جیسے کسی نے خود ہی درختوں سے لٹکا دیئے ہیں، منظر اتنا
خوبصورت کہ جیسے کسی نے کاغذ پر ڈرائیگ بنا دی ہے، بہستی ہوئی آبشاروں اور
مرغزاروں نے ماحول کے حسن کو دلہن کی طرح سجایا تھا، معطر فضا سے دل و دماغ کو
فرحت نصیب ہو رہی تھی۔ مولانا عبد اللہ نے فقیر کی طرف دیکھ کر کہا حضرت! یہ
جگہ کتنی خوبصورت ہے؟ فقیر نے جواب میں درج ذیل اشعار پڑھ دیئے

چاند تاروں میں تو مرغزاروں میں تو اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا
تو نماں تیرا جلوہ عیاں ہے تیری ہستی کا مظہر جہاں ہے
پھول میں مثل و چھپ کے بیٹھا ہے تو اے خدایا
جر عصیاں سے مولیٰ چالے دل کی کشتی ہے تیرے حوالے
تو ہی غفار ہے تو ہی ستار ہے اے خدایا
کس نے تیری حقیقت کو پایا

سب ساتھیوں نے جھوم جھوم کر اشعار سنے۔ مولانا نے کہا کہ حضرت! یہاں

تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے خیمے بنے ہوئے ہیں ان میں سے کوئی ایک ہم کرایہ پر لے لیتے ہیں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ جب آگے بڑھے تو دیکھا کہ ریستورنٹ بنا ہوا ہے، سرکاری ریست ہاؤس بھی ہے، کھیلوں کے لئے ہموار کھلے گراؤنڈ بھی ہیں اور ٹورسٹ کے آرام کے لئے خیمے بھی لگے ہوئے ہیں۔ فقیر نے ایک دو خیموں کے دروازے کھول کر دیکھا تو اندر سے شراب کی بدبو کے بھیہکے اٹھ رہے تھے۔ ہر خیمے میں دو بستر لگے ہوئے تھے۔ مولانا نے بتایا کہ حضرت! ٹورسٹ لوگ یہاں عیاشی کے لئے آتے ہیں، نیچے والے ریستورنٹ سے انہیں نوجوان لڑکیاں مل جاتی ہیں جن کے ساتھ وہ یہاں پر وقت گزارتے ہیں۔ آپ کو سچ بتائیں تو ہماری نظر میں کوئی بھی خیمہ پاک صاف نہیں ملے گا۔ فقیر نے کہا ہرگز نہیں ہمارا پروردگار ہمارے لئے ضرور کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔ اتنا کہنا تھا کہ ایک آدمی قریب آیا اور پوچھنے لگا کہ، کیا آپ کو کوئی خیمہ چاہئے؟ فقیر نے کہا ہاں، مگر پاک صاف ہو۔ اس نے کہا کہ ایک خیمہ کارمگر نے ابھی چند منٹ پہلے ہی مکمل کیا ہے، آپ کو وہ مل جائے گا۔ جب وہاں جا کر دیکھا تو صاف ستھرے بستر اور بالکل نیا خیمہ موجود تھا۔ ہم لوگوں نے فوراً اس کا کرایہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جس نے ہماری مراد پوری کی۔ ہم لوگ وہاں بیٹھے ذکر قلبی سے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ ایک آدمی بھٹا ہوا گوشت ایک ٹرے میں لے کر آیا اور کہنے لگا کہ میری بیوی نے یہ آپ کے لئے بھیجا ہے۔ فقیر نے پوچھا کیا مطلب؟ کہنے لگا کہ میں اوپر ایک مکان میں رہتا ہوں میری بیوی نے ایک بھری کا گوشت بھون کر تیار کیا تھا۔ جب اس کی نظر آپ لوگوں پر پڑی تو اس نے مجھے کہا کہ یہ گوشت ان مہمانوں کو دے کر آؤ۔ میں فوراً قاصد ہوں، گوشت پہنچا دیا ہے، آپ ہماری میزبانی قبول فرمائیں، یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان کے چہروں کو دیکھا جو حیرت کا مجسمہ بنے ہوئے تھے۔ فقیر نے کہا دیکھا، ہم ہیں ناں من و سلویٰ کھانے والے فقیر۔

مولانا نے کہا صدقت یا سیدی پاک ہے وہ پروردگار جو ہم جیسے فقراء کو طرح طرح کی نعمتیں کھلاتا پلاتا ہے۔ فقیر کو قرآن مجید کی آیت یاد آرہی تھی کہ فبای الاء ربکما نکذبان (تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)۔

تھوڑی دیر میں کچھ اور لوگ بھی ملاقات کے لئے آگئے۔ مقامی لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ یہ علاقہ ماضی میں بڑے علماء و صلحاء کا مسکن رہا ہے۔ یہاں کے ملاں رفیع الدین چالیس سال تک خارا کے مدارس میں پڑھاتے رہے۔ یہاں کے علماء کو روسی انقلاب کے وقت یا تو قید کر دیا گیا یا پھر نقل مکانی پر مجبور کر دیا گیا۔ ان کی اولادیں اب بھی قرہی بستی میں آباد تھیں۔ آزادی کے بعد وہ لوگ دین پر عمل کرنے والے بن گئے۔ ہماری ان باتوں کے دور ان ایک آدمی شوربے سے بھرے پیالے لایا۔ ساتھ ہی علاقے کی لذیذ دہی بھی لایا۔ ہم لوگوں کو خوب بھوک لگی ہوئی تھی ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان سے کہا کہ آپ ضیوف الرحمان ہیں خوب سیر ہو کر کھائیں اور جس کا کھائیں اسی کے گیت گائیں۔ کھانے کے بعد نماز ادا کر کے تھوڑی دیر قیلولہ کیا۔ اس کے بعد باہر کی سیر کو نکلے۔ مولانا عبد اللہ نے آبخاریں دکھائیں کہ دیکھ کر مزہ ہی آگیا۔ چشمے کا پانی، گرتی ہوئی آبشار اور پانی کے ساتھ ساتھ بل کھاتی لکڑی کی سیڑھی عجیب نظارہ تھا۔ فقیر نے سیڑھی سے تھوڑا نیچے اتر کر دیکھا تو ایک بڑی چٹان نظر آئی کہ جس کے دونوں اطراف سے پانی گزر کر جا رہا تھا۔ فقیر مع احباب اس چٹان پر جا بیٹھا۔ پانی کی آواز میں اپنی دلکشی تھی۔ فقیر نے تحلیل لسانی کرنا شروع کیا تو مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ اتنا مزہ آیا اور ایسا سکون ملا کہ آج بھی وہ لمحات پوری طرح یادداشت کا حصہ بنے ہوئے ہیں۔ ایک گھنٹہ وہاں بیٹھنے کے بعد ہم اوپر آئے اور کھیل کے میدانوں کی طرف چلے۔

ایک جگہ گھاس پر فقیر نے رومال بچھایا اور بیٹھ گیا دوسرے لوگ بھی پاس پاس بیٹھ گئے۔
و عظ و نصیحت کا سلسلہ چلتا رہا۔ مقامی لوگ بھی آکر شریک محفل ہوتے رہے۔

نشہ پلا کے گرانا :

ایک آدمی نے آکر بتایا کہ تقریباً پندرہ نوجوان ریستورنٹ میں بیٹھے شراب پی رہے ہیں۔ انہوں نے عیاشی کے انتظامات مکمل کر لئے ہیں، تھوڑی دیر میں وہ خیموں میں داخل ہو جائیں گے۔ فقیر نے اسے کہا کہ جاؤ اور ان سب کو بلا کر میرے پاس لاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان کہ جب اس آدمی نے کہا کہ ایک شیخ آپ سب کو بلا رہے ہیں تو ان سب پر اتنا رعب طاری ہوا کہ سہم گئے اور اس شخص کے ساتھ فقیر کے پاس آئے۔ گو انہوں نے شراب پی رکھی تھی تاہم ابھی نشہ رنگ نہیں لایا تھا اور گرنے والا معاملہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ فقیر پر محبت الہی کا اتنا غلبہ تھا کہ یوں دل چاہ رہا تھا کہ ان نوجوانوں پر توجہ ڈالو تا کہ یہ عشق مجازی کی بجائے عشق حقیقی میں وقت گزاریں۔ فقیر نے ان کے سامنے قرآن پاک کی کچھ آیات تلاوت کیں، قرآن ان نوجوانوں کے سینوں میں اتر گیا۔ فقیر نے جب انہیں کہا کہ گناہوں بھری زندگی سے توبہ کرو اور نیکی والی زندگی کو اختیار کرو۔ وہ سب نوجوان بیک زبان آمین کہنے لگے۔ مولانا عبد اللہ نے کہا حضرت! عجیب بات ہے کہ یہ سب سچی توبہ کے لئے تیار ہیں۔ فقیر نے ان پندرہ شرابیوں کو بیعت کے کلمات پڑھائے اور ذکر و مراقبہ کا طریقہ بتلایا۔ ان کے لطیفہ قلب کی نشاندہی کردی اور انہیں کہا کہ وہ سیدھے واپس اپنے گھروں کو جائیں۔ انہوں نے اسی وقت اپنی گاڑیوں کی طرف رخ کیا اور وہاں سے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوئے۔ مولانا عبد اللہ کہنے لگے حضرت یہ تو آپ کی کرامت ہے کہ اتنے لوگوں نے بیک وقت شراب سے توبہ کی اور عیاشی کی رقم ادا کرنے کے باوجود کافر ادا

حسیناؤں کے ساتھ وقت گزارنے کے جائے واپس چلے گئے۔ فقیر نے کہا

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے

مزه تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساتی

راستے کی چٹانیں :

یہ خبر جب سرکاری ریست ہاؤس کے انچارج تک پہنچی تو وہ فقیر سے ملنے کے لئے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ آپ میری طرف سے ضیافت قبول فرمائیں۔ فقیر کی طبیعت شروع میں آمادہ نہ تھی لیکن جب اس نے کہا کہ حضرت ہماری زندگی یہاں گزر گئی ہر روز ہر وقت ہم نے لوگوں کو یہاں پر گناہ کرتے دیکھا تو سوچتے تھے کہ یہ زمین کا ٹکڑا سیاہ کیوں نہیں ہو جاتا؟ الحمد للہ آج آپ تشریف لائے تو آپ نے ذکر و مراقبہ کیا، مزید برآں پندرہ نوجوانوں نے شراب پینے اور زنا کرنے سے توبہ کی تو یہ واقعہ ہمارے لئے برہان ہے۔ ہم آپ کے راستے میں لیٹ جائیں گے، آپ چاہیں تو ہمارے سینے پر پاؤں رکھ کر گزر جائیں اور چاہیں تو ہماری دعوت قبول کر کے ہمارے دلوں کو خوش فرمائیں۔ فقیر نے کہا کہ آپ کو بات کرنے کا خوب ڈھنگ آتا ہے۔ اس نے کہا جی ہاں، جیسے آپ کو دل موہ لینے کا ڈھنگ آتا ہے۔ حاضرین محفل کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ جب ریست ہاؤس پہنچے تو ایسے شان و شوکت سے کھانا سجایا گیا تھا کہ جیسے کسی مملکت کا بادشاہ دورے پر آیا ہو۔ کھانے میں بھنا ہوا گوشت، شوربا، پلاؤ، ابلّا ہوا گوشت، میوے، پھل غرض ہر چیز موجود تھی۔ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کھانا کھانے کے دوران سبحان اللہ، سبحان اللہ کہہ رہے تھے۔ فقیر نے کہا کہ اگر گھر کا پکا ہوا کھانا لاتے تو وہی کچھ ملتا۔ جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو دیکھو کیا کیا نعمتیں کھائیں۔ کھانے سے فراغت پر واپسی کا سفر شروع کیا۔ مقامی لوگوں نے اپنے ایڈریس دیئے اور فقیر کا

ایڈریس نوٹ کیا اور کہا کہ آپ آئندہ جب بھی آئیں گے یہاں ضرور تشریف لائیں گے۔ جب ہم نے ایک تہائی سفر طے کر لیا تو دیکھا کہ سڑک پر ٹریفک رکی ہوئی ہے۔ مولانا عبد اللہ نے باہر نکل کر معلوم کیا تو پتہ چلا کہ ایک اونچی پہاڑی کا کچھ حصہ سڑک پر گر گیا ہے۔ یہ سڑک پہاڑ کو کاٹ کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کے ایک طرف ستر فٹ نیچے دریا بہتا تھا، دوسری طرف پہاڑی چٹانیں تھیں۔ مولانا عبد اللہ کئی کئی ٹن وزنی چٹانوں کو دیکھ کر بہت گھبرا گئے۔ انہوں نے آکر بتایا کہ راستہ بالکل بند ہے کھلنے کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔ یہ سن کر ہم لوگ بھی باہر آگئے۔ ریت کے ٹیلوں کی مانند اونچی اونچی بڑی بڑی چٹانوں نے سڑک کو مکمل طور پر بند کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ پیدل چلنے والوں کے لئے بھی گزرنے کا راستہ نہیں تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ اسی شش و پنج میں گزر گئے۔ اتنے میں ایک پولیس والا ملا۔ فقیر نے اس سے پوچھا کہ یہ راستہ کب کھلے گا؟ اس نے کہا کہ ہم نے کرنیں اور بلڈوزر منگوائے ہیں مگر میرا اندازہ ہے کہ ہمیں راستہ صاف کرنے میں ایک ہفتے کا وقت لگے گا۔ یہ سن کر مولانا عبد اللہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ گاڑی کے ڈرائیور نے لازمی گھر جانا ہے، یہ ایک ہفتہ یہاں رک نہیں سکتا۔ فقیر نے پوچھا کہ کوئی دوسرا راستہ یہاں سے انگریزین کی طرف جاتا ہے تو ڈرائیور نے کہا ہاں، اگر پیچھے جائیں تو ایک راستہ جاتا ہے مگر وہ 100 کلو میٹر کی جائے اڑھائی سو کلو میٹر جاتا ہے۔ فقیر نے احباب سے کہا کہ اس ڈرائیور کو سامان سمیت اس راستے سے بھیج دیں۔ اور ہمارا اللہ مالک ہے وہ ضرور کوئی نہ کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔ مولانا عبد اللہ تھوڑی دیر سوچتے رہے، بالآخر ڈرائیور سے کہنے لگے کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں وہی کرو، اسی میں خیر ہوگی۔ جب ڈرائیور چلا گیا تو ہم کھڑے قدرت کا تماشا دیکھتے رہے کہ پہاڑی چٹانیں یوں پڑی تھیں جیسے شیشے کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں۔ تقریباً 50 میٹر تک سڑک چٹانوں سے پر تھی۔ فقیر نے مولانا

عبداللہ سے کہا کہ چلیں ہم ان چٹانوں سے گزر کر آگے نکلتے ہیں۔ مولانا نے پوچھا وہ کیسے؟ فقیر نے کہا کہ جن کے عزم بلند ہوں اور حوصلے بڑے ہوں چٹانیں ان کا راستہ نہیں روکا کرتیں وہ تو چٹانوں پر پاؤں رکھ کر گزر جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر فقیر نے چٹانوں پر چڑھنا شروع کر دیا۔ مولانا عبداللہ اور ابو عثمان بھی پیچھے پیچھے تھے۔ مولانا عبداللہ اپنی داہنی طرف کے پہاڑ کو دیکھے جا رہے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ وہ گھبرا رہے ہیں کہ کوئی اور چٹان ہمارے اوپر نہ آگرے۔ خیر جب چٹانوں سے گزر کر آگے پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر بھی ٹریفک رکی ہوئی ہے، لوگ پریشان کھڑے تھے۔ ہم نے جب آخری چٹان سے نیچے سڑک پر چھلانگ لگائی تو ایک آدمی بھاگا بھاگا فقیر کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ شیخ آپ نے کہاں جانا ہے؟ فقیر نے کہا انگریز۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس گاڑی میں جگہ ہے۔ ہم پکنک منانے کے لئے گھر سے چلے تھے۔ اب راستہ بد ہونے کی وجہ سے رکے کھڑے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر ہماری مستورات نے تجویز پیش کی ہے کہ اگر یہ مہمان ہماری دعوت قبول کر لیں تو ہم یہیں سے نیچے اتر کر دریا کے کنارے کھانا کھا لیتے ہیں، پھر ان کو واپس بھی چھوڑ دیں گے۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ اس نوجوان نے یوں اچھل کر خوشی کا اظہار کیا جیسے اسے مقصود حاصل ہو گیا۔ عورتوں نے خوشی خوشی سارا سامان نکالا، بچوں نے چھلانگیں لگائیں، ہم فقراً بھی سترفٹ نیچے دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ عورتوں نے کھانا گرم کرنے کے لئے لکڑیاں اکٹھی کیں۔ مردوں نے دسترخوان لگایا اور ہم نے ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں ذکر کی محفل جمائی۔ پانی کی روانی اور پرندوں کی حق ہو کی آوازوں نے عجیب سرور پیدا کیا ہوا تھا۔ نماز مغرب پڑھنے کے بعد کھانا کھایا گیا۔ اتنا لذیذ کھانا فقیر نے زندگی میں بہت کم کھایا ہے۔ شاید کھانے والوں کے خلوص نے اس میں لذت بھر دی تھی۔ کھانے سے فراغت پر مستورات نے وعظ و نصیحت کا مطالبہ کیا۔ الحمد للہ تھوڑی دیر نصیحت کے بعد سب

عورتیں بیعت ہوئیں۔ مردوں نے بھی بیعت کا تعلق استوار کیا۔

واپسی پرچے اور عورتیں ایک گاڑی میں بھر گئے اور دوسری گاڑی میں ہم سب مرد بیٹھ گئے۔ یوں ایک گھنٹے میں ہم میزبان کے گھر اترے۔ میزبان کے والد اپنے علاقے کے بڑے عالم تھے۔ انہوں نے فقیر کو دیکھا تو لپٹ گئے اور بڑی دیر تک سینے سے لگائے رکھا۔ بالآخر چائے پلا کر انہوں نے فقیر کو ایک قیمتی جبہ بھی ہدیہ کے طور پر پیش کیا۔ جب ہم گھر پہنچے تو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، جس نے سفر کو ہمارے لئے آسان کر دیا۔ جاتے ہوئے دعا بھی یہی کی تھی اللھم ہون علینا سفرنا هذا (اے اللہ ہمارے لئے اس سفر کو آسان فرمادے)۔

رات کے بارہ بج چکے تھے، جسم تھک کر چور ہو چکا تھا، نرم گرم بستر پر بیٹھتے ہی نیند آگئی۔ صبح جاگے تو فجر کی نماز ادا کی۔ کھڑکی کھول کر دیکھا تو سامنے برف پوش پہاڑ کی سفید چوٹیاں مسکرا کر دیکھ رہی تھیں اور سعی جبلان کی یاد دلا رہی تھیں۔

سمرقند کا تاریخی شہر :

یہ شہر شاہراہ ریشم پر قائم ہے، لیکن جب نئے سمندری راستوں کی وجہ سے اس شاہراہ کی افادیت ختم ہو گئی تو سمرقند بھی فراموش راستوں میں گم ہو کر رہ گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ 1850ء تک چار صدیوں میں صرف دو یورپی سمرقند پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے۔

سمرقند کے ایک طرف زرافشاں دریا ہے اور تین اطراف میں تین شہین پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ پہاڑ کے درے میں سے گزر کر اس شہر میں داخل ہونے کا اپنا مزہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سمرقند اڑھائی ہزار سال سے بھی پرانا شہر ہے۔ یہ شہر اپنی تہذیب، ثقافت اور جدت کی وجہ سے ایک وقت میں مشرق کا روم کہلاتا تھا۔

شروع میں اس کا نام ”مارکنڈ“ تھا۔ 322 قبل مسیح میں سکندر اعظم نے اس کو فتح کیا۔ 712 عیسوی میں یہ اس عرب فاتح آئے لیکن 1221ء میں چنگیز خان نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

1414 صدی عیسوی میں اس شہر کی قسمت دوبارہ جاگی جب امیر تیمور نے اسے اپنی سلطنت کا دار الخلافہ بنایا۔ اس میں اتنی خوبصورت عمارات بنائیں اسے وہ حسن و جمال اور شان و شوکت بخشی جس کے آثار صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہیں۔

19 مئی 1992 کو مولانا عبداللہ اور دادا خان نوری کے ہمراہ سمرقند روانگی ہوئی راستے میں ایک جگہ کھانا کھایا اور ظہر کے وقت جامع مسجد ذوالمراد میں پہنچے۔ نماز کے بعد یہاں کے امام خطیب مفتی غلام مصطفیٰ گل سے ملاقات ہوئی۔ مولانا عبداللہ نے فقیر کا تعارف بھی کروایا اور نمٹگان عند جان وغیرہ کے حالات بھی سنائے جس سے مفتی صاحب کے دل میں فقیر کے بارے میں محبت و عقیدت میں اضافہ ہوا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ آپ یہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے۔ ہم نے کہا کہ تین چار دن۔ فرمانے لگے کہ بہت اچھا، آپ میرے مہمان ہیں، روزانہ آپ کے ساتھ محفل رہے گی۔ فقیر نے پوچھا کہ ہمیں آپ یہاں پر روسی انقلاب کے آنے کے متعلق بھی بتائیں اور پھر دوران انقلاب مسلمانوں پر کیا بیعتی اس کی تفصیل بھی بتائیں۔ مفتی صاحب نے چائے کا کپ نوش فرماتے ہوئے کہا کہ شیخ اس کی تفصیل تو ایک نشست میں پوری نہیں ہو سکتی۔ فقیر نے کہا کہ شروع تو کر دیں پھر جب بھی مکمل ہوئی اللہ تعالیٰ کو جیسے منظور۔ مفتی صاحب نے کہا

کہاں سے ابتدا کیجئے بڑی مشکل ہے درویشو

کہانی عمر بھر کی اور جلسہ رات بھر کا ہے

سرخ آندھی کیسے آئی :

مفتی صاحب نے بتایا کہ

”سرخ قند و خنار شروع ہی سے علمی مراکز رہے ہیں۔ یہاں پر ہر طرف دینی ماحول تھا، لوگ علماء کی قدر کرتے تھے۔ روس کے یہودیوں نے چاہا کہ اسلام کے ان مراکز کو تباہ کیا جائے تو اس کے لئے انہوں نے بڑی گہری سازش تیار کی۔ اپنے چند خاندانوں کو تجارت کے یہاں خنار منتقل کیا۔ یہ لوگ محنت کر کے اپنی تجارت کو چکانے میں خوب کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اپنے چوں کو خنار کے بڑے مدرسے میں داخل کروایا۔ بچے چونکہ بہت ذہین تھے اور خاندان میں سے چن کر انہیں اس کام کے لئے مختص کیا گیا تھا تو وہ اپنی پڑھائی میں بہت تیز تھے۔ اپنے ہم جماعت لڑکوں کو پیچھے چھوڑنے والے تھے۔ اساتذہ بھی ان کی عقلمندی کے مداح تھے۔ لہذا وہ ہمیشہ امتحانات میں پہلی پوزیشن حاصل کرتے اور انہیں ہمیشہ دوسروں پر سبقت حاصل ہوتی۔ مدرسہ میں یہ بچے دین کا علم حاصل کرتے اور جب گھر آتے تو ماں باپ ان کے ذہن سے ہر چیز صاف کر دیتے اور بتاتے کہ ہم تو یہودی ہیں مگر تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے دین اسلام کا علم سکھایا گیا ہے۔ یہ بچے دین کا علم تو حاصل کرتے رہے مگر اس کے نور سے محروم رہے۔ چونکہ ان کے دلوں میں شک بھریا گیا تھا۔ جب کئی سالوں کے بعد تعلیم مکمل ہوئی تو ان چوں کی ذہانت کی وجہ سے انہیں مدرسے کا استاد بنا دیا گیا۔ یہ طلباء میں بہت مقبول ہوئے اور اپنی عقلمندی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ خاموش سازش پروان چڑھتی رہی حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ خنار کے مفتی بن گئے۔ یہاں پر مفتی کی بات پر سب لوگ عمل کرتے تھے۔ انہوں نے کچھ عرصہ تو اتنا اچھا کام کیا کہ لوگ عقیدت مند بن

گئے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ انہوں نے ایسے فتوے دینے شروع کر دیئے جو آپس میں علمی اختلاف کا سبب بنے۔ شروع شروع میں تو علماء نے چشم پوشی کی لیکن جب دیکھا کہ پانی سر سے گزر رہا ہے تو انہوں نے ان کے خلاف علمی جنگ شروع کر دی۔ علماء کی جماعت جو سینکڑوں سال سے متحد تھی اب اس میں دو دھڑے بن گئے۔ ہر وقت مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی کیفیت رہتی۔ عوام الناس اس سے بڑے تنگ ہوتے حتیٰ کہ ان کے دلوں سے علماء کا احترام جاتا رہا۔ انہوں نے علماء سے ہٹ کٹ کر اپنی زندگی گزارنی شروع کر دی۔ معاشرے میں اتحاد و یگانگت کی وجہ سے جو برکات تھیں وہ اٹھ گئیں۔ سازش کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا۔

ایسے حالات میں زار روس نے مسلمان ممالک پر قبضہ جمانے کی پالیسی پر عملدرآمد شروع کیا یہ سازش کا دوسرا مرحلہ تھا۔ اس کا طریقہ کار یہ اپنایا گیا کہ تمام مسلمان ممالک سے دوستی کی گئی۔ چند سال بڑے اچھے تعلقات رکھنے کے بعد مسلمان ممالک کو تجویز پیش کی گئی کہ ہم آپ کے ملک میں سائنسی ترقی لانا چاہتے ہیں، آپ کے ملک میں ریلوے لائنیں بچھائیں گے، صنعتیں لگائیں گے، مال و دولت کی فراوانی ہوگی۔ مسلمان ممالک کے حکام کو یہ پیشکش بہت اچھی لگی۔ مسلمان علماء نے منع بھی کیا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ علماء کا احترام پہلے ہی دلوں سے نکل چکا تھا۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ جب زار روس نے دیکھا کہ تمام مسلمان ممالک کے اندر کے حالات مجھے اچھی طرح معلوم ہو گئے ہیں تو اس نے ہر ہر ملک کو یہ کہنا شروع کیا کہ دیکھو تمہارا ملک تو سونے کی چڑیا ہے معدنیات ہیں، تیل ہے، سونا موجود ہے۔ اگر آپ دوسرے ممالک سے جدا ہو جائیں تو آپ کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہو جائے گی۔ اگر اسی حالت میں یہ وسائل ظاہر کر دیئے گئے تو دوسرے ممالک بھی آپ سے حصہ مانگیں گے۔

یہ سازش اتنی کامیاب ہوئی کہ مسلمان ممالک خود ہی ایک دوسرے سے جدا ہونے لگے۔ جب اختلاف بڑھتے گئے اور چند سال میں سب ممالک ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تو زار روس نے ان میں سے سب سے کمزور کے ساتھ جان بوجھ کر ایک جھگڑا کھڑا کر لیا۔ دوسرے ممالک کو یہ یقین دہانی کروائی کہ تمہارا اور ہمارا تعلق تو نہ ٹوٹنے والا ہے مگر فلاں ملک کو ذرا اہم مزہ چکھانا چاہتے ہیں۔ لہذا ایک ملک پر قبضہ کر لیا، دوسروں سے دوستی کی پیشکشیں بڑھتی رہیں۔ مسلمان ممالک کے حکمران اس دھوکے کو نہ سمجھ سکے اور وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایک ملک پر قبضہ کرتے کرتے وہ وقت بھی آیا جب اس نے تمام ممالک کو اپنی تحویل میں لے لیا۔“

یہ واقعات سنا کر مفتی صاحب ایک فوٹو نکال کر لائے جس میں خٹار کے مدرسے کے تمام طلباء و علماء کا فوٹو تھا۔ چھوٹے بچے سے لے کر متمم صاحب سب کے سب مسنون لباس میں اور عمامہ باندھے کھڑے تھے۔ فقیر نے پوچھا یہ کیا؟ مفتی صاحب نے بتایا کہ جب کمیونسٹوں نے خٹار پر قبضہ کیا تو انہوں نے سب علماء طلباء کو ایک جگہ کھڑا کر کے ان کی تصویر بنائی تاکہ اس کا ریکارڈ رکھا جاسکے۔

علماء پر سختیوں کی انتہا :

مفتی صاحب نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بتایا ”تیسرا مرحلہ یہ تھا کہ انقلاب آنے کے بعد کمیونسٹوں نے سب سے پہلا نشانہ علماء کو بنایا۔ ان کو چن چن کر قتل کر دیا گیا، پھانسی پہ لٹکا دیا گیا۔ علماء کا اتنا قتل عام ہوا کہ ان کی لاشوں کا انبار لگا کر کریںوں کے ذریعے اس پر مٹی ڈال دی گئی۔ وہ اجتماعی قبریں آج بھی کئی جگہوں پر موجود ہیں۔ بعض علماء کو جہاز میں لے جا کر سائبیریا کے بر فانی سمندر میں چھوڑ دیا گیا۔ ان میں سے اکثر سردی کی وجہ سے ٹھہر کر مر گئے۔ چند ایک جو بچ نکلنے میں کامیاب

ہوئے انہوں نے بتایا کہ وہ سردی سے چپنے کے لئے ہر وقت حرکت کرتے رہتے۔ جب بھوک ستاتی تو برف توڑ کر نیچے پانی میں ہاتھ ڈال کر مچھلی پکڑتے اور زندہ مچھلی کو کھا لیتے۔ دن رات کسی بھی وقت وہ سو نہیں سکتے تھے۔ ذرا نیند غالب آتی اور بدن پر سکون ہونے لگتا تو اعضاء سردی کی وجہ سے شل ہونے لگتے۔ چار و ناچار پھر اپنے جسم کو حرکت دیتے رہتے۔ جدھر اندازہ ہوتا کہ اوھر جانا چاہئے اس طرف کو چلتے رہتے۔ یوں دن رات گزرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ بالآخر سائبیریا کی برف سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

بعض اوقات علماء کو اکٹھا کر کے دو ٹرینوں میں بٹھایا اور دونوں کو مختلف اسٹیشنوں سے چلایا اور پھر ویرانے میں تیز رفتار ٹرینوں کو ٹکرا دیا۔ اکثر مر جاتے اور کچھ لوگ معذور ہو جاتے۔ پھر بہتان بھی علماء پر لگایا جاتا کہ انہوں نے تخریب کاری کی ہے، ان پر سختی اور زیادہ کی جاتی۔ غرض کیمونسٹوں نے علماء کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

سرقد کے قریب ایک عالم اب بھی زندہ ہیں جو روسیوں کے مظالم کی داستانیں سناتے ہیں تو روکتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ ایک برتن میں ان کا ہاتھ منہ دھلایا جاتا پھر ان کے سامنے پانی پھینک دیا جاتا اور اسی برتن میں کھانا ڈال کر کھانے کے لئے دیا جاتا۔ تاکہ ان کی طبیعت میں کراہت ہو اور کھانا بھی نہ کھائیں۔ رہنے کے لئے چھوٹی سی جگہ دی جاتی تاکہ نہ بیٹھ سکیں نہ لیٹ سکیں، نہ پاؤں پھیلا سکیں، سخت سردی کے موسم میں ٹھنڈا پانی ان کے جسم پر ڈالا جاتا۔ کبھی ساری ساری رات ٹھنڈے پانی میں بٹھا دیا جاتا تاکہ سو نہ سکیں۔ ظالموں نے اس قدر ظلم کئے کہ علماء نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں پھانسی دے دو۔ یہ بات سن کر ظالم مسکرائے اور ماسکو و ان کو خوش خبری سنائی کہ ہم نے ان علماء کو اتنا تک کیا کہ موت انہیں اچھی لگنے

گئی ہے۔ آفرین ہے ان علماء کرام پر جنہوں نے یہ ساری سختیاں برداشت کیں مگر کفر کو قبول نہ کیا۔

چند عجیب باتیں بھی سنیں کہ سر قند کے قریب ایک غار ملا ہے جس میں ایک نیک آدمی اس حالت میں شہید پایا گیا کہ وہ الحیات پڑھ رہا تھا۔ گولی اس کے سینے میں لگی اور پشت سے نکل گئی۔ اسی حال میں جان نکل گئی۔ اس کی ریش کے بال گر گئے مگر بقیہ جسم کئی سو سال کے بعد بھی سلامت ملا۔

ایک پہاڑ پر ایک غار میں کچھ پاکدامن و پاکباز عورتوں کے لاشے ملے۔ دروازے پر ایک صاحب پسرہ دینے کی حالت میں قتل کر دیئے گئے تھے۔ آج بھی کوئی آدمی اس غار میں جانے کے لئے اوپر چڑھے تو اسے چھوٹے چھوٹے پتھر اس طرح سے آلتے ہیں، جیسے کسی نے نشانہ مارا ہو۔ جتنا اوپر چڑھتے جائیں پتھروں کی بارش تیز ہوتی جاتی ہے۔ اسی لئے اب کوئی آدمی اس پہاڑ پر چڑھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔

سرخ انقلاب میں ہزاروں علماء کو صرف اس لئے شہید کیا گیا کہ یہ خدا کے ماننے والے ہیں۔

بنا کردند خوش رے خاک و خون عطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را
(خاک و خون میں تڑپنے کی کیسی اچھی رسم کی بنیاد ڈالی۔ ان عاشقان پاک
فطرت پر اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں ہوں)

دین مٹاؤ تحریک :

علماء کے وجود کو اپنے زعم میں ختم کرنے کے بعد چوتھا مرحلہ یہ تھا کہ اسلام کو لوگوں کی زندگیوں سے ختم کر دیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے نہ صرف قرآن اور

اس کی تعلیم پر پابندی لگائی بلکہ قانون بنایا کہ عربی اردو رسم الخط میں لکھی ہوئی کوئی عبارت یا کتاب کا صفحہ کسی گھر سے نکل آیا تو اس گھر کے سب لوگوں کو پھانسی کی سزا دے دی جائے گی۔ لوگ اپنی جان کے خوف سے دینی تعلیم سے بالکل محروم ہو گئے۔ ازبک اور تاجک زبان کے حروف اجد عربی سے ملتے تھے انہوں نے ان کو بھی بدل ڈالا اور روسی زبان کو مسلط کر دیا تاکہ ان کی آنے والی نسلیں دینی علم سے محروم ہو جائیں۔ عورتوں کو سر پر کپڑا لینے سے روکا جاتا۔ سکول کالج جانے والی چیاں اگر سر پر کوئی کپڑا لیتیں تو پولیس والے ان کو بازار میں کھڑا کرتے اور سر سے کپڑا اتار لیتے پھر اگر ان کے بال لمبے دیکھتے تو قینچی سے بال کاٹ دیتے۔ لوگوں کو یہ تعلیم دی جاتی کہ مذہب افیون کے نشہ کی مانند ہے۔ خدا نے انسان کو پیدا نہیں کیا بلکہ انسان نے خدا کے تصور کو پیدا کیا ہے۔ ساتھ یہ بھی تعلیم دیتے کہ انسان کی کچھ ضروریات ہیں جن کو پورا کرنے میں اسے شرم محسوس نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً جہاں بھوک لگے وہاں کھانے میں کیا شرم، جہاں پیاس لگے وہاں پینے میں کیا شرم، جہاں نیند آئے وہاں سونے میں کیا شرم اور جہاں شہوت محسوس ہو وہاں کسی قریبی لڑکی سے جماع کرنے میں کیا شرم۔

موسیقی کو اس طرح عام کیا گیا کہ ہر گھر کے اندر ریڈیو کا ایک رسیور لگوانا اور اسے ہر وقت آن رکھنا ضروری تھا۔ حتیٰ کہ چند ایک مساجد میں جو دکھانے کے لئے باقی رکھی گئی تھیں ان کے محراب میں بھی یہ سپیکر لگوا دیا گیا۔ اس سپیکر میں ہر وقت دہریت کی تعلیم دی جاتی یا پھر موسیقی سنائی جاتی۔ ہر مرد و عورت کو نہ چاہتے ہوئے بھی موسیقی سننا پڑتی لہذا ان میں عیاشی کا رجحان بڑھتا۔

شراب کو اتنا عام کیا گیا کہ سیون اپ کی یو تل چار روہل کی اور شراب کی یو تل دو روہل کی ملتی۔ عام لوگ مجبوری کی وجہ سے سیون اپ کی جائے شراب پیتے۔ شراب

اس لئے عام کی گئی تاکہ شرم و حیا معاشرے سے ختم ہو جائے، لوگوں کے ذہن سے دین کا نام و نشان ختم ہو جائے۔

سور کے گوشت کو عام کر دیا گیا تاکہ حرام گوشت کھانے سے بے حیائی پیدا ہو۔۔۔ چنانچہ بھنا ہوا گوشت اتنا سستا کہ لوگ کباب (شش لک) کھانے کے عادی بن گئے۔ عام آدمی جو پکا ہوا سالن نہیں خرید سکتا تھا وہ سخی کباب وغیرہ لے کر روٹی سے کھا لیتا اور یوں اس کے جسم میں حرام سرایت کرتا۔

نام و نشان نہ رہے :

جب کمیونسٹوں نے لوگوں کی زندگیوں سے دین کو مٹا دیا تو انہیں خطرہ تھا کہ کچھ لوگ چوری چھپے دین پر عمل نہ کرتے ہوں۔ اس کے لئے انہوں نے انقلاب کے تیس سال بعد ایک مرتبہ اعلان کیا کہ ہم عبادت کرنے والوں پر نرمی کرتے ہیں ہر بندہ اپنی مرضی کے مطابق عبادت کرے۔ مسلمان اس اعلان پر بہت خوش ہوئے۔ آہستہ آہستہ لوگوں نے گھروں میں نماز پڑھنی شروع کر دی۔

خفیہ ایجنسیاں ان کی رپورٹ ماتی رہیں۔ تین سال تک فہرستیں بنتی رہیں۔ پھر اچانک ایک دن ان تمام لوگوں کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا جو دین کا نام لیتے تھے۔ اس آپریشن کے بعد کمیونسٹ لوگ بہت خوش ہوئے کہ اب ہم نے دین کا نام و نشان بھی مٹا دیا ہے۔

پتہ ہی کاٹ دیا :

کمیونسٹ حکمرانوں نے اپنے نظام کو ٹھونسنے کے لئے عوام الناس کا بیرونی دنیا سے رابطہ بالکل کاٹ دیا۔ اول تو باہر کا سفر کرنے کے لئے پاسپورٹ ہی نہیں ملتا تھا، اگر کوئی لے لیتا تو اس کے پیچھے خفیہ ایجنسیاں لگ جاتیں۔ ہر آدمی پر خوف مسلط رہتا،

میاں بیوی ایک دوسرے کی خبری کرتے، حتیٰ کہ سکے بھائی بہوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہ رہا۔ یوں ایک گھر میں رہنے والوں کا بھی ایک دوسرے سے پتہ کاٹ دیا گیا۔ ان تمام اذیتاں کو سننے کے بعد فقیر نے مفتی صاحب سے سوال کیا کہ آپ یہ بتائیں کہ پھر ستر سال کے بعد بھی دین کے آثار کیسے چھ؟ مفتی صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر بتایا۔

دیوانوں کی روئیداد :

کیمونسٹ لوگوں کی حکومت عوام کے جسموں پر تھی، عوام کے دلوں پر نہیں تھی۔ جو لوگ دل میں ایمان کا نور رکھتے تھے انہوں نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا اور قلبہ مطمئن با لایمان (اس کا دل ایمان پر مطمئن رہا) والا درجہ پایا۔ روسیوں نے ان کا سراغ لگانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی بعض پکڑے گئے اور بعض تک ان کی رسائی نہ ہو سکی، مثلاً میرے والد صاحب بہت بڑے عالم تھے، انقلاب آتے ہی انہوں نے اپنی وضع قطع ایسی بنالی جیسے انہیں الف بے بھی نہیں آتی۔ وہ سارا دن ٹریکٹر پر سوار ہو کر سرکاری زمین میں مل چلاتے رہتے، 16 سے اٹھارہ گھنٹے تک کام کرتے، حتیٰ کہ سب لوگ انہیں ٹریکٹر کا عاشق سمجھتے اور ان پڑھ دیہاتی سمجھتے۔ مگر ان کا حال یہ تھا کہ رات بارہ بجے جب کھیت سے فارغ ہو کر گھر آتے تو مجھے اس وقت بخاری شریف کا درس دیا کرتے تھے۔

میں چھوٹا بچہ تھا اس وقت میرے والد صاحب گھر میں میری والدہ سے فرماتے کہ چائے بناؤ پھر مجھے دسترخوان پر بٹھاتے اور اتنی دیر میں کمرے میں چھپ کر نماز پڑھ لیتے۔ کبھی کبھی باہر پولیس والے آتے اور مجھے مٹھائی دیتے اور پوچھتے کہ تیرا باپ گھر میں نماز پڑھتا ہے؟ میں کہتا کہ نہیں۔ اس لئے کہ میں تو چائے کے دسترخوان سے

اٹھ کر جاتا تھا۔ بعض چوں سے پولیس والے پوچھتے کہ بتاؤ تمہارے والدین نے تمہیں کوئی عربی کا فقرہ یاد کروایا ہے یا نہیں؟ اگر وہ ہاں کر دیتا تو اس کے باپ کو پھانسی دے دیتے۔ اگر کسی بچے کو بسم اللہ کا لفظ یاد ہو تا تو اس کے والد کو جیل بھیج دیا جاتا۔ جو بچے اسکول جاتے ان کے استادوں کی ذمہ داری ہوتی کہ اگر کسی بچے کو عربی الفاظ آتے ہوں تو KGB کو رپورٹ کریں۔

علماء اس قدر زیر زمین رہ کر کام کرتے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ مختلف مکانات میں اور حجروں میں خفیہ تعلیم دینے کا سلسلہ چلتا رہتا۔ ہم بعض اوقات ایک بڑا ہال مانتے اور اس میں ضروریات کی ہر چیز میا کرتے۔ پھر اس کے گرد دوسرے کمرے بناتے اور اس ہال کمرے کو اتنا ساؤنڈ پروف بناتے کہ آواز باہر نہ جاسکتی۔ ایک کمرے سے اس ہال کمرے کا دروازہ ہوتا۔ استاد اپنے چوں کو لے کر ہال میں داخل ہو جاتا تو ہم اس کے دروازے کو کھڑی اور کیلوں کے ذریعے پکا بند کر دیتے آگے الماریاں رکھ دیتے۔ پھر اس کمرے میں شراب کی بوتلیں اور چند تنگی تصویریں رکھ دیتے۔ پولیس والے جب گھر کی تلاشی لیتے تو شراب والے کمرے کو دیکھ کر سمجھتے کہ یہ کیمونسٹ لوگ ہیں ان کا دین سے کیا واسطہ۔ وہ خوش ہو کر چلے جاتے۔ انہیں کیا پتہ کہ جہاں وہ کھڑے ہوتے تھے وہاں سے چند میٹر پر بچے اپنی معصوم زبانوں سے اللہ کا قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے۔ ہم استاد اور چوں کو بعض اوقات چھ مہینوں کے بعد باہر نکالتے۔ بعض بچے اندر جاتے وقت قرآن کا لفظ نہیں جانتے تھے لیکن جب باہر نکلتے تو قرآن پڑھنا سیکھ چکے ہوتے تھے۔ مسلمان عورتوں کی بڑی قربانی ہوتی کہ وہ اپنے بچے کو جب ہال میں بھیج دیتیں تو خود گھر کے صحن میں ہوتیں۔ مگر 6 مہینہ تک اپنے بچے کی شکل نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ ہمارے لوگ فرزانے ہوتے تو دین سے خالی ہو جاتے مگر یہ لوگ تو دیوانے تھے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کا دین

سلامت رکھا۔

لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تاہ منزل صرف دیوانے گئے

مفتی صاحب کی طویل گفتگو سن کر اتنا مزہ آ رہا تھا کہ جی چاہتا تھا کہ وہ اور بھی باتیں
بتائیں مگر وہ بول بول کر تھک چکے تھے۔ فرمانے لگے کہ باقی تفصیلات آئندہ ملاقات پر
مؤخر کر رکھتا ہوں۔

صنف نازک کی استقامت :

اگلے دن فقیر نے ظہر کی نماز مسجد میں ادا کی تو کچھ نوجوان ملنے کے لئے آئے اور
اصرار کرنے لگے کہ آپ ہمارے گھر چلیں۔ فقیر نے ابتدا میں معذرت کی لیکن جب
انہوں نے مجبور کیا تو پھر مفتی صاحب سے حقیقت حال عرض کر دی۔ مفتی صاحب
نے فرمایا کہ حضرت، ان نوجوانوں کو انکار نہ کریں ان کی والدہ کی بہت قربانیاں ہیں۔
وہ بیمار ہے آپ سے ملنا چاہتی ہے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ فقیر مفتی
صاحب کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھ گیا تو مفتی صاحب نے فرمایا، حضرت! جب سرخ
انقلاب آیا اس وقت ان کی والدہ بیس سال کی نوجوان لڑکی تھی۔ وہ دوسری لڑکیوں کو
بلا خوف و خطر کلمے کی تلقین کرتی، انہیں اسلام کی دعوت دیتی۔ ہم اسے منع کرتے کہ
تمہاری جان کا خطرہ ہے مگر وہ کہتی کہ موت تو جس گھڑی آئی ہے وہ آکر رہے گی، میں
تو دین کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گی۔ ستر سال اس کا یہی معمول رہا۔ اب اس وقت اس
کی عمر نوے سال ہے وہ بیمار ہو کر چارپائی سے لگ گئی ہے۔ جب اس نے سنا کہ پاکستان
سے ایک شیخ آئے ہیں تو اس کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ میں بھی ان کی زیارت
کروں۔ جب ہم ان کے گھر داخل ہوئے تو صحن بہت کشادہ تھا۔ دور سے دیکھا تو

چارپائی پر ایک بوڑھی عورت نیکی کی ٹیک لگا کر بیٹھی ہے۔ فقیر اس چارپائی سے کوئی تین چار میٹر کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا، سلام کیا اور اس خاتون کی خدمت میں گزارش کی کہ ہمارے حق میں دعا فرمائیے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

”خدا یا ایمان سلامت رکھنا“

فقیر کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

سبحان اللہ، جو عورت 20 سال کی عمر سے کلے کی اشاعت کی خاطر قربانی دیتی رہی حتیٰ کہ اس کی عمر 90 سال ہو گئی اس وقت بھی وہ دعا مانگتے ہوئے کہنے لگی کہ خدایا ایمان سلامت رکھنا، تو اس سے معلوم ہوا کہ اس کے دل میں ایمان کی کتنی عظمت موجود ہے۔

شکستہ دل سے جو آہ نکلے تو فرش کیا عرش کانپ اٹھے گا
در قفس جو کہ دانہ ہوگا تو ایک دن ٹوٹ کر رہے گا
کسی کے روکے سے حق کا پیغام کب رکا ہے جو اب رکے گا
چراغِ ایمان تو آندھیوں میں جلا کیا ہے جلا کرے گا

ریگستان کے مدارس :-

سر قند کے عین وسط میں ایک تاریخی جگہ ”ریگستان چوک“ کے نام سے معروف ہے۔ اس میں مدارس کی تین عالیشان، بلند وبالا اور حسین و جمیل عمارتیں ہیں جنہیں دیکھ کر انسان پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔

یہ مرکزی چوک تیور کے دور میں وسط ایشیا کا سب سے بڑا بازار تھا۔ جہاں تجارتی قافلے آتے تھے۔ اس کے چاروں طرف کاریگروں اور ہنرمندوں کی دکانیں تھیں۔ 15 ویں صدی میں امیر تیور کے بیٹے مرزا بالغ بیگ نے ان میں سب سے پہلا

مدرسہ قائم کیا۔ وہ اس مدرسے میں خود استاد کے طور پر کام کرتا تھا اور اپنے زمانے کا مانا ہوا ریاضی دان، فلسفی اور ماہر علم نجوم تھا۔ اس سے ایک صدی بعد سمرقند کے حاکم بالانگ دوش بہادر نے اس کے بالمقابل اسی طرح کا ایک اور مدرسہ تعمیر کرایا۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہ ایک اچھا قدم تھا مگر ایک بات سمجھ سے باہر ہے کہ اس اونچے منقش دروازوں، محرابوں اور ستونوں والے مدرسے کے دروازے پر شیر بنے ہوئے ہیں، جو ہر نون کا تعاقب کر رہے ہیں۔ اس لئے اس کا نام ”شیر در مدرسہ“ پڑ گیا۔ مذہبی ادارے کے دروازے پر یہ نقش و نگار سمجھ سے بالا ہیں۔

ریگستان چوک کے تیسری طرف ”طلاکاری مدرسہ“ ہے یہ 17 ویں صدی میں تعمیر ہوا تھا۔ اس مدرسہ کے درمیان میں نیلے گنبد والی ایک خوبصورت مسجد ہے جس کے محراب میں 200 کلو سونے سے بیج کاری کی گئی تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام طلہ کاری مدرسہ پڑ گیا۔ اس مسجد کے مینار کی بناوٹ ایسی تھی کہ وہ الگ الگ جھکے ہوئے نظر آتے تھے اور صدیوں سے اسی طرح کھڑے تھے۔ 1932 میں انہیں سیدھا کر دیا گیا۔ روسی اور ازبک ماہرین کو اس کارنامے پر بڑا فخر ہے۔

مفتی اعظم سمرقند غلام مصطفیٰ گل کے ہمراہ ہم لوگ ان مدارس کو دیکھنے کے لئے گئے۔ دیکھتے ہی سلف صالحین کے دور کا ایک خیالی نقشہ ذہن میں گھوم گیا۔ انہی مدارس میں کسی دور میں حضرت داری اور صاحب ہدایہ جیسے جبال علم، تشنگان علم کی پیاس بجھایا کرتے تھے، ان جگہوں کو سنسان دیکھ کر بڑا دکھ ہوا۔ روسی گورنمنٹ نے ان مدارس کو نائٹ کلب کے طور پر استعمال کیا۔ جن عمارتوں میں قرآن و حدیث کی صدائیں بلند ہوتی تھیں وہاں گانے جانے کی سرتال پر لوگ ناچتے تھے۔

ناطقہ سر جگہیاں ہے اسے کیا کہیے

آج کل ان تینوں مدارس کے درمیان کی جگہ کو مخصوص سرکاری عوامی

تقریبات منانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ طلاکاری مدرسہ کو حکومت نے عجائب گھر میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس کی مسجد میں فقط محراب و منبر کے قریب کی جگہ کو چھوڑ کر باقی تمام جگہ کو فن پاروں کی نمائش کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ فقیر نے منبر و محراب کی خوبصورتی کو دیکھا تو بہت خوش ہوا چنانچہ منبر پر بیٹھ کر حصول برکت کے لئے چند نصیحتیں کیں جو حاضرین نے بہت توجہ سے سنیں۔

مسجد ذوالمراد کے متولی فیض اللہ صاحب اور مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرات! پچھلی نصف صدی میں یہاں پر ایسا خطبہ کسی نے نہیں دیا ہوگا۔ اس کے بعد ہم نے کپڑا پھرا کر دو رکعت نماز ادا کی اور ان مدارس کی حالی کے لئے خوب دعائیں کیں۔ ان عمارات کی بلندی کو دیکھ کر فقیر بھی سوچتا رہا کہ ہمارے اکابر کی شخصیات کتنی بلند و بالا تھیں۔

کھنڈر بنا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

مفتی اعظم سمرقند کی بیعت :

والپسی پر مسجد ذوالمراد میں رات کا قیام کیا۔ مفتی صاحب نے فرمایا کہ حضرات! گزشتہ رات میں بولتا رہا آج آپ کی باری ہے آپ کچھ نصیحتیں فرمائیے۔ فقیر نے سوچا کہ موچی تو جہاں جائے اس نے جوتے گا نٹھنے ہوتے ہیں۔ لہذا مجھے اب یہاں پر اپنے سلسلے کا تعارف کروانا چاہیے۔ فقیر اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں سلسلہ عالیہ کی باتیں کرتا رہا، باطنی توجہات والا اگر بھی استعمال کرتا رہا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ محفل کے اختتام پر مفتی صاحب نے کہا حضرت! مجھے بھی اپنے مریدوں میں شامل فرمائیں۔ میرے دل میں آپ سے ایسی محبت پیدا ہو چکی ہے جو میان سے باہر ہے۔ فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر لطیفہ قلب کی نشاندہی کی۔

بڑی مشکل کے بعد آخر وہ شاہیں زیر دام آیا

اس کے بعد مفتی صاحب نے اپنے اہل خانہ اور چوں کو بھی بیعت کروایا۔ بیعت کے بعد مفتی صاحب فرمانے لگے کہ میں دنیا دار علماء اور بدعتی پیروں کا بہت مخالف ہوں۔ اس لئے میں نے دو دن آپ کی نشت ودرخواست کو دیکھا، حتیٰ کہ میرے دل نے تصدیق کر دی کہ مجھے باطنی فائدہ یہیں سے ہوگا۔

مولانا عبداللہ صاحب مفتی صاحب کی بیعت سے بڑے خوش ہوئے۔ فرما رہے تھے کہ مفتی صاحب سرقد صوبہ کی ڈیڑھ سو جامع مساجد کے ائمہ کے نگران ہیں۔ جمعہ کی نماز میں ان کے پیچھے پانچ چھ ہزار لوگ جمعہ پڑھتے ہیں۔ عید کے دن تقریباً ایک لاکھ آدمی ریگستان کے مدارس کے سامنے ان کی امامت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ان کی زبان میں تاثیر ہے، عقائد باطلہ کے خلاف تلوار ہیں۔ ان کا بڑا بیٹا تاشقند کے مدرسے میں تعلیم پا رہا ہے، بیٹیاں گھر میں قرآن پاک حفظ کر رہی ہیں۔ بیدی اہدائی صرف و نحو جانتی ہے۔ گھر کا ماحول دینی ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ نے مفتی صاحب کے بڑے فضائل بیان کئے۔ کہنے لگے یاسیدی، یہ شخص دس ہزار آدمیوں پر بھاری ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے مدرسہ کی کتاب دکھائی جس میں ترکی، مصر اور سعودی عرب وغیرہ سے آئے ہوئے علماء نے اپنے تاثرات لکھے تھے۔ مفتی صاحب فرمانے لگے کہ حضرت جتنے بھی لوگ آئے سب نے کتاب میں تاثرات لکھے مگر آپ آئے ہیں تو آپ نے میرے دل کی کتاب پر اللہ لکھ دیا ہے۔ فقیر نے کہا، مفتی صاحب! وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب۔

لالے کی حنا ہدی :

مفتی اعظم صاحب کے بیعت ہونے کی خبر علماء اور طلباء میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جب مفتی صاحب رخصت لے کر گھر چلے گئے تو متولی مسجد، مؤذن مسجد وغیرہم بھی بیعت ہو گئے۔ سرقد کے حجروں میں تعلیم پانے والے نوجوان طلباء جوق در جوق آکر بیعت ہونے لگے۔ عشاء کے بعد جس جگہ بیٹھے تھے وہیں بیٹھے بیٹھے فجر کی اذان ہو گئی۔ شاید ایک درجن سے زیادہ مرتبہ بیعت کا خطبہ پڑھ کر لوگوں کو داخل سلسلہ کیا گیا۔

ایک نوجوان عالم دین بیعت ہونے کے لئے آئے تو انہوں نے پہلے کچھ علمی سوالات پوچھے، مولانا عبداللہ اس کی ذہانت اور حسن سوال پر بہت زیادہ خوش ہوئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی گفتگو کے بعد وہ بھی بیعت ہو گئے۔ مسجد کے مؤذن نے کہا کہ اس نوجوان عالم کی بیعت ہونے کے بعد سرقد شہر کا کوئی نوجوان بیعت ہوئے بغیر نہ رہے گا۔ بعض طلباء کے چہرے پر علم و عمل کا ایسا نور دیکھا کہ فقیر خود بھی حیران ہوا۔ دل نے کہا

نہیں مشاطگی کی کچھ ضرور۔ حسن معنی کو

کہ فطرت خود خود کرتی ہے لالے کی حنا بندی

صبح فجر کی نماز کے بعد مسجد اسحاق ولی کے خطیب مولانا نصر اللہ اور ایک معلم مولانا احمد خان بھی آکر بیعت ہوئے۔ دن کے نو بجے مولانا عبداللہ کہنے لگے یاسیدی! آپ کچھ دیر کے لئے آرام فرمائیں، آپ کے جسم کو آرام کی بھی ضرورت ہے۔ مولانا کی بات سن کر فقیر نے محفل پر خواست کی۔

مخطوطہ کتب کی لائبریری :

مولانا احمد خان نے بیعت کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ایک لائبریری میں کام کرتے

ہیں۔ جہاں نایاب مخطوط و مطبوعہ کتب کو جمع کیا گیا ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ کیا ہم بھی وہ کتابیں دیکھ سکتے ہیں۔ مونہا کہنے لگے کہ حضرت بہت مشکل ہے، اگر میں کسی سے اجازت مانگنے کی کوشش کروں گا تو ہو سکتا ہے کہ مجھے نوکری سے چھٹی کروادی جائے کہ اس شخص کے غیر ملکی لوگوں سے روابط ہیں۔ فقیر نے کہا کہ اچھا آپ ہمیں ایڈریس وغیرہ بتادیں، فقیر خود کسی کے ہمراہ وہاں پہنچ جائے گا۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ہم بھی وہ نایاب چیزیں دیکھ لیں گے اور اگر اجازت نہ ملی تو یہی سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا۔ اس بات سے مولانا مطمئن ہو گئے۔

اگلے دن ہم فیض اللہ صاحب اور مولانا عبد اللہ صاحب کے ہمراہ اس لائبریری میں پہنچے مین گیٹ پر سیکیورٹی والے نے بڑے آرام سے ہمیں داخل ہونے دیا۔ جب لائبریری ہال میں پہنچے تو ایک لائبریرین عورت نے فقیر کو دیکھا تو اپنی کرسی چھوڑ کر قریب آگئی۔ پوچھنے لگی کہ آپ کیسے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا کہ لائبریری دیکھنے کے لئے۔ اس نے کہا بہت اچھا، آپ بڑے شوق سے اس لائبریری کو دیکھئے، میں اس کی تاریخ آپ کو بتا دیتی ہوں کہ جب روسی انقلاب آیا تو کمیونسٹوں نے مسلمانوں کے گھر دس سے برآمد ہونے والی دینی کتب کو جلانا شروع کر دیا، کروڑوں کتابیں جلائی گئیں۔ بعض مسلمانوں نے ان کتابوں کو محفوظ کرنے کے بڑے عجیب و غریب طریقے اپنائے۔ بعض نے وہ کتابیں کسی جگہ زمین میں دفن کر دیں، بعض نے دفن کر کے اس پر قبریں بنادیں تاکہ نشانی رہے، بعض نے کتابیں دفن کر کے اس پر دیواریں بن دیں۔ اب چونکہ ستر سال گزر چکے ہیں۔ وہ کتابیں دفن کرنے والے خود تو چلے گئے۔ اب ان کی اولادوں میں سے بعض کو نشانیاں یاد ہیں اور بعض کو بھول گئی ہیں۔ آزادی ملنے کے بعد حکومت نے لوگوں کو کہا ہے کہ جو کوئی لائبریری کے لئے نایاب کتاب لائے گا ہم اس کو معقول معاوضہ دیں گے تو لوگ اپنی اپنی یادداشت کے مطابق

کتابیں نکال کر لا رہے ہیں۔ ہمیں جب بھی کوئی قابلِ قدر کتاب ملتی ہے ہم اسے خرید کر محفوظ کر لیتے ہیں۔ ہمارے پاس اس لائبریری میں تین ہزار نایاب کتب جمع ہو چکی ہیں۔ اس کے بعد اس نے مولانا احمد خان کو ایک کمرے میں سے بلوایا اور کہا کہ یہ ہمارے غیر ملکی مہمان ہیں آپ ان کو لائبریری کی کتابیں دکھادیں، یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔ مولانا احمد خان فقیر کو دیکھ کر مسکرائے۔ فقیر نے عرض کیا مولانا آپ نے نسبت کی برکتیں دیکھیں کہ جو کام آپ کو ناممکن نظر آ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے کیسے آسان کر دیا؟ مولانا مسکرائے اور پھر انہوں نے ہمیں کتابوں کے بارے میں بہت اچھی معلومات دیں۔ سب سے پہلی کتاب طب کی دنیا میں مستند حیثیت رکھنے والی ”القانون“ دیکھی۔ اس کے بعد تفسیر حسینی دیکھی جو اپنے علوم و معارف کی وجہ سے بہت معروف ہے۔

لوہے کی چادروں پر لکھا ہوا قرآن مجید :

مولانا احمد خان ہمیں ایک کمرے میں لے گئے جہاں لوہے کی چادروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور ان کے اوپر کپڑا ڈال دیا گیا تھا۔ مولانا احمد خان نے جب کپڑا ہٹایا تو ہم نے دیکھا کہ ان لوہے کی چادروں پر قرآن مجید کو کھود کر لکھا گیا ہے۔ مولانا نے بتایا کہ یہ پورے قرآن مجید کا سیٹ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ لوہے کی چادروں پر قرآن مجید لکھنے کا کیا مقصد؟ مولانا نے کہا کہ اس وقت کے مسلمان حکام نے سوچا کہ ایک ایسا نسخہ قرآن مجید کا بنادینا چاہئے تاکہ اگر کبھی ضرورت پڑے تو وہ معیار اور سند کے طور پر کام آئے۔ بلکہ جس طرح برطانیہ وغیرہ میں وقت کا معیار مقرر ہے جسے ہم گرین وچ ٹائم کہتے ہیں۔ ساری دنیا کی گھڑیوں کا وقت ان کے حساب سے رکھا جاتا ہے۔

یہ لوہے کی چادروں پر لکھا ہوا قرآن چونکہ سالہا سال تک محفوظ رہے گا اس لئے

یہ ایک مستند نسخہ ہے۔ اگر کبھی کوئی شخص قرآن مجید میں تحریف کرنے کی کوشش بھی کرے تو اس نسخہ سے مقابلہ کر کے اس کی غلطی کو ختم کر دیا جائے گا۔ لوہے کی چادر اتنی بھاری تھی کہ چار آدمی مل کر اسے اٹھا سکتے تھے اور لوہا بھی ایسا تھا کہ اسے زنگ نہیں لگ سکتا تھا۔

بچوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید :

ابھی ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ لاہوریری کی ڈائریکٹر خاتون آگئی۔ اس نے فقیر کو دیکھا تو فرشی سلام کیا اور پوچھا کہ کیا آپ نے سب کتب دیکھ لیں؟ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ وہ کہنے لگی کہ ایک خاص چیز میں نے اپنے پاس رکھی ہے آئیے وہ میں آپ کو دکھاتی ہوں۔ وہ ہمیں اپنے کمرے میں لے گئی اور ایک بڑا بجس کھولا۔ اس کے اندر سے ایک دوسرا بجس نکلا، جب وہ کھولا تو اس کے اندر سے ایک بریف کیس نکلا۔ جس کے اندر کی ہر چیز کو کیمیکل وغیرہ لگا کر محفوظ کر دیا گیا تھا۔ جب اس نے بریف کیس کھولا تو اس کے اندر قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے نسخے پڑے ہوئے تھے۔ لکھائی اتنی باریک تھی کہ پڑھی جانی مشکل تھی۔ لیکن جب اس خاتون نے ہمیں لفظوں کو بڑا دکھانے والا عدسہ لا کر دیا تو ہم نے دیکھا کہ ہر صفحے پر ایک رکوع لکھا ہوا تھا اور لکھائی اتنی خوبصورت تھی کہ دیکھ کر حیران رہ جائیں۔ چند ایسے نسخے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

جب ڈائریکٹر خاتون نے دیکھا کہ ہم نے بڑے شوق سے قرآن مجید کے چھوٹے چھوٹے نسخوں کو دیکھا ہے تو وہ کہنے لگی اب میں آپ کو اصل چیز دکھاتی ہوں وہ ہے بچوں پہ لکھا ہوا قرآن مجید کا نسخہ جو کاغذ کی ایجاد سے پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ مگر اس میں لطف اور مزے کی بات یہ ہے کہ بچوں کو اس طرح محفوظ کر دیا گیا ہے کہ وہ نہ تو پھٹتے

ہیں نہ ہی ٹوٹتے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک مجلد نسخہ نکالا۔ جب فقیر نے اپنے ہاتھ میں لے کر اسے دیکھا تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ کسی درخت کا پتہ ہے۔ اس پتے میں رکس پھیلی نظر آرہی تھیں، بناوٹ پتوں کی تھی مگر اس پر ہاتھ سے قرآن مجید لکھا گیا تھا۔ قرون اولیٰ کی ایک چیز کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ایک خوشی تو یہ کہ سلف صالحین نے حفاظت دین کے لئے کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، دوسرا اس لئے بھی خوشی تھی کہ ہم نے نبی علیہ السلام کے زمانے کے قریب کی ایک چیز کو اپنی گنگار آنکھوں سے دیکھا۔ فقیر نے قرآن مجید کے اس نسخے کو چوما اور اپنی آنکھوں سے لگایا۔ مولانا احمد خان کہنے لگے کہ حضرت آپ کی برکت سے مجھے بھی یہ نسخہ دیکھنے کی سعادت ملی۔ ورنہ تو ہم بھی محروم رہتے۔ ہم نے لاہوریرین اور لاہوریری کی ڈائریکٹر خاتون کا شکریہ ادا کیا اور ان کو دعائیں دے کر رخصت ہوئے۔

فنِ کتابت :

لاہوریری سے واپس آتے ہوئے مولانا عبداللہ نے کہا حضرت ہمارے اسلاف نے کیسے کیسے کام کر دکھائے۔ کاتب حضرات نے کیا کیا کمال دکھائے۔ فقیر نے انہیں کاتب لوگوں اسے متعلق چند واقعات سنائے۔

۱۔ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ فنِ خطابت انسانی خواص میں سے ہے۔ اس سے انسان جانوروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ عربی میں یہ فن قوم تبع کی طرف سے آیا جو یمن کی نہایت ترقی یافتہ قوم تھی۔ اس زمانے میں اس کا نام دکا حیرری تھا۔ وہاں سے یہ اہل حیرہ تک پہنچا اور حیرہ سے اہل طائف اور قریش میں یہ فن آیا۔ حیرہ سے یہ فن مصر میں پہنچا۔ پھر اہل اندلس نے اس میں کمال پیدا کر لیا اور ان کا خط عربی اور افریقہ میں احسن الخطوط مانا گیا۔ فنِ خطاطی میں مسلمانوں نے بوا عروج

حاصل کیا اور اس کی کئی اقسام وضع کیں مثلاً خط کوئی، خط نسخ، خط ریحانی، خط دیوانی، خط شکستہ، خط فارسی، خط نستعلیق، خط طغرئی، خط گلزار، خط غبار اور خط رقصی وغیرہ۔

❖ زود نویسی بھی ایک فن بن گئی اور باریک نویسی بھی ایک فن کا درجہ پا گئی۔ اسماعیل بن عبداللہ ناخ کے نام پر خط ناخ مشہور ہوا۔ یہ خط غبار میں بھی ماہر تھے۔ ان کو باریک نویسی میں کمال حاصل تھا۔ سورۃ اخلاص ایک چاول پر لکھ دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آیت الکرسی ایک چاول پر لکھ دی، 788 ہجری میں انتقال ہوا۔

❖ حسن بن شہاب عسکری زود نویس کا تب تھے۔ وہ تین راتوں میں دیوان متبنی کو لکھ لیا کرتے تھے۔ 428 ہجری میں انتقال ہوا۔

❖ شیخ علی متقی ہندی برہان پوری نے علامہ سیوطی کی جمع الجوامع کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔ ان کے استاد شیخ ابوالحسن بصری نے کہا ”دنیا نے علم پر علامہ سیوطی کا احسان ہے اور علی متقی کا علامہ سیوطی پر احسان ہے“۔ شیخ علی متقی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک کاغذ کا صفحہ علامہ عبد الوہاب شعرانی کو ہدیہ پیش کیا۔ اس صفحے پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ ہر سطر چوتھائی پارہ کی تھی۔ آپ 975 ہجری میں وفات پا گئے۔

❖ علامہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ خراسانی کاغذ کے ایک صفحے پر 640 سطریں لکھا کرتے تھے۔

❖ رنگ زیب عالمگیر اپنے وقت کے بادشاہ تھے مگر اپنے ہاتھوں سے قرآن مجید لکھتے اور اس طرح سے جو آمدنی ہوتی اس سے گذراوقات کرتے۔

۱۰۔ سلف صالحین اپنی لڑکیوں کو دینی تعلیم سے آراستہ کرتے۔ پھر ہر لڑکی اپنے ہاتھ سے انتہائی خوبصورت لکھائی میں قرآن مجید لکھتی۔ اس کو سنہری جلد میں جلد کر دیا جاتا۔ جب لڑکی کی شادی ہوتی تو اس کو جیز میں یہی قرآن مجید دے دیا جاتا۔

شاہ زندہ کی زیارت :

لابری سے فراغت پر ہم لوگ سیدھے شاہ زندہ کے قبرستان میں پہنچے۔ یہ جگہ ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ باہر لکڑی کا منقش گیٹ ہے جس پر لکھا ہوا ہے

عجلوا بالصلوة قبل الفوت
عجلوا بالتوبه قبل الموت

(نماز جلدی ادا کر لو قضاء ہونے سے پہلے، توبہ میں جلدی کرو موت سے پہلے)

دروازے کے باہر ایک مسجد بنی ہوئی ہے جس کو روسیوں نے شراب خانہ بنایا ہوا تھا۔ اب اس کی صفائی کر کے اس میں نماز کا اجرا کر دیا گیا ہے۔ بڑے دروازے سے قبرستان میں داخل ہوں تو بہت چوڑی سیڑھیاں اوپر جاتی ہیں، چوڑائی تقریباً بیس فٹ ہے۔ ازبک لوگوں میں مشہور ہے کہ جو شخص چڑھتے ہوئے سیڑھیاں گئے اور اترتے ہوئے گئے اور سیڑھیاں برابر نہ ہوں تو وہ شخص گنہگار ہوتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اوپر نیچے آتا جاتا رہے حتیٰ کہ دونوں طرف کی گنتی برابر ہو جائے۔ ان سیڑھوں کے دونوں طرف میں قبے بنے ہوئے ہیں جن میں وقت کے مشاہیر مدفون ہیں۔ بعض میں امیر تیمور کی بیٹیاں، یعنی اپنے وقت کی شہزادیاں مدفون ہیں۔ امیر تیمور کی ہمیشہ کا مقبرہ بھی ہے۔ ایک مربع میٹر میں دو ہزار ٹائلز لگائے گئے ہیں۔ ان ٹائلز کا رنگ نیلا، برا اور سرخ ہے اور ابھی تک صحیح سلامت ہے۔ اس کے ساتھ ہی تیمور کی بھانجی کا نہایت خوبصورت مقبرہ ہے۔ ازبک لوگوں میں مشہور ہے کہ اس کی وفات 16 سال

کی عمر میں ہوئی اور اس جیسی حسین و جمیل لڑکی پھر پیدا نہیں ہوئی۔ یہ سن کر فقیر کے دل میں خیال آیا

”عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے۔ دیکھو کہ ہوا کیسے کیسے حسینوں کی

قبر سے مٹی اڑا رہی ہے“

شنید ہے کہ امیر تیمور اس بات میں نہایت سختی کرتا تھا کہ اکابرین کی قبور کو با وضو مٹایا جائے۔ امیر تیمور خود بھی بادضوان قبور کی زیارت کیا کرتا تھا۔ مختلف قبروں پر کندہ کئے ہوئے نام اب بھی موجود تھے۔ بعض پتھروں پر ایک ہزار سال پہلے کی تاریخیں کندہ تھیں۔ عموماً سفید رنگ کے پتھر میں بہت خوبصورت لکھائی کی گئی تھی۔

کافی ساری سیڑھیاں چڑھنے کے بعد دائیں طرف لکڑی کا ایک بہت بڑا دیوہیکل منقش دروازہ نظر آیا۔ ایک دروازے پر لکھا تھا۔ ابواب الجنة للفقراء (جنت کے دروازے فقراء کے لئے ہیں) دوسرے پر لکھا ہوا تھا ابواب الرحمة للرحماء (رحمت کے دروازے مہربانی کرنے والوں کے لئے ہیں)

اس بات پر حیرانی ہوئی کہ ہزار سال گزرنے کے باوجود بھی یہ دروازہ ٹھیک تھا۔ اندر داخل ہوئے تو ایک مسجد بنی ہوئی تھی۔ جو حضرت قثم ابن عباسؑ کی یاد میں بنائی گئی تھی۔

روایت ہے کہ حضرت قثم ابن عباسؑ، حضرت عبداللہ بن عباسؑ کے بھائی اور نبی علیہ السلام کے چچا زاد بھائی تھے۔ وہ 45 ہجری میں یہاں پر اسلام کا پیغام لے کر آئے۔ ہزاروں لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ایک مرتبہ عید کی نماز پڑھتے ہوئے کفار نے موقع پا کر ان کو شہید کر دیا۔ اس لئے ان کو ”شاہ زندہ“ کہتے ہیں۔ حضرت قثم ابن عباسؑ کے متعلق روایت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دفن میں

شریک تھے اور سب سے آخر میں قبر مبارک سے نکلنے والے بھی یہی تھے۔ دروازے پر ایک بڑے پتھر میں آپ کا نام کندہ تھا اور ساتھ ہی یہ حدیث پاک بھی لکھی ہوئی تھی۔

عن رسول اللہ ﷺ اشبه الناس بی خلقا و خلقا
(قثم بن عباسؓ حضور ﷺ کے سب سے زیادہ مشابہ تھے اخلاق میں اور شکل و صورت میں)

مزار شریف کے باہر کئی چلہ خانے بنے ہوئے تھے۔ یہاں سے گزر کر قبر خاص کے قریب نیچے تو انوارات کا عالم کچھ اور ہی تھا۔ قبر پر لکھا گیا تھا

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا
(آپ ہر گز مردہ شمار نہ کریں ان لوگوں کو جو قتل کر دیئے گئے اللہ کے راستے میں)
قبر مبارک کے نیچے تہہ خانے میں چلہ خانہ بنا ہوا تھا۔ متولی نے خصوصی رعایت کرتے ہوئے اسے کھولا۔ عجیب بل کھاتا ہوا راستہ، پہلے ایک کمرہ پھر دوسرا کمرہ پھر تنگ سی جگہ قبر مبارک کے بالکل محاذ میں۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ہمارے اکابرین بایزید بطائی اور ابو الحسن خرقانیؒ جیسے حضرات بھی بیٹھ کر مراقبہ کرتے تھے۔ فقیر بھی وہاں مراقبہ ہوا اور لطائف میں ایسی ہلچل محسوس ہوئی کہ زندگی بھر یاد رہے گی۔ قریب ہی بنی ہوئی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھ کر احباب کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہاں سے فراغت پر وقت کے مشہور محدث حضرت دارمیؒ کی قبر پر ایصال ثواب کیا اور دعا مانگی، پھر واپس آگئے۔

مسجد ملی فی خانم :

ریگستان چوک کے قریب ہی یہ خوبصورت مسجد بنائی گئی ہے۔ اس کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ مسجد خود امیر تیمور نے تعمیر کروائی۔

دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مسجد امیر تیمور کی چینی نژاد بیگم فی فی خانم نے تعمیر کروائی، جب کہ امیر تیمور ہندوستان فتح کرنے گیا ہوا تھا۔ یہ مسجد امیر تیمور کے لئے فی فی خانم کا تحفہ تھی۔ بعض لوگوں نے زیب داستان کے لئے مسجد کے معمار اور فی فی خانم کے عشق کی داستان بھی بنا رکھی ہے، چونکہ ہندوستان سے واپسی پر امیر تیمور نے اپنی سلطنت کی تمام خواتین کو پردے کا حکم دیا تھا۔ مسجد اس قدر خوبصورت ہے کہ سبھی ہوئی دہلیں معلوم ہوتی ہے۔ اس مسجد کو دیکھنے کے بعد ہم لوگ گورامیر دیکھنے کے لئے گئے۔

گورامیر:

سمرقند کے ایک سرے پر گورامیر ہے جہاں امیر تیمور اور ان کے خاندان کے افراد مدفون ہیں۔ فیروزی رنگ کے گنبد والا یہ مقبرہ امیر تیمور نے اپنے پوتے محمد سلطان کی وفات پر تعمیر کروایا تھا مگر چند سال کے بعد اسے خود بھی 1405ء میں یہیں دفن ہونا پڑا۔

مٹے نامیوں کے نشان کیسے کیسے
زمین کھاگئی آسمان کیسے کیسے

یہ بات قابل ذکر ہے کہ امیر تیمور کے پیر و مرشد میر سعید میر بھی اس مقبرے میں دفن ہیں۔ جہاں میر سعید کے پاؤں ہیں وہاں امیر تیمور کا سر ہے۔ سنا ہے کہ اہل اللہ کے ساتھ اسی محبت و عقیدت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا کا عظیم فاتح بنایا۔ حتیٰ کہ اس کے مقبرہ کے دروازے پر ”امیر عالم“ کا خطاب لکھا گیا ہے۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہی عقیدت اس کے لئے آخرت کی مغفرت کا سبب بن جائے۔

امیر تیمور کے چار بیٹے تھے، ان میں سے دو اس کے آبائی شہر، شہر سبز میں مدفون

ہیں۔ البتہ شاہ رخ اور میران شاہ اس کے پہلو میں مدفون ہیں۔

اس کے پوتے الف بیگ کی قبر بھی اسی گنبد کے نیچے ہے۔ الف بیگ کے سانس نظریات نے اس زمانے میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ ان نظریات کی مخالفت میں خود اس کا اپنا بیٹا عبد اللطیف پیش پیش تھا، اسی نے اپنے باپ کو موت کی سزا سنائی۔ خود بھی اسی گنبد کے نیچے مدفون ہے۔ گور امیر کے اس چھوٹے سے گنبد کے نیچے وسیع و عریض سلطنت کا حکمران اپنی تین نسلوں سمیت چند مربع گز کی جگہ میں مدفون تھا۔ دنیا کی بے ثباتی کا احساس یہاں اس شدت سے ہوا کہ دل دہل گیا۔

دنیا کے اے مسافر منزل تری لحد ہے

امیر تیمور کی قبر پر گہرے سبز رنگ کا پتھر لگا ہوا تھا جو آج کل نایاب ہے پورے وسط ایشیاء بلیک چین میں بھی نہیں ملتا۔ یہ بات پر اسرار ہے کہ یہ پتھر کہاں سے آیا؟ مگر اوپر کی خوبصورتی سے کیا ہوتا ہے مزہ تو جب ہے کہ قبر کو جنت کا باغ بنا دیا جائے، چاہے اوپر سے پکی ہو۔

امام اہلسنت ابو منصور ماتریدیؒ :

گور امیر سے فراغت پر ہم لوگ پرانے سرقند کی تنگ گلیوں میں آ پہنچے۔ جہاں گاڑی کے لئے مڑنا بھی اک مسئلہ تھا۔ یہاں پرانے طرز کے پتھر دوں سے بنے ہوئے مکان تھے۔ اس پورے علاقے میں انوار کی بارش عام آدمی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ ہمارے اسلاف نے ان جگہوں میں جہنم لیا اور پرورش پائی اور پھر اپنی تقویٰ بھری زندگیاں گزار کر اپنے رب کے حضور پہنچے، آج جنت میں خیمے لگا چکے ہیں۔

یہاں ہم ایک ایسے گھر میں پہنچے جس میں امام ابو منصور ماتریدیؒ کا مزار تھا۔ کیمونسٹ حضرات تو عموماً ایسی جگہوں کے نام و نشان مٹا دیتے تھے مگر مسلمانوں نے

وہاں اپنے گھر بنا کر ان قبور کو کسی کمرے کا حصہ بنا لیا۔ اب آزادی کے بعد انہوں نے اپنے گھر دوسری جگہ بنائے تاکہ عامۃ المسلمین بھی ان جگہوں تک آسانی سے پہنچ سکیں۔

محمد ثین کا قبرستان :

یہاں سے قریب ہی ایک جگہ پر قبرستان ہے۔ محمد ثین کا قبرستان کہتے ہیں۔ جہاں پر دفن ہونے والے محمد ثین و مفسرین کے لئے دو شرائط رکھی گئی تھیں۔ پہلی شرط یہ کہ وہ اپنے وقت کا مسلمہ محدث و مفسر ہو اور دوسرا یہ کہ اس کا نام محمد ہو۔ انتظامیہ کے لوگ ان شرائط کی اتنی پابندی کرتے تھے کہ صاحب ہدایہ قاضی برہان الدین المرغینانی جیسی عبقری شخصیت کو لوگوں نے یہاں دفن کرنا چاہا مگر انکار کر دیا گیا کہ ان کا نام محمد نہیں ہے۔ اس قبرستان میں محمد نامی محمد ثین و مفسرین کی چار سو قبور تھیں۔

دفن ہو گا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

فقیہ ابو الیث سمرقندی :

سمرقند سے اٹھنے والی ایک ایسی شخصیت جنہوں نے تنبیہ الغافلین کتاب لکھ کر غافل دلوں کو جگادیا۔ جن کا تقویٰ لوگوں میں بہت معروف تھا۔

ایک مرتبہ سفر پر روانہ ہوئے تو ان کے سامان سے زیادہ ان کے پاس مٹی کے ڈھیلے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ اتنا بوجھ کیوں اٹھائے پھرتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ مجھے اپنی طہارت کے لئے استعمال کرنے ہوتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ کسی کے کھیت سے بغیر اجازت کے مٹی کا ڈھیلہ بھی اٹھاؤں۔

ان کی قبر مبارک کے بارے میں فقیر نے احباب سے بہت پوچھ گچھ کی مگر اکثر

علماء کا خیال تھا کہ روسی کمیونسٹوں نے جن آبادیوں پر بلڈوزر چلوائے اور ان پر سڑکیں اور جدید عمارتیں بنوائیں۔ وہیں پر یہ گمنام ہو کر اپنی برزخی زندگی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ تاہم فقیر نے سب احباب سے کہا کہ قرآن مجید میں سے کچھ آیات تلاوت کر کے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کر دیا جائے۔

حضرت خواجہ سعید بن عثمانؒ بن عفانؒ :

آپ نواسہ رسول اور سیدہ رقیہؓ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ابتدائے میں خنار امیں تشریف لائے پھر کچھ عرصہ کے بعد سرقتِ ہجرت کر گئے۔ یہاں بہت لوگوں نے آپ سے دین اسلام کی روشنی پائی۔ سرقت کے مضامات میں آپ کا قیام رہا۔ ایک مرتبہ آپ کے گھر سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر کفار نے موقع پا کر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی قبر مبارک آپ کے گھر ہی میں بنائی گئی۔ قریب ہی ایک عالیشان مسجد بنائی گئی جس کے ارد گرد اونچی دیوار والی فصیلیں بنائی گئیں۔ یہاں بھی فاتحہ پڑھنے کے بعد کچھ دیر کے لئے مراقبہ کیا گیا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار ولیؒ :

آپ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا مال و دولت اتنا عطا کیا تھا کہ آپ کے اونٹ گھوڑے سونے چاندی کی کیلوں سے باندھے جاتے تھے۔ مولانا جامی جب بیعت کے ارادے سے حاضر ہوئے تو یہ محفل کی شان و شوکت اور طمطراق دیکھ کر تھوڑی دیر کے لئے ان کے دل میں تردد پیدا ہوا۔ آپؒ نے فرمایا، سونے چاندی کی میخیں زمین میں گاڑنے کے لئے ہوتی ہیں، دلوں میں گاڑنے کے لئے نہیں ہوتیں۔

آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری مریدی کرتا تو دنیا سے کسی پیر کو کوئی مرید

نہ ملتا، مگر مجھے تو بلند مقصد یعنی سنت کے احیاء کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ وقت کے سلاطین بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

آپ کا مزار ایک اونچے چوترہ پر بنا ہوا تھا۔ قریب میں ایک شاہی مسجد بنی ہوئی تھی، سامنے بڑا حوض تھا جس کے ارد گرد اونچے اونچے درخت تھے۔ مدارس ریگستان کی مانند ایک مدرسہ بھی یہاں بنا ہوا تھا۔ جو مفتی اعظم سمرقند کی زیر نگرانی چل رہا تھا۔ اس مزار مبارک کے قریب ایک صاحب امام رجب علی مقیم تھے۔ جن کے عقائد اہلسنت سے بہت ہٹ کر تھے۔ جب انہوں نے فقیر کو دیکھا تو لوگوں سے تعارف معلوم کیا۔ انہیں فقیر کے بارے میں تردد ہو رہا تھا کہ اتنی چھوٹی عمر کے جوان نے مفتی اعظم سمرقند نے بیعت کیوں کی؟ وہ فقیر سے مل کر کہنے لگے کہ میں آپ سے چند سوالات پوچھنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے عرض کیا کہ اگر معلوم ہوں گے تو عرض کر دوں گا۔ انہوں نے سب سے پہلے یہ سوال پوچھا کہ آپ اپنا شجرہ نبی علیہ السلام سے لے کر اپنے تک بتائیں۔ فقیر نے فوراً سنا دیا، پھر انہوں نے پوچھا کہ ذکر قلبی کیا چیز ہے؟ فقیر نے عرض کر دیا، پھر مکتوبات امام ربانی کے متعلق کچھ باتیں پوچھتے رہے بالآخر جب سب باتوں کے جواب مل گئے تو انہوں نے اندر کی بات کھول دی کہ آپ اتنی کم عمری میں شیخ کیسے بنے؟ فقیر نے اپنے عصا کو زور سے زمین پر مارا اور کہا مولانا! یہ فقیر خود نہیں بنا، کسی نے بنایا ہے۔ یہ سن کر رجب علی پر ہیبت طاری ہو گئی۔ اس کا اکھر پین نرمی اور عاجزی میں بدل گیا۔

اگر بڑھیا کے در پر آئے سلطان
تو اے واعظ نہ ہو ہرگز پریشان

امام بخاریؒ کی آخری آرامگاہ :

علم حدیث کی دنیا کے امیر المومنین امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ 194 ہجری بروز جمعہ خمار میں پیدا ہوئے۔ چھن میں کسی بیماری کی وجہ سے پینائی جاتی رہی مگر والدہ کی بے لوث اور پر خلوص دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ظاہری و باطنی پینائی عطا فرمادی۔ ان کے والد بھی طبقہ رابعہ کے مشہور محدث تھے اور عبد اللہ بن مبارکؒ کے خصوصی شاگرد تھے۔ امام بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میرے والد اسماعیل نے حماد بن زید کو دیکھا کہ انہوں نے عبد اللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

آپ کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب آپؒ چھن کی عمر میں تھے۔ آپؒ کی تربیت آپؒ کی عبادت گزار اور نیکو کار والدہ نے کی۔ 16 سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ حج پر گئے اور دو سال مکہ مکرمہ میں رہ کر حدیث کا علم حاصل کیا۔ اٹھارہ برس کی عمر میں مدینہ منورہ آئے اور روضہ انور کے قریب بیٹھ کر چاندنی راتوں میں اپنی دو مشہور کتابیں ”قضايا الصحابة والتابعين“ اور التاریخ الکبیر تصنیف کیں۔

آپؒ نے ایک ہزار اسی اساتذہ و مشائخ سے حدیث لکھی مگر آپؒ کو اسحق بن راہویہ اور علی بن المدینی سے زیادہ فیض پہنچا۔ آپؒ اپنی قوت حافظہ کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھے۔ بغداد کے علماء نے سوا حدیث میں الٹ پھیر کر کے آپؒ کو آزمانا چاہا مگر آپؒ کے علم و فضل کا لوہا ماننا پڑا۔ امام صاحبؒ نے اپنے والد کے ترکہ میں بہت سامان پایا تھا مگر اسے فی سبیل اللہ خرچ کر دیتے اور خود قلت طعام پر عمل کرتے۔ ساہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ بعض اوقات وہ پورا دن تین باداموں پر گزار دیتے۔ ایک مرتبہ ہمارے ہوئے تو طبیب نے قارورہ دیکھ کر کہا کہ یہ شخص سالن استعمال نہیں کرتا۔ جب پوچھا گیا تو بتایا کہ میں نے سالن پچیس سال پہلے استعمال کیا تھا۔

ایک مرتبہ آپؒ نے نماز کا سلام پھیر کر اپنے شاگرد سے کہا کہ میری پیٹھ پر دیکھو۔ اس نے قمیص اٹھا کر دیکھا تو ایک بھرد نے سترہ ڈنک لگائے تھے، جسم کا حصہ

سوچ گیا تھا۔ کسی نے پوچھا آپ نے نماز کیوں نہ توڑی؟ فرمایا ایسی سورۃ پڑھ رہا تھا، جی چاہا کہ اسے پورا کر لوں۔ آپ کے علم و فضل کے بارے میں امام مسلمؒ نے کہا اشہد انہ لیس فی الدنیا مثلک (میں گواہی دیتا ہوں کہ تیری مثل دنیا میں کہیں نہیں)۔

آپ کی زندگی میں آزمائشیں بھی بڑی آئیں جب نیشاپور گئے تو شہر کے لوگوں نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا۔ امام مسلمؒ نے لکھا ہے کہ کسی حاکم کا بھی ایسا استقبال نہ ہوا۔ لیکن کچھ عرصے بعد جب آپ کا درس سننے کے لئے حاضرین سے مسجد بھر جاتی اور لوگ قریب کے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ کر حدیث سنتے تو بعض حاسدین نے مسئلہ خلق قرآن کے بارے میں امام ذہلی اور آپؒ کے درمیان غلط فہمی پیدا کر دی، پھر اس مسئلے کو بہت اچھا لا گیا۔ اہل نیشاپور چونکہ امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے اس لئے وہ آپؒ سے بدگمان ہو گئے۔ جب آپؒ اس شہر سے واپس ہوئے تو ایک آدمی بھی ساتھ آنے والا نہیں تھا۔ نہ ایسا آتا دیکھا، نہ ایسا جانا دیکھا۔

خارا کا حاکم خالد بھی اس لئے آپؒ کا مخالف ہو گیا کہ آپؒ نے اس کے گھر جا کر اس کے بچوں کو پڑھانے سے انکار کر دیا تھا۔ آپؒ کو زبردستی خارا سے نکلنے پر مجبور کر دیا گیا۔ آپؒ سر قند جانا چاہتے تھے کہ وہاں کے علماء نے بھی آپؒ کو سر قند داخل ہونے سے منع کر دیا۔ چارونا چار آپؒ سر قند کے قریب اپنی خالہ کے ہاں قیام پذیر ہوئے اور باٹھ سال کی عمر میں 256 ہجری میں انتقال فرمایا۔

آپؒ کی وفات کے بعد آپؒ کی قبر مبارک سے کئی دن تک خوشبو آتی رہی۔ لوگ اس پر حیران ہوتے ہیں مگر فقیر کو کوئی حیرانی نہیں۔ رازیہ تھا کہ

جمال ہمیش درمن اثر کرد
وگرنہ من ہاں خاکم کہ مستم

{ میرے ساتھی کے حسن نے مجھ میں اثر کر دیا ہے ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو کہ تھی }

آپؐ سے نوے ہزار شاگردوں نے براہ راست صحیح بخاری پڑھی۔ آپؐ کی کتاب کا پورا نام الجامع الصحيح المسند من حدیث رسول اللہ ﷺ و سننہ و ایامہ ہے۔ آپؐ کو ہر مسلک کے علماء نے اپنی صف میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے مگر سچ یہی ہے کہ آپؐ مجتہد مطلق تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص صحیح بخاری کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔ علماء کا قول ہے :

فقه البخاری فی تراجمہ (امام بخاریؒ کی فقہ اس کے تراجم میں ہے)

امام بخاریؒ نے نہ تو امام ابو حنیفہؒ سے کوئی روایت لی نہ امام جعفر صادقؒ سے، نہ ہی امام شافعیؒ سے، البتہ امام مالکؒ سے پانچ روایات اور امام احمدؒ سے فقط دو روایتیں نقل کی ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ائمہ مجتہدین کی احادیث کو روایت کرنے والے لاکھوں ہیں۔ میں ان ثقہ راویوں سے روایت کروں جن کی روایات ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ تدمر میں ایک سو سے زائد شروح و حواشی اور متعلقات بخاری کا تذکرہ ہے سب سے زیادہ شہرت فتح الباری نے پائی۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے تھے کہ بخاری شریف کے پڑھنے سے قحط سالی دور ہوتی ہے اور قحط کے زمانے میں اس کے ختم کی برکت سے بارش کا نزول ہوتا ہے۔ ایک مہندس نے اس کو ایک سو بیس مرتبہ مختلف مقاصد کے لئے پڑھا اور ہر مرتبہ کامیابی ہوئی۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ صحیح بخاری کا پڑھنا امراض و مصائب، دشمنوں کے خوف و غلبہ کی گرانی کے وقت تریاق ہے۔

فقیر نے 28 مئی 1992ء مفتی اعظم سر قند اور دوسرے احباب کے ہمراہ خرنجک کا سفر کیا، جو سر قند سے 22 میل دور امام خٹاریؒ کی آخری آرامگاہ کا علاقہ ہے۔ وسیع و عریض سڑک کے دونوں طرف پھلوں کے باغات تھے۔ امام خٹاریؒ کا مزار قصبہ خرنجک کے شروع ہی میں واقع تھا۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو پہلے مزار پر جا کر ایصال ثواب کیا۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد جعفر صاحب سے فقیر نے عرض کیا کہ ہمیں یہاں پر خٹاری شریف میں سے کچھ احادیث سنائیں۔ مولانا نے جب احادیث سنائی شروع کیں تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ امام خٹاریؒ خود سامنے بیٹھے احادیث سنارہے ہیں۔ اکثر حاضرین پر گریہ طاری تھی۔ انوار و برکات کا نزول اس قدر تھا کہ الفاظ میں سمیٹنا مشکل ہے۔ وہ لمحے زندگی کی حسین یاد بن گئے۔

ایصال ثواب سے فراغت پر مسجد میں پہنچے تو مدرسہ امام خٹاری کے طلباء نے استقبال کیا۔ نماز کے بعد امام صاحب نے فقیر کو بیان کے لئے حکم دیا۔ فقیر نے علم کے عنوان پر ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں تقریر کی، مولانا عبد اللہ صاحب نے ترجمانی کی۔ امام عثمان خان بہت زیادہ متاثر ہوئے اور فرمایا کہ آپ تین دن ہمارے پاس مہمان ٹھہریں، فقیر نے قبول کر لیا۔ امام عثمان خان نے خصوصی مہمان خانہ کھلوایا جو حکومت نے اس لئے ہوا تھا کہ مختلف ممالک کے آنے والے سربراہ حضرات کے ٹھہرنے میں آسانی ہو۔ جماعت کے دوست مسجد میں ٹھہرے جب کہ فقیر کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ امام عثمان خان نے تین دن مہمان نوازی کی حد کر دی۔ فقیر اکثر اوقات امام خٹاریؒ کے مزار پر مراقبہ رہتا۔ جب فارغ ہوتا تو بیعت ہونے والے لوگوں کا مجمع لگا ہوتا۔ الحمد للہ تین دن میں امام عثمان خان اور نائب خطیب سمیت مدرسہ کے سب علماء و طلباء بیعت ہوئے۔ سینکڑوں زائرین اور خادم خانقاہ خدائے بردہ بھی بیعت ہوئے۔

امام بخاریؒ کے مزار کے قریب ہی قرآن مجید کی ایک لائبریری بنی ہوئی تھی۔ جس میں مختلف ممالک کے پرنٹ شدہ قرآن مجید موجود تھے۔ ایک نسخہ جزل ضیاء الحق شہید کی فرمائش پر وہاں رکھا گیا تھا۔ امام عثمان خان نے کہا کہ حضرت آپ بھی ایک نسخہ پاکستان سے منگوادیں تو ہم یہاں رکھیں گے۔ تاکہ آپ کی یاد آتی رہے۔ فقیر نے جناب یعقوب تابانی کی وساطت سے ایک نسخہ خوبصورت لکھائی والا منگوایا اور ان کو بھیج دیا۔

دوسرے اور تیسرے دن قریبی پہاڑی علاقوں سے علماء اور صلحاء و فود کی شکل میں آکر سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوتے رہے۔ مولانا عبداللہ حیران تھے کہ ان لوگوں کو کون اطلاع دیتا ہے۔ جو اس طرح دیوانہ وار چلے آتے ہیں۔ امام عثمان خان نے ایک مرتبہ کہا کہ حضرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ یہاں پر ثم یوضع له القبول فی الارض (پھر زمین میں ان کے لئے قبولیت رکھ دی) والا معاملہ کیا ہے۔

ایک یادگار مراقبہ :

قیام کے تیسرے دن فقیر تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد امام بخاریؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ آج بخارا کے لئے سفر کا ارادہ ہے باقی سب دوستوں سے مل لیا۔ امام صاحب کی خدمت میں بیٹھ کر مراقبہ کریں تاکہ ان کے مرقد پر جو انوار برس رہے ہیں، اس میں سے ہمیں بھی حصہ مل جائے۔ جب مراقبہ ہوئے تو حالت ایسی ہوئی کہ اپنے آپ پر کنٹرول نہ رہا۔ ایک گھنٹے کا وقت کس کیفیت میں گزر ا وہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ اس مراقبہ کے بعد حدیث رسول ﷺ کے ساتھ دل میں محبت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ یوں محسوس ہوا کہ امام بخاریؒ کے قلب سے ایک نور نکل کر فقیر کے قلب میں داخل ہوا۔ پورے سفر کے دوران اس کی برکات

محسوس ہوتی رہیں۔

خارا ایک تاریخی شہر :

تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خارا محض چند صدیاں پرانا شہر نہیں یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے بھی تین سو تیس سال پرانا ہے۔ جب اسکندر اعظم یہاں سے گزرا یہ اس وقت بھی تجارت و ثقافت کا اہم مرکز تھا۔ ابتداء میں یہاں بدھ مت سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد تھے۔ انہوں نے اپنی عبادت گاہ کا نام ویسارہ رکھا جو وقت کے ساتھ ساتھ بے خارہ اور پھر خارا بن گیا۔ اسی نام سے یہ شہر مشہور ہوا۔ آٹھویں صدی تک یہ شہر زرتشت مذہب والوں کا اہم مرکز تھا۔ جب 711ء میں محمد بن قاسم حیرہ عرب پار کر کے سندھ میں داخل ہوئے عین اسی وقت ایک عرب جرنیل قتیبہ بن مسلم، آمودریا پار کر کے وسط ایشیا میں داخل ہوئے۔ دو برس کے اندر خارا اور سرقد کو فتح کرتے ہوئے مشرق میں سکلیانگ اور کاشغر تک پہنچ گئے۔ یہ اس علاقے کی فوجی فتح تھی، ورنہ دین اسلام تو یہاں بہت پہلے حضرت قثم بن عباسؓ اور حضرت سعید بن عثمانؓ کے ذریعے سے آچکا تھا۔

زرافشاں دریا پار کر کے جب مضافات میں ہم پہنچے تو دو بڑے بڑے میناروں کے درمیان میں ایک بڑا دروازہ نظر آیا۔ خارا کے چار دروازوں میں سے چھاپا یہ آخری دروازہ تھا۔ ساتھ ہی سمار شدہ دیوار کا تھوڑا سا حصہ بھی نظر آتا تھا۔

نویں صدی ہجری میں خارا سامانی سلطنت کا دار الحکومت تھا، جس کی سرحدیں افغانستان میں ہرات تک اور ایران میں اصفہان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس وقت خارا کی آبادی تین لاکھ تھی اور اس شہر میں اڑھائی سو دینی مدرے تھے۔ جہاں یمن اور اندلس جیسے دور دراز مقامات سے بھی طالب علم اپنی علمی پیاس چھانے آتے تھے۔

خارا اس وقت فقط دینی مرکز ہی نہیں تھا بلکہ سائنس اور دوسرے علوم کا مرکز بھی تھا۔ سامانی حکمران کے کتب خانے میں 45 ہزار کتابیں تھیں۔ اس زمانے میں خارا بغداد کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔

اسی کتب خانے سے حسین ابن عبداللہ ابن سینا نے فیض پایا۔ ابن سینا نے سب سے پہلے ارسطو کا ترجمہ عربی میں کیا۔ پھر ایک کتاب القانون لکھی۔ جو آج تک علم طب کی انسائیکلو پیڈیا مانی جاتی ہے۔

مدرسہ میر عرب :

ہم لوگ جب خارا پہنچے تو ہمارا کسی سے تعارف نہیں تھا۔ بس اتنا پتہ تھا کہ یہاں پر ایک مدرسہ میر عرب ہے جس کے ساتھ مسجد امام بخاری ہے۔ جہاں امام بخاریؒ کسی دور میں حدیث پاک کا درس دیتے تھے۔ میر عرب مدرسہ کا نام شروع میں امیر عرب کے نام پر تھا، مگر تین سو سال میں یہ میر عرب کے نام سے مشہور ہو گیا۔ میر عرب مدرسہ کے بلند وبالا دروازے پر یہ حدیث پاک لکھی ہوئی ہے

من كان في طلب العلم كانت الجنة في طلبه

(جو شخص علم کی تلاش میں ہوتا ہے، جنت اس کی تلاش میں ہوتی ہے)

اس مدرسہ میں تقریباً دو سو طلباء کے ٹھہرنے کا انتظام تھا۔ یہ دو منزلہ خوبصورت مدرسہ روسی انقلاب کے ہاتھوں سے چارہا۔ اب یہ ازبکستان کے بڑے مدارس میں سے ایک مدرسہ ہے۔ جب ہم لوگ مدرسہ میں پہنچے تو جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے وہاں چھٹی تھی۔ طلباء گھروں کو جا چکے تھے، البتہ کچھ اساتذہ موجود تھے۔ ان سے تعارف ہوا تو انہوں نے پہلے تو چائے سے ضیافت فرمائی پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ آج جمعہ کا خطبہ امام بخاریؒ مسجد میں آپ ہی دیں۔

مسجد امام بخاری کا یادگار خطبہ :

نماز کا وقت قریب ہو چکا تھا۔ ہم لوگ مدرسہ کے سامنے بنی ہوئی بالائے حوض مسجد میں آگئے۔ اس مسجد میں کم و بیش 50 ہزار آدمی نماز پڑھ سکتے تھے۔ اس کی تعمیر اس انداز سے کی گئی تھی کہ بغیر سٹیکر کے تقریر کی جائے تو بھی آواز دیواروں سے ٹکراتی بل کھاتی حاضرین کے کانوں تک پہنچ جاتی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے امام خطیب مولانا جان محمد کے کمرے میں بیٹھے۔ امام صاحب پاکستان کے حالات کے متعلق سوال کرتے رہے پھر انہوں نے مولانا عبداللطیف صاحب سے تعارف کروایا کہ یہ عالم اس وقت وفاق المدارس از بھٹان کے صدر ہیں اور چوں کا امتحان لینے کے لئے آئے ہوئے ہیں۔ ہمارا ارادہ تھا کہ مولانا جمعہ کا خطبہ دیں لیکن جب مولانا نے آپ کا چہرہ دیکھا تو کہنے لگے کہ آج کا خطبہ یہ شیخ دیں گے، میں ان کی ترجمانی کروں گا۔

جب خطبہ کے لئے مسجد میں آئے تو مسجد نمازیوں سے کھپا کھچ بھری ہوئی تھی۔ فقیر نے قرآن مجید کی عظمت کے عنوان پر جب آیات پڑھیں اور قرآن مجید کو اپنے سر پر رکھا کہ یہ بار امانت ہے تو حاضرین پہ سکتہ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ مولانا عبداللطیف صاحب فقیر کے چہرے کو اتنے غور سے دیکھ رہے تھے کہ جیسے انہیں تلاشِ سیار کے بعد کوئی ہستی ملی ہو۔ میان اس قدر پر تاثیر تھا کہ سامعین پر گریہ طاری تھا۔ مولانا عبداللطیف صاحب بڑے جوش و خروش سے ترجمہ کر رہے تھے، رو بھی رہے تھے اور رلا بھی رہے تھے۔ قرآن مجید سینوں میں اپنا راستہ خود مہارہا تھا۔ فقیر نے عربی کا خطبہ پڑھا تو سونے پہ ساگے والا کام ہو گیا۔ نماز جمعہ کے بعد ایک عربی نوجوان نے فقیر کو گلے سے لگا کر کہا ”آپ نے ہمیں امام بخاری کا زمانہ یاد کروادیا۔“ ایک تو بک نوجوان روتے ہوئے آگے بڑھا اور اس نے فقیر کو اس زور سے سینے سے

لگایا کہ تھوڑی دیر کے لئے سانس لینا مشکل ہو گیا۔ پھر کہنے لگا کہ ”آپ نے اہل عتارا کے دل جیت لئے۔“ فقیر ہجوم کی کثرت کی وجہ سے پسینے میں شرابور تھا۔ مولانا جان محمد نے چند نوجوانوں کو اشارہ کیا تو انہوں نے فقیر کو اپنے حصار میں لے کر لوگوں سے کہا کہ فقط مصافحہ کریں۔ الحمد للہ سب حاضرین سے مصافحہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ناظم مدرسہ میر عرب نے کہا کہ حضرت! دوپہر کا کھانا تیار ہے، آپ جلدی تشریف لے چلیں۔

جب ناظم صاحب کے گھر پہنچے تو انہوں نے اندازاً پچاس آدمیوں کے کھانے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔ ترکی کے ایک عالم جو کوٹ پتلون پہنے ہوئے تھے اور چہرے پر سنت سے بھی محروم تھے وہ فقیر کے قریب بیٹھ گئے۔ ناظم صاحب نے فقیر کا تعارف حاضرین محفل سے کروایا۔ مدرسہ میر عرب کے ناظم امور اقتصادیات اور ناظم تعلیمات بھی آئے ہوئے تھے۔ ترکی عالم نے فقیر سے پوچھا کہ آپ کا تعارف کیا ہے؟ اس سے پہلے فقیر جواب دیتا مولانا عبداللطیف صاحب بول اٹھے۔ ہو رئیس النقشبندیین فی العالم (یہ پوری دنیا کے نقشبندیوں کے سرادر ہیں) ترکی عالم اس جواب کو سن کر ششدر رہ گئے اور پھر کہنے لگے فی پاکستان او فی العالم (پاکستان میں یا پوری دنیا میں) مولانا نے کہا کہ فی العالم لا ریب فیہ (پوری دنیا میں، اس میں کوئی شک نہیں ہے)۔

فقیر اپنے دل میں اپنے آپ کو ملامت کر رہا تھا کہ تیری حالت اتنی خراب مگر تیرے پروردگار کا تجھ پر اتنا کرم، اب تو چاہئے کہ تو اپنے رب کے نام پر قربان ہو جا، دل سے جواب آیا:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے

تجھ پر سب گھر بار لٹادوں خانہء دل آباد رہے
 سب خوشیوں کو آگ لگا دوں غم سے ترے دل شاد رہے
 سب کو نظر سے اپنی گردوں تجھ سے فقط فریاد رہے
 اب تو رہے بس تادم آخر ورد زباں اے میرے الہ
 لا الہ الا اللہ ، لا الہ الا اللہ

بحری کا گوشت اتنی مہارت سے بھونا گیا تھا کہ سب حاضرین اس کی خوشبو سے
 بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔ اہل خانہ نے کہا نہ کھانا تناول فرمائیں۔ سب حضرات نے
 مزے لے لے کر کھانا کھایا۔

شیخ حار ایشہ بابا سے ملاقات :

دعوت سے فراغت پر مسجد کلاں میں مولانا جان محمد صاحب کے پاس واپس
 آئے۔ مولانا نے بتایا کہ میرے پیرومرشد اس وقت حار کے تمام علماء و صلحاء کے پیر
 ہیں، اس لئے ان کو شیخ حار اکھا جاتا ہے۔ ان کا نام تو حضرت کامل خان ہے مگر وہ تیشہ بابا
 کے نام سے معروف ہیں، میں نے انہیں فون کر دیا ہے، وہ ابھی تشریف لانے والے
 ہیں۔ پچھلے برس سال سے حار کی روحانی دنیا میں ان کا راج ہے اور وہ اس وقت
 نقشبندیہ سلسلہ کے ”شاہ دوراں“ ہیں۔ یہ باتیں سن کر فقیر کے دل میں اور زیادہ
 اشتیاق بڑھ گیا۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ حضرت تیشہ بابا تشریف لائے۔ فقیر کو بڑی
 گرجوٹی سے ملے۔ تعارف کے بعد فرمانے لگے کہ میں نے رات خواب میں دیکھا کہ
 ایک نور میرے گھر میں داخل ہو رہا ہے، میں حیران تھا کہ اس کی تعبیر کیا ہوگی۔ اب
 آپ سے ملاقات کے بعد دل میں خیال آیا ہے کہ وہ نور آپ ہیں۔ آپ مہربانی فرمائیں
 اور میرے گھر تشریف لے چلیں، میں اپنے سلسلہ عالیہ کے تمام بزرگوں کے

مزارات کو جانتا ہوں، آپ کو ساتھ لے کر جاؤں گا۔ فقیر تو پہلے ہی بیتاب تھا کہ اکابر کے مزارات پر حاضری کیسے دے؟ یہ سن کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ فقیر نے کہا جیسے حکم ہو فقیر حاضر ہے۔

مسجد کلاں سے روانہ ہو کر حضرت تیشہ بابا کے گھر پہنچے۔ وہاں کچھ ذاکرین حضرات پہلے سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ شروع میں چائے کا دور چلا۔ اس سے فراغت پر نماز عصر ادا کی گئی۔ نماز عصر کے بعد کچھ علماء تشریف لے آئے۔ انہوں نے فقیر سے سلسلہ عالیہ کے متعلق باتیں پوچھنی شروع کر دیں۔ فقیر ان کی خدمت میں جواب عرض کرتا رہا۔ حضرت تیشہ بابا خاموشی سے سارا منظر دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔

اسی اثناء میں الحاج مختار امام خطیب مسجد شاہ نقشبند تشریف لائے۔ ان سے جب تعارف ہوا تو انہوں نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے متعلقہ سوالات پوچھنے شروع کر دیئے۔ بات چلتے چلتے سلوک نقشبندیہ سے سلوک مجددیہ تک پہنچی۔ فقیر نے جب سلسلہء کلام ختم کیا تو حاجی مختار نے کہا حضرت! ہم جن معنیوں کو سلجھاتے ہوئے عمر گزار رہے تھے آپ نے تھوڑی دیر میں ان کو ایسا کھول دیا ہے کہ کوئی اشکال بھی باقی نہ رہا۔ یہ محفل مغرب سے عشاء اور عشاء کے بعد آدمی رات تک چلتی رہی۔ جب تھکاوٹ کی وجہ سے سب کو نیند آنے لگی تو حضرت تیشہ بابا نے محفل درخواست کرنے کی دعا کروادی۔

رات کو سونے کے لئے حضرت تیشہ بابا فقیر کو اپنے گھر کے اندر ایک کمرے میں لے گئے اور فرمایا کہ آپ یہاں سوئیں گے۔ فقیر پہلے ہی تھکا ہوا تھا مگر نیند سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو وضو کے لئے کمرے سے باہر نکلا۔ کیا دیکھا کہ سخت سردی کے باوجود حضرت تیشہ بابا دروازے پر چارپائی بچھا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ جی آپ

کمرے میں کیوں نہیں آجاتے؟ فرمانے لگے کہ آپ کمرے میں آرام فرما رہے تھے اور میں یہاں دربان بن کر بیٹھا تھا۔ یہ کہہ کر فقیر سے لپٹ گئے اور فرمانے لگے کہ آپ کے پاس جو کچھ ہے اس میں سے ہم فقیروں کو بھی کچھ حصہ عطا ہونا چاہئے۔ فقیر نے کہا کہ آپ تو خود اتنے بڑے شیخ ہیں۔ جب فقیر نماز تہجد سے فراغت پر مراقبہ کے لئے بیٹھے تو حضرت تیشہ بابا فقیر کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے۔ فقیر سے فرمانے لگے کہ میرے لطائف تازہ کر دیں، میں نے مراقبہ معیت تک کے اسباق اپنے شیخ سے کئے تھے۔ اب آپ میرے شیخ ہیں، مجددی اسباق آپ طے کرواد دیجئے۔ یہ کہہ کر حضرت تیشہ بابا نے رونا شروع کر دیا۔ آنسوؤں کی ایسی مالا ٹوٹی کہ ختم ہونے پہ آتی ہی نہیں تھی۔ فقیر خود بھی آبدیدہ ہوا۔ بہت دیر تک ہم دونوں روتے رہے، بالآخر فقیر نے انہیں بیعت کے کلمات پڑھا کر اسباق شروع کروادے۔

مسجد ابو حفص کبیر:

صبح ناشتے کے بعد ہم لوگ مسجد ابو حفص کبیر میں آگئے۔ ابو حفص کبیر، امام محمدؒ کے ہونمار شاگردوں میں سے تھے۔ یہ مسجد ان کی یاد میں بنائی گئی تھی۔ اس مسجد کے قریب ہی ایک ٹیلے پر آرام فرما رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی اولاد میں سے بارہ مشائخ بھی مدفون ہیں۔ فقیر نے حاضری دے کر سب حضرات کے لئے ایصال ثواب کیا۔ امام مسجد نے پینے کے لئے چائے اور کھانے کے لئے شہتوت پیش کئے۔ کچھ دیر میں ملاقات کرنے والے حضرات نے آنا شروع کر دیا۔ اب حضرت تیشہ بابا دامت برکاتہم خود ہی فقیر کا تعارف کروادیتے اور یوں فقیر کے لئے آسانی ہو گئی۔ مولانا عبداللہ کی خوشی کی انتہاء نہیں تھی۔ جب تیشہ بابا نے انہیں بتایا کہ میں نے بھی اس شیخ سے تہجد بیعت کر لی ہے تو مولانا عبداللہ پر گریہ طاری

ہو گیا اور وہ بہت دیر تک روتے رہے۔ خمارا کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ خاموش بیٹھے بیٹھے فقیر کے چہرے کو دیکھتے رہتے۔ اتنے پیار اور ادب کی نگاہوں سے شاید کم ہی لوگوں نے فقیر کو دیکھا ہوگا۔

حضرت تیشہ بابا نے فقیر کو بتایا کہ دو گاڑیاں ہمیں مزارات مشائخ پر لے جانے کے لئے آچکی ہیں، لہذا چلنا چاہئے، زیارات کے لئے کافی وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔
حضرت سید امیر کلال:

دو گاڑیوں میں خمارا سے روانہ ہوئے اور سب سے پہلے سید امیر کلال کے مزارِ انوار پر حاضر ہوئے۔ مزار ایک عام قبرستان میں واقع ہے، کیمونسٹوں نے اس قبرستان میں کھیتی باڑی شروع کر دی تھی۔ فقیر جب حاضر ہوا تو دیکھا کہ چند قبور جو بڑے بڑے چوتروں پر بنی ہوئی تھیں فقط وہ ملامت رہیں، باقی جگہ پر فصل کاشت کی ہوئی تھی۔ قبر کے قریب کھڑے ہونے کے لئے فقط تھوڑی سی جگہ تھی۔ ایصالِ ثواب کے بعد مراقبہ کیا گیا۔

حضرت کعب احبار:

آپ کا مزار مبارک ایک ٹیلے پر واقع ہے۔ قبر مبارک کئی میٹر لمبی مٹی مٹی گئی ہے۔ مردِ زمانہ کی وجہ سے ارد گرد کی ہر چیز اجڑی اجڑی دکھائی دے رہی تھی۔

کیمونسٹوں نے اس ٹیلے پر جانے والی سیڑھیوں کو بھی توڑ دیا تھا۔ مزار کے متصل بنی ہوئی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھ کر احباب کے لئے خصوصی دعائیں کی گئیں۔ نیچے اترے تو حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ یہاں پر ایک کنواں ہے جس کا پانی بہت خوش ذائقہ اور بہت ٹھنڈا ہوتا ہے، ہمارے اکابرین جب بھی یہاں آتے تھے تو اس کنویں سے پانی پیتے تھے۔ ہمیں بھی اشتیاق ہوا۔ چنانچہ جب پانی پیا تو واقعی لطف ہی آگیا، لگتا

تھاجام شیریں پی لیا ہے۔

قصر عارفان کی پر شکوہ عمارت :

خدارا سے تقریباً 20 کلو میٹر دور قصر عارفان کی پر شکوہ عمارت دور سے ہنسی مسکراتی دکھائی دیتی ہے۔ مشہور ہے کہ اس کا نام شروع میں قصر ہندواں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت خواجہ بابا ساسیؒ اور حضرت سید امیر کلالؒ یہاں پر تشریف لائے۔ میزبان اپنے ننھے منے بچے کو اٹھا کر لایا تاکہ یہ حضرات اس کی نیک بختی کی دعا کریں۔ حضرت خواجہ بابا ساسیؒ نے دیکھا تو سید امیر کلالؒ سے فرمایا کہ میں اس بچے میں سعادت کے آثار دیکھ رہا ہوں، اگر میں زندہ رہا تو اس کی تربیت میں کروں گا اور اگر میری زندگی نے وفات کی تو اس کی تربیت آپ کرنا۔ یہ چھ بڑا ہو کر ہمارے سلسلے کا شیخ بنے گا اور مجھے امید ہے کہ اس کی وجہ سے قصر ہندواں کو قصر عارفان کہا جائے گا۔ حضرت خواجہ بابا ساسیؒ کا کشف صحیح ثابت ہوا اور آج اس جگہ کو قصر عارفان کہا جاتا ہے۔

جب ہم قصر عارفان پہنچے تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی۔ نماز کے بعد امام خطیب حاجی مختار سے ملاقات ہوئی، حاجی مختار اپنے حجرے میں لے گئے اور پر تکلف ضیافت کی۔ پھر پوچھا کہ آپ کا پروگرام کیا ہے۔ فقیر نے کہا کہ ایک ہفتہ خٹار اور گرد و نواح کے لئے مخصوص کیا ہے۔ حاجی مختار ہنس کر کہنے لگے کہ اگر ایک مہینہ بھی ہوتا تو کم تھا۔ پھر انہوں نے پرانے وقتوں کی باتیں سنائی شروع کر دیں۔ کمیونسٹ لوگ اپنے دور میں کسی آدمی کو اس مزار پر آنے نہیں دیتے تھے۔ مسجد کو گودام کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ ایک پولیس والا ہر وقت پہرہ دیتا۔ اگر کسی کو اس طرف آتے دیکھتا تو پکڑ کر جیل میں بھیج دیتا۔

کافی دیر تک یہ باتیں سننے کے بعد فقیر نے عرض کیا کہ اجازت ہو تو مزار شریف پہ حاضری دی جائے۔ حاجی مختار نے فرمایا کہ ہم مسجد و خانقاہ کی مرمت کروا رہے ہیں، جب کام مکمل ہو گیا تو ہم آپ کو دعوت دیں گے کہ اپنے مریدین کو لے کر آئیں اور خانقاہ کو سنبھالیں۔

فقیر اپنے احباب کے ہمراہ مزار شریف پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ ایک بڑا چوترا سا بتا ہوا ہے۔ الحمد للہ جی بھر کر مراقبہ کیا، اپنے پہلے سبق سے لے کر دائرہ لاتعین تک کے اسباق کو شاہ نقشبند کے سامنے اس طرح دہرایا جس طرح کسی بڑے معلم کے سامنے ایک چھوٹا نادان چہ الف با سنا کر خوش ہو جاتا ہے۔

خدا یا یہ تیرے پر اسرار بندے :

دعا سے فراغت پر ایک شخص مولانا عبداللہ سے سرگوشیاں کرنے لگا۔ مولانا نے فقیر سے کہا کہ حضرت! ماوراء النہر کے صوفیا کی ایک جماعت مسجد میں بیٹھی ہے، آپ سے ملاقات کی منتظر ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ ان حضرات کو فقیر کے متعلق کس نے بتایا؟ مولانا عبداللہ نے کہا، خدا جانے۔ فقیر نے کہا، چلو ان کو بیس بلا لیں۔ تقریباً 21 صوفیاء پر مشتمل پر انوار چہرے سر سے پاؤں تک سنت سے آراستہ، پیشانیوں پر سجد کے نشان، چہروں پر تواضع کے آثار، رخساروں پر ذکر کی تازگی، اکثر کی عمریں چالیس اور ساٹھ کے درمیان، یہ حضرات اتنے وقار سے چلتے ہوئے آئے کہ دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جب ان صاحب دل حضرات نے فقیر کو دیکھا تو فرط محبت میں سینے سے لپٹنے کی جائے چپک گئے۔ جی بھر بھر کے ملے، حتیٰ کہ فقیر تھک گیا۔ بیٹھنے کے بعد ان کے امیر نے بتایا کہ ہم لوگ کچھ عرصہ پہلے ایک شیخ سے منسلک تھے۔ ان کی وفات کے بعد حیران و سرگرداں پھرتے تھے کہ اب ہمیں رہبر و رہنما کیسے

ملے؟ مدتوں استخارے کئے، دعائیں مانگیں، بالآخر ہم نے پروگرام بنایا کہ شاہ نقشبندؒ کے مزار پر حاضری دے کر اپنی حاجت کے بارے میں دعا مانگتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر جب آپ کو چند احباب سمیت مراقبے میں بیٹھے ہوئے دیکھا تو دل نے کہا کہ دل کی کشتی اسی شیخ کے حوالے کر دینی چاہئے۔ اب ہم سب بیعت کے لئے حاضر ہیں، ہم بہت دور سے آئے ہیں، بہت دیر سے آئے ہیں، ہمیں قبول فرمائیے۔ فقیر ان کے اصرار کو رد نہ کر سکا اور سوچا کہ ممکن ہے ان حضرات میں سے کوئی نہ کوئی فقیر کے لئے قیامت کے دن کی تحشش کا ذریعہ بن جائے۔ لہذا ان سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھائے۔ ایک طرف شاہ نقشبند کا مزار پر انوار دوسری طرف حاضرین محفل کے چمکتے ہوئے نورانی چہرے، عجیب نظارہ تھا، بیعت کے بعد مراقبہ کرواتے ہوئے توجہ دینے کا مزہ ہی آگیا۔ جس طرح خوبصورت برتن میں دودھ ڈالتے ہوئے خوشی ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات کو توجہ دیتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ مراقبہ سے فراغت پر ان حضرات نے اپنے ایڈریس مولانا عبداللہ کو دیئے اور اشکبار آنکھوں سے رخصت ہوئے۔

جب یہ جماعت فارغ ہوئی تو زائرین بڑی تعداد میں جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی بیعت ہونے کا مطالبہ کیا مسجد کے مؤذن عبدالواحد صاحب بھی بیعت کے متمنی تھے، چنانچہ دوسری مرتبہ پھر سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھائے۔ جب فقیر ان حضرات کو سلسلہء عالیہ کے معمولات کے بارے میں بتا رہا تھا تو چند لڑکیوں کا گروہ کہیں سے آ نکلا۔ انہوں نے اشارے سے مولانا عبداللہ کو بلایا اور کافی دیر ان سے سوالات پوچھتی رہیں۔ جب فقیر بیعت کے عمل سے فارغ ہوا تو مولانا فقیر کے پاس آ بیٹھے اور کہنے لگے عجیب، عجیب، ساتھ ہی سر بھی ہلانے لگے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! کیا ہوا؟ بتانے لگے کہ لڑکیوں کا گروہ ترکمانستان سے آیا ہے، پہلے تو ان سب

نے مجھے بلا کر آپ کے بارے میں عجیب و غریب تاثرات پیش کئے اور پھر بیعت کی درخواست کی۔ فقیر نے پوچھا کہ انہوں نے کیا تاثرات بیان کئے؟ مولانا نے کہا کہ ایک کہہ رہی تھی کہ یہ شخص اگر کسی مجمع میں ہو تو سب نگاہیں اس کے چہرے پر لگی رہیں گی۔ دوسری نے کہا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر سکون مل رہا ہے۔ ایک نے کہا کہ اس کے چہرے کو دیکھ کر بغیر ہٹائے پتہ چلتا ہے کہ یہ کوئی مسیحا ہے۔ ایک پیچھے کھڑی ہوئی لڑکی نے کہا کہ مجھے تو یہ شاہ نقشبندؒ کا بیٹا لگ رہا ہے۔ ان لڑکیوں کی گروپ لیڈر نے کہا کہ میری درخواست اس شیخ تک پہنچا دیں کہ یہ واپس جانے کی بجائے اب یہیں قصر عارفان میں قیام کریں تاکہ ان کو دیکھ کر ہمارے ایمان تازہ ہوتے رہیں، کیونکہ ہم نے ہمارے دلوں کو سیاہ کر دیا ہے، ایسے لوگوں کو دیکھ کر خدا یاد آتا ہے اور دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

فقیر نے مولانا عبد اللہ کی وساطت سے ان لڑکیوں کو بیعت کے کلمات پڑھائے، البتہ مراقبہ اور وقوف قلبی کی تفصیل مولانا عبد اللہ نے روسی زبان میں ان کو بتادی۔

عشاء کی نماز سے فراغت پر کھانا کھا کر ہم لوگ گہری نیند سو گئے۔ تہجد کے وقت چند نفلیں پڑھ کر فجر تک شاہ نقشبندؒ کے مزار پر مراقبہ کیا۔ نماز فجر کے بعد حجرے میں بیٹھے تھے کہ امام خطیب خلاف معمول جلدی تشریف لے آئے۔ فقیر کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ آپ کا چہرہ اس وقت متمار ہا ہے۔ لگتا ہے رات کو شاہ نقشبندؒ کی خاص نسبت کا آپ پر اثر ہوا ہے۔ آپ میرے قلب پر بھی توجہات ڈالیں۔ فقیر نے لطیفہ قلب پر انگلی لگا کر نشاندہی کر دی۔ پھر تو خطیب صاحب پر ایسی مستی چڑھی کہ سبحان اللہ۔ اگلے دن ہمیں غجدان آنا تھا لہذا قصر عارفان سے غمزدہ دل اور پر نم آنکھوں کے ساتھ دن کو 12 بجے روانہ ہوئے۔

خواجہ جہاں کے دیس میں :

حضرت خواجہ عبدالحق غجدائی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے نمایاں بزرگوں میں سے گزرے ہیں۔ آپ حضرت امام مالکؒ کی اولاد سے تھے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنی قبولیت عطا فرمائی تھی کہ لوگ ”خواجہ جہاں“ کے لقب سے پکارتے تھے۔ آپ کو حضرت خضر علیہ السلام نے ایک سبق تلقین فرمایا تھا جو ہمارے سلسلہ کا مکھن کہلاتا ہے اور اس کا نام تہلیل خفی یعنی جس دم کا ذکر ہے۔ آپ کے شش کلمات سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی بنیاد بنے ہیں۔ خلوت و راجحمن، سفر و وطن، نظر بر قدم، ہوش و دم وغیرہ اصطلاحات آپ نے جاری کیں۔

ہم لوگ دن کے 1 بجے غجدوان پہنچے۔ شہر میں داخل ہوتے ہی فقیر نے دو تین آدمیوں سے پوچھا کہ ہمیں حضرت خواجہ عبدالحق غجدائیؒ کے مزار پر جانا ہے۔ لوگوں نے لا علمی کا اظہار کیا، جب چوتھے آدمی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ بزرگ یہاں پر خواجہ جہاں کے لقب سے معروف ہیں اور فلاں جگہ ان کی مسجد ہے۔ جب مسجد پہنچے تو نماز ادا کی۔ مولانا عبد اللہ حجرے میں جا کر امام خطیب کو ملے اور فقیر کا تعارف کروایا۔ امام صاحب فقیر سے ملنے مسجد میں آئے تو انہوں نے کوٹ پتلون پہنی ہوئی تھی۔ چہرہ بھی سنت سے محروم تھا۔ بڑے فخر سے کہنے لگے کہ مجھے ایک تقریب میں جانا ہے، جہاں مقامی انتظامیہ سمیت تقریباً 500 لوگ موجود ہیں، آپ میرے ساتھ چلیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہم یہاں مسجد میں بیٹھیں تو زیادہ بہتر ہے۔ فرمانے لگے کہ نہیں آپ لوگ ضرور میرے ساتھ چلیں۔ وہ انتظامیہ کو جملنا چاہتے تھے کہ دیکھو مجھے ملنے کے لئے کیسے کیسے لوگ آتے ہیں۔ خطیب صاحب کے اصرار کو دیکھتے ہو۔ نتیجہ نے ساتھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ایک بڑے ہوٹل کے سامنے کی وسیع و

عریض جگہ پر لوگ ٹولیوں کی شکل میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے، پینے پلانے کا سلسلہ چل رہا تھا، نیم عریاں لباس میں روسی لڑکیاں لوگوں کو جام پہ جام بھر کر دے رہی تھیں اور درمیان میں ایک مائیک کا ہند و بست تھا جس پر چند لوگ موسیقی جا کر گانا گا رہے تھے۔ فقیر نے خطیب صاحب سے کہا کہ ہم لوگوں کا اس محفل سے کیا واسطہ، ہمیں واپس جانے دیں، مگر خطیب صاحب اپنی ضد پر قائم رہے اور ہمیں مشکل امتحان میں ڈال دیا۔

ابھی کھڑے کھڑے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ظاہر ہوئی، گانے جانے کی آواز بند ہو گئی اور ایک صاحب نے خطیب صاحب کو آواز دے کر کہا کہ آپ کے ساتھ آنے والے لوگ اگر کچھ کتنا چاہیں تو مائیک پر تشریف لے آئیں۔ فقیر ذہنی طور پر اس کے لئے تیار تو نہیں تھا مگر دل میں خیال آیا

میر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

فقیر نے مائیک پر آکر خطبہ پڑھا اور عربی زبان میں بیان شروع کیا۔ مولانا عبد اللہ ترجمانی کر رہے تھے۔ فقیر نے سامعین کو بتایا کہ آپ کے شہر میں خواجہ جہاں جیسی عظیم ہستی گزری ہے، ان کی زیارت کے لئے ہم لوگ ہزاروں میل کا سفر کر کے آئے ہیں۔ یہاں سے بات چلتے چلتے اہل اللہ تک پہنچی اور پھر محبت الہی کا موضوع چل نکلا۔ مضمون ایسا بن گیا کہ گویا حاضرین محفل پلک جھپکے بغیر فقیر کو دیکھتے چلے جا رہے تھے، سب ٹولیوں کے رخ فقیر کی طرف مڑ گئے تھے، راستہ چلنے والے لوگ بھی کھڑے ہونے لگ گئے، ٹریفک بند ہو گئی، خاموشی ایسی تھی کہ جیسے ہوا بھی بند ہو گئی ہو، فقیر کی آواز گونج رہی تھی، قرآن اپنا اثر دکھا رہا تھا، حاکم وقت ایسی توجہ سے بات سن رہا تھا جیسے اسے کوئی افسر کسی بات پر مدح و تحسین دے رہا ہو۔ فقیر نے تقریباً آدھا گھنٹہ بیان کر

کے دعا کروائی تو ہر طرف سے سلام و پیام کی آوازیں آنے لگیں۔ انتظامیہ نے اپنی روایت کے مطابق فقیر کو ایک خوبصورت پوشاک بھی پہنائی۔ خطیب صاحب کو بھی ہر طرف سے واہ واہ ملی تو ان کا رویہ فقیر کے ساتھ بھی اپنوں جیسا ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ آپ لوگ میرے گھر پر قیام فرمائیں گے۔

خفیہ ایجنسی کی ہیبت :

رات کا قیام امام صاحب کے گھر پہ رہا۔ کھانے کے دوران ایک صاحب فقیر کو بار بار غور سے دیکھے جا رہے تھے۔ جب فقیر نے اسے نگاہ بھر کر دیکھا تو وہ کہنے لگے کہ میں اس شر کی خفیہ پولیس میں کام کرتا ہوں، آپ نے آج کے بیان میں لوگوں کو بہت متاثر کیا، میں کچھ وقت آپ کے ساتھ رہوں گا۔ کھانے کے بعد کچھ دیر سلسلہ عالیہ کے بزرگوں کے متعلق بات چیت ہوتی رہی۔ رات بارہ بجے محفل برخواست ہوئی تو ہم لوگ نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

اگلے دن نماز جمعہ کا خطبہ فقیر نے دیا۔ خطیب صاحب نے تقریباً آدھا گھنٹہ فقیر کا تعارف کرانے میں لگایا۔ جمعہ کے بعد لوگ بیعت کے لئے اکٹھے ہو گئے۔ مجمع کے لوگ خائف سے نظر آرہے تھے۔ جب فقیر نے مولانا عبد اللہ سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے تو انہوں نے اشارہ کیا کہ خفیہ پولیس کے اس آدمی کی وجہ سے۔ جب فقیر نے دیکھا تو وہی رات والا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ فقیر نے اس کو اشارہ کر کے اپنے قریب بٹھالیا۔ جب اہل محفل نے دیکھا کہ وہ صاحب فقیر کے قریب آکر بیٹھ گئے ہیں تو ان کا خوف دور ہو گیا۔

ہمیں بھی پہچانو :

جب بیان شروع ہوا تو مولانا عبد اللہ نے ازبک زبان میں ترجمہ کرنا شروع کر

دیا۔ دو حضرات جن کا چہرہ مرہ صوفیوں والا تھا لباس بھی اہل خانقاہ کا تھا۔ انہوں نے ترجمان کو اونچی اونچی آواز سے لقمے دینے شروع کئے۔ جب فقیر بیان کرتا تو وہ خاموش رہتے لیکن جب مولانا عبد اللہ ترجمہ کرنے لگتے تو وہ اونچی آواز سے بول پڑتے کہ اس بات کا مطلب یہ ہے اور فلاں کا مطلب فلاں ہے۔ ہم لوگ عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے۔ فقیر نے بیان جاری رکھا اور دونوں حضرات نے بھی محفل جمنے نہ دی۔ فقیر کو محسوس ہوا کہ ان پر جب تک باطنی توجہ نہ ڈالی یہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گے۔ چنانچہ فقیر نے بھی اپنا گرامر استعمال کیا۔ وہ لوگ اہل محفل کو بتانا چاہتے تھے کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے، ہمیں پہلے سے ہی معلوم ہے۔ چند منٹ کی توجہ کے بعد ان میں سے ایک صاحب نے بلند آواز سے کہا کہ بہت دیر ہو گئی ہے، ہمیں گھر جانا ہے، آپ دعا کروا دیں۔ فقیر نے اسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دعا کے بعد وہ دونوں حضرات کھڑے ہو گئے جب کہ مجمع کے سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہے۔ انہوں نے جاتے وقت قریب کے ایک دو لوگوں کو اشارے بھی کئے کہ چلیں، مگر کوئی بھی نہ اٹھا۔ جب دونوں حضرات باہر گئے تو لوگوں نے فقیر سے کہا کہ آپ اپنا مضمون جاری رکھیں۔ بس پھر تو رحمت الہی کی بارش ایسی برسی کہ سبحان اللہ۔

بیان کے بعد سب لوگ بیعت کے لئے تیار تھے۔ اندازاً چالیس پچاس پگڑیاں ایک دوسرے سے باندھی گئیں۔ مولانا عبد اللہ نے اوراد و وظائف کے بارے میں وضاحت کر دی۔ جب لطیفہ قلب پر انگلی لگانے کا وقت آیا تو فقیر بالکل تھک گیا تھا۔ مولانا عبد اللہ فقیر کے بازو کو نیچے سے سارادے کر کھڑے تھے کیونکہ اتنے لوگوں کو قلب کی نشاندہی کرتے کرتے بازو تھک گیا تھا۔ خانقاہ کے متولی بھی بیعت ہوئے اور انہوں نے رات اپنے گھر قیام کی دعوت دی۔

نائب حاکمہ کی آمد :

دن کے دس بجے متولی صاحب کے مکان پر غجدان شہر کی نائب حاکمہ تشریف لائیں۔ ان کا نام خشدہ تھا اور ان کے ہمراہ چند پولیس والے بھی تھے۔ فقیر سے پوچھنے لگیں کہ آپ کو کوئی تنگی تو نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہماری خوشی کی انتہاء نہیں کہ ہم خواجہ جہاں کے شہر میں وقت گزار رہے ہیں۔ خشدہ کہنے لگیں کہ مجھے اور میرے بچوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، ہم آپ کی آمد کے منتظر رہا کریں گے، آپ نے تو ہمارے شہر کے لوگوں کے دل جیت لئے ہیں اور میں ایجنسی کی رپورٹ میں رات کے بیان کی تفصیل پڑھ چکی ہوں۔ فقیر نے ان کو دعائیں دے کر رخصت کیا۔ حاضرین محفل حیران تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انتظامیہ کے دلوں کو بھی فقیر کے لئے موم کر دیا۔ خانقاہ کے متولی صاحب نے کہا کہ مجھے آپ ویڈیو مانے کی اجازت دے دیں۔ فقیر نے انکار کر دیا، پھر انہوں نے کہا کہ آج دوپہر کا کھانا ایک نہایت سرسبز و شاداب جگہ پر کھائیں گے جہاں نیچے نہر بستی ہے اور درختوں کی شاخیں اوپر پھیلی ہوئی ہیں، وہیں نہر کے کنارے قیلوہ کریں گے۔ فقیر نے کہا بہت اچھا۔ چنانچہ دوپہر کے کھانے سے پہلے نہر میں کپڑوں سمیت غسل کیا۔ تیرتے وقت اپنے کالج کا زمانہ یاد آگیا، پھر کھانا کھا کر قیلوہ کیا۔ بعد ازاں عصر کی نماز کے لئے مسجد میں آگئے۔

حضرت گل بابا سے ملاقات :

نماز عصر کے بعد تقریباً پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت طلح سے ملنے کے لئے آئی۔ حضرت گل بابا ان کی ترجمانی کر رہے تھے۔ سب حضرات کو بیعت کے بعد وظائف بتا دیئے گئے۔ حضرت گل بابا نے مشاربات تک کے اسباق کسی شیخ سے پہلے طے کئے ہوئے تھے اب وہ بھی تکمیل کے لئے بیعت ہوئے۔ ان کا پرانوار چہرہ دیکھ دیکھ کر فقیر

کو خوشی ہو رہی تھی۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ اس شخص نے یہ نورانی چہرہ کیسے بنایا ہوگا؟ بیعت ہونے کے بعد حضرت گل بابا نے کہا کہ جتنا وقت آپ یہاں پر ہیں، میں آپ کی صحبت میں رہنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے جواب دیا کہ ہمیں تو رات کے وقت حصار اپہنچنا ہے، تھوڑی دیر میں ہم جانے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت گل بابا کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور انہوں نے بڑی حسرت سے یہ شعر پڑھا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

بوائے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

(افسوس پلک جھپکنے میں دوست کے ساتھ مل بیٹھنے کا وقت ختم ہو گیا۔ ابھی تک ہم نے سیر ہو کر پھولوں کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ بہار کا موسم ختم ہو گیا)

شکار کرنے کو آئے :

جب ہم نجد وان کی جامع مسجد سے نکلنے کے لئے تیار تھے تو پولیس کے ایک بڑے افسر نلکے کے لئے تشریف لائے۔ سب لوگوں کے سامنے بتانے لگے کہ کل آپ کے بیان میں ہم اس لئے آئے تھے کہ اگر آپ کوئی سیاسی بات کریں گے تو ہم آپ کو گرفتار کریں گے، اتنے زیادہ لوگ آپ سے بیعت ہوئے کہ انتظامیہ گھبرا گئی۔ متولی صاحب نے یہ سن کر کہا کہ آج مجھے بازار میں کوئی ایسا شخص نظر نہیں آ رہا تھا جو ان بزرگوں سے بیعت نہ ہوا ہو۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ترس ہے۔ پولیس افسر نے کہا کہ ہم پیچھے رہ گئے ہیں، ہمیں بھی اپنا شاگرد بنالیں۔ فقیر نے پولیس والوں کے قلوب کی نشاندہی کر کے انہیں بھی ذکر و مراقبہ کی تلقین کی۔ اس کے بعد وہ پولیس افسر فرشی سلام کر کے رخصت ہوئے۔ فقیر نے متولی صاحب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ ہمارے شر کے سپرینٹنڈنٹ پولیس ہیں۔ فقیر نے کہا :

شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے

وزیر کی فقیر سے ملاقات :

نجد دان سے روانہ ہو کر ہم مسجد امام خاری پہنچے۔ عین اسی وقت ملائیشیا کے وزیر خارجہ بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے فقیر کو دیکھا تو قریب آکر سلام کے بعد دعاؤں کے لئے کہا، فقیر نے سب حاضرین محفل کے لئے دعا مانگی۔ مولانا جان محمد صاحب نے رات کے کھانے میں بتایا کہ بعد میں وزیر صاحب کہنے لگے کہ اس شیخ کو دیکھ کر دل کو عجیب سا سکون ملا ہے۔ فقیر نے کہا، مولانا! اسی سکون کی پڑیا کی تلاش میں ہی امیر لوگ فقیروں کے دروازے پر آتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا جان محمد صاحب کے ہمراہ حضرت تیشہ بابا کی خانقاہ میں پہنچے۔

وہ شاہیں زیر دام آیا :

رات کو حضرت تیشہ بابا نے پھر اپنے خاص کمرے میں فقیر کو سلایا اور خود باہر دروازے پر بیٹھ کر، ات گزاری۔ فقیر کو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ ایک مرتبہ باہر نکل کر حضرت تیشہ بابا سے درخواست کی کہ آپ مہربانی فرما کر کسی کمرے میں آرام فرمائیں۔ حضرت تیشہ بابا زار و قطار رونے لگے کہ مجھے قسمت سے یہ سعادت ملی ہے، آپ مجھے اس سے محروم نہ فرمائیں۔

فقیر خاموشی سے واپس کمرے میں آکر لیٹ گیا۔ رات کو تہجد کے نوافل ادا کر کے بعد حضرت تیشہ بابا فقیر کے سامنے اس طرح دو زانو بیٹھ گئے کہ گھٹنوں سے گھٹنے مل رہے تھے۔ حدیث جبرئیل میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی نبی علیہ السلام کے سامنے اسی طرح ادب سے بیٹھے تھے۔ حضرت تیشہ بابا فرمانے لگے کہ حضرت! آپ مجھ پر توجہ فرمائیں۔ فقیر نے انہیں مراقب ہونے کے لئے کہا اور پھر

کچھ دیر اللہ اللہ کیا۔ حتیٰ کہ حضرت تیشہ بابا مراقبہ کے دوران ہی فقیر سے پٹ گئے۔ لگتا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے چشمے بہہ رہے تھے۔

نماز فجر کے بعد حضرت تیشہ بابا نے مولانا عبد اللہ کو بتایا کہ مجھے ساٹھ سال سے اہل اللہ کی محافل میں بیٹھنے کی سعادت میسر رہی ہے، مگر اس شیخ کی توجہ نے وہ کام کر دکھایا جو بہت مشکل تھا۔ پھر فرمایا کہ اب تو میرا انگ انگ اور رواں رواں اللہ اللہ اللہ کر رہا ہے۔ دن میں حضرت تیشہ بابا نے حاضرین محفل کو اپنی تجدید بیعت کے بارے میں خود بتادیا۔

دوشنبہ سے وفد کی آمد :

اگلے دن حضرت تیشہ بابا کے گھر پندرہ نوجوانوں کا ایک وفد دوشنبہ (تاجکستان) سے آیا۔ جب ان سے ملاقات ہوئی تو اٹھتی جوانیوں کی پیشانیوں پر نور نظر آیا۔

امیر جماعت نے بتایا کہ ہم لوگ اپنے ملک سے اس لئے چلے تھے کہ مختلف مشائخ کے مزارات پر حاضری دیں۔ جب شاہ نقشبندؒ کے مزار پر قصر عارفاں پہنچے تو وہاں کے مؤذن نے ہمیں بتایا کہ پاکستان سے ایک نقشبندی شیخ آئے ہوئے ہیں جن کو دیکھنے سے دل کی گرہ کھل جاتی ہے ہم اس کی باتیں سن کر تڑپ اٹھے۔ سب نے فہم کیا کہ وہ جہاں بھی ہوں ان سے ملنا چاہئے۔ ہم مختلف جگہوں سے معلومات کرتے ہوئے یہاں پہنچے ہیں۔

حضرت تیشہ بابا کی خوشی قابل دید تھی۔ انہوں نے پہلے سب کو چائے پلائی۔ پھر وعظ و نصیحت کا سلسلہ چل نکلا۔ فقیر کی گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ نوجوانی میں عبادت بھری زندگی گزارنے کا بڑا لطف ہے؟ اسی پر مختلف احادیث سنائیں، مشائخ کے

واقعات سنائے، محفل ایسی گرم ہوئی کہ آنکھیں پر نم ہو گئیں پھر فقیر نے سب کو مراقبہ کروایا، اور فارسی کے چند اشعار پڑھے۔ وفد کے نوجوان چونکہ فارسی زبان ہی بولتے تھے اس لئے انہوں نے مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنا شروع کر دیا۔ فقیر کو بھی نہ معلوم کہ کب کے یاد کئے ہوئے فارسی کے اشعار یاد آنے لگے۔ ایک شعر نے توحہ ہی کر دی۔

در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری

وقت پیری گرمی ظالم می شود پرہیزگار

(جوانی کے زمانے میں توبہ کرنا پیغمبرانہ طریقہ ہے۔ بڑھاپے میں آکر تو ظالم

بھیڑیا بھی پرہیزگار بن جاتا ہے)

مراقبہ سے فراغت پر نوجوانوں نے کہا کہ ہماری تین درخواستیں قبول فرمائیں۔ اول تویہ کہ ہمیں اپنے حلقہء ارادت میں داخل کر لیں، دوسرا یہ کہ ہمیں یہ اشعار کاغذ پر قلمبند کروادیں تاکہ ان کو بار بار پڑھ کر قد مکر کا مزہ لیتے رہیں اور تیسرے یہ کہ آپ دو شنبہ آنے کی دعوت قبول کریں۔ فقیر نے سب حضرات کو بیعت کر کے ذکر و مراقبہ کی تفصیل بتائی، اشعار بھی لکھوائے اور بتایا کہ فقیر نے دل میں ارادہ کر لیا ہے کہ دو شنبہ حاضری دوں گا تاہم وقت کا تعین کرنا مشکل ہے۔ آپ اپنا ایڈریس دے دیں اول تو آپ کو تار کے ذریعے اطلاع مل جائے گی، یہ نہ ہوا تو فقیر خود حاضر ہو جائے گا۔ مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ میں دو شنبہ جا چکا ہوں، انشاء اللہ ہم وہیں پہنچ جائیں گے۔ جب حضرت تیشہ بلبا سے پوچھا گیا تو انہوں نے اپنے بڑھاپے کی وجہ سے سفر کرنے سے معذرت ظاہر کی اور فرمایا کہ اگر میری جوانی کی عمر ہوتی تو میں ہرن کی مانند چھلانگیں لگاتا، خوشیاں مناتا، اس شیخ کے ہمراہ دو شنبہ حاضر ہوتا۔ وفد کے نوجوان اگلے دن صبح سویرے رخصت ہوئے۔

حضرت خواجہ محمود انجیر فغویؒ :

ہم لوگ ناشتے کے بعد زیارات کے لئے چل پڑے۔ سب سے پہلے فغنہ کے علاقہ میں پہنچے۔ یہ بالکل دیہات میں تھا اسے کوئی 50 میل دور ایک جگہ ہے جہاں ایک کنواں ایک گھر اور مسجد ہے۔ قریب ہی خواجہ محمود کا مزار مبارک ہے۔ دور دور تک آبادی کا کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ اس علاقے کی انجیر بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت خواجہ صاحب کو لوگوں نے انجیر فغنہ کہا شروع کر دیا تھا۔ بہر حال ایصال ثواب کے بعد کچھ دیر مراقبہ کیا اور اگلی منزل کے لئے روانگی ہوئی۔

حضرت خواجہ محمد عارفؒ ماہ تاباں :

جب ہم لوگ فغنہ سے رامیتن کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ایک شہر میں سے گزرنا ہوا۔ حضرت تیشہ بابا نے بتایا کہ یہاں ایک بزرگ خواجہ محمد عارفؒ نامی گزرے ہیں، ان کے چہرے پر اس قدر جمال تھا کہ لوگ انہیں ”ماہ تاباں“ کہا کرتے تھے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مزار پر بھی ایصال ثواب کرتے جائیں۔ فقیر نے کہا

بآں گروہ کہ از ساغر وفا مستند

سلام ما برسانید ہر کجا مستند

(اس گروہ کو جو کہ وفا کے ساغر سے مست ہے، جہاں کہیں بھی ہو اسے

میر اسلام محبت پہنچادو)

حضرت تیشہ بابا اس شعر کو سن کر تڑپ گئے اور فقیر کو دیکھ کر رحمت رحمت کہنے لگے۔ اس مزار کے قریب حکومت کی طرف سے ایک خوبصورت مسجد عوامی گنی ہے کیونکہ وقف کی زمین کافی زیادہ ہے اس لئے یہ مزار اس کے کونے میں واقع ہے۔ اس

میں ساری جگہ کے گرد فصیل بنا دی گئی ہے۔ یہ جگہ شر کے اندر آچکی ہے۔ ایصال ثواب اور دعا کے بعد اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی :

حضرت خواجہ عزیزان علی کا اصلی نام علی تھا عزیزان تخلص تھا کیونکہ فارسی زبان میں اشعار بھی کہا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عزیزان علی کے نام سے شہرت پائی۔ مشہور ہے کہ حضرت خواجہ کے زمانے میں حاکم وقت شہریار کی خوبصورت نوجوان بیٹی بیمار ہو گئی۔ اس کے سارے جسم پر دانے نکل آئے، بہت سارے اطباء نے علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کسی نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ دوا تو کر دیکھی اب دعا بھی کروا دیکھیں۔ چنانچہ حاکم وقت اپنی بیٹی کو لے کر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ صاحب نے پانی دم کر کے دیا اور فرمایا کہ لڑکی اس پانی سے غسل کر لے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس لڑکی کو شفاء عطا فرمائی۔ اس جگہ کا نام اس مناسبت سے ”آرام تن“ پڑ گیا جو وقت کے ساتھ ساتھ رامیتن مشہور ہو گیا۔

حضرت خواجہ صاحب کا مزار پر انوار ایک ٹیلے پر واقع ہے جس کے قریب ہی ایک نالہ بہتا ہے۔ ایصال ثواب کے بعد مراقبہ کیا اور اگلی منزل کے لئے روانہ ہوئے۔

حضرت خواجہ بابا ساسی :

رامتن سے فقط چند میل کے فاصلے پر حضرت خواجہ بابا ساسی کا مزار پر انوار ہے۔ چاروں طرف کھیت ہی کھیت ہیں۔ حضرت بابا ساسی کا لگایا ہوا باغ اب بھی موجود ہے، اس جگہ پر پانی نہیں ملتا تھا۔ حضرت بابا صاحب نے ایک دن ”اللہ“ کہہ کر زمین پر عصا مارا تو پانی نکلنے لگا۔ بعد میں لوگوں نے کنویں کی شکل بنا دی۔ اس جگہ پر جو ہڑکی سی شکل میں کھڑا ہو اپنی آج بھی نظر آتا ہے۔ اس کے ارد گرد اوچے اوچے درخت ہیں۔

یہ جگہ اتنی پرسکون، خوبصورت اور آرام دہ ہے کہ فقیر نے پورے سفر میں ذکر کرنے کے لئے ایسی موزوں جگہ اور کہیں نہیں دیکھی۔ اکثر دوستوں کا خیال تھا کہ گل و گلزار کی وجہ سے ایسی کیفیت ہوتی ہے مگر فقیر کا خیال تھا کہ حضرت بابا ساسیؒ پر عشق الہی کا غلبہ ایسا تھا لہذا اس کے اثرات آج بھی اس جگہ پر ایسے ہیں کہ ہم جیسے غافل لوگ بھی وہاں جا کر ذکر کی مستی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ یہاں پر خواہ مخواہ محبت الہی میں جوش محسوس ہو رہا ہے۔ فقیر اپنے خیالات کی دنیا میں تانے بانے نہ رہا تھا کہ اس تنہائی میں جب حضرت سید امیر کلالؒ، بابا ساسیؒ کے پاس آتے ہوں گے تو خوب وقت گزرتا ہوگا:

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو

خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

بابا ساسیؒ نے جو مسجد ہوائی اس کے لکڑی کے بنے ہوئے دروازوں میں سے ایک دروازہ اب بھی اصلی حالت میں موجود ہے۔ ایصال ثواب اور مراقبہ سے فارغ ہوئے تو خانقاہ کے متولی نے فرمائش کی کہ میرے گھر دوپہر کا کھانا تناول فرمائیں۔

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا:

حضرت تیشہ بابا کے مشورے سے ہم نے دعوت قبول کی، متولی صاحب نے قریب قریب کے علماء صلحاء کو بھی مدعو کر لیا، آہستہ آہستہ لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ متولی صاحب نے فرمائش کی کہ کچھ میان کر دیا جائے۔ چنانچہ فقیر نے اپنے اکابرین کے عشق الہی کی داستانیں سنائی شروع کیں۔ مولانا جان محمد صاحب نے اس کا ترجمہ کیا، حاضرین بہت لطف اندوز ہوئے۔ جب فقیر نے فارسی کے دو اشعار پڑھے تو مولانا جان محمد ترجمہ کرنے کے دوران بلند آواز سے رونے لگ گئے۔

قال را بجزار مرد حال شو
 پیش مرد کاٹے پامال شو
 صد کتاب و صد ورق در تار کن
 جان و دل را جانب دلدار کن

(تو اپنے قال کو مرد حال کے قدموں میں ڈال دے اور مرد کامل کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دے، سو کتابوں اور سو ورق کو آگ میں ڈال دے مگر جان و دل کو دلدار کے حوالے کر دے)

اس کے بعد مولانا کی طبیعت پر اتنا گریہ طاری ہوا کہ مزید میان نہ ہو سکا۔ حاضرین محفل نے بیعت ہونے کی درخواست کی تو سب حضرات کو کلمات توبہ پڑھا کر سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ جب مراقبہ اور دعا سے فارغ ہوئے تو مقامی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک بزرگ حاجی بابا بھی تشریف لائے۔ جب تیشہ بابا نے انہیں دیکھا اور انہوں نے تیشہ بابا کو دیکھا تو دونوں حضرات روتے ہوئے بغل بھر ہو گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ دونوں حضرات چین کے دوست تھے اور آج 60 سال کے بعد ایک دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ دونوں کے پرانوار چہرے دیکھ کر ہم لوگوں کو خوشی ہو رہی تھی۔ پھر مجھ پر دوستوں کے دل کا کیا حال ہو گا، یہ تو وہی بتا سکتے تھے۔ حاجی بابا نے کہا یہ سب اس نقشبندی شیخ کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملا بھی دیا اور پیر بھائی بھی بنادیا۔

جوانوں کی خودی صورت فولاد :

مولانا عبد اللہ ایک نوجوان کو فقیر سے ملانے کے لئے لائے اور بتایا کہ یہ وہ خوش نصیب نوجوان ہے جو روسی انقلاب کے زمانے میں پانچ مرتبہ اذان دے کر کھلے عام

نمازیں پڑھتا تھا۔ یہ سن کر فقیر کو حیرت ہوئی۔ پوچھا کہ وہ کیسے؟ اس نوجوان نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹایا تو ایسے معلوم ہوا کہ اس کی پیٹھ کے ایک ایک انچ جگہ پر زخموں کے نشانات موجود ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ جب میں نے پہلی مرتبہ اذان دی تو پولیس والے مجھے پکڑ کر لے گئے اور خوب مارا، میں جان بوجھ کر اس طرح بن گیا جس طرح کوئی پاگل ہوتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مارتے میں اتنا ہی زیادہ ہنستا، ایک وقت میں کئی کئی پولیس والے مارتے مارتے تھک جاتے مگر میں اللہ کے نام پر مار کھاتے ہوئے نہ تھکتا۔ مجھے جلی کے جھٹکے بھی لگائے گئے میں نے برداشت کر لئے، مجھے کئی کئی گھنٹے برف پر لٹایا گیا، مجھے پوری پوری رات الٹا لٹکایا گیا، گرم چیزوں سے مجھے داغا گیا، میرے ناخن کھینچے گئے مگر میں اس طرح محسوس کروا تا جیسے کہ کوئی پاگل انسان ہوتا ہے، جان بوجھ کر پاگلوں والی حرکتیں کرتا رہتا۔ پولیس والوں نے ایک سال میری پٹائی کرنے کے بعد مجھے پاگل خانے بھجوا دیا۔ وہاں بھی ایک سال میں نے اسی طرح گزارا، حتیٰ کہ ڈاکٹر نے لکھ کر دے دیا کہ یہ شخص پاگل ہے، ذہنی توازن خراب ہے، یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، اپنے آپ میں گمن رہتا ہے، لہذا اب اس کو دوبارہ گرفتار نہ کیا جائے۔ اس کے بعد مجھے آزاد کر دیا گیا، میں نے ایک جگہ پر چھوٹی سی مسجد نما جگہ بنائی۔ دن میں پانچ وقت اذانیں دیتا اور پانچ نمازیں مکمل عام پڑھا کرتا تھا۔ فقیر نے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ اور کہا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی

ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

کیونکہ اس دور میں جب عام لوگ چھپے پھرتے تھے۔ اللہ کے اس شیدائی کا اس طرح اذان دینا اور نماز پڑھنا کفر کے سینے پر مومگ دلنے کے مترادف تھا۔ عام حالات میں تو انسان یہی سوچتا ہے کہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا اور کیونستوں کا طریقہ

بھی یہی تھا۔ مگر جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فقیر بار بار اس نوجوان کے چہرے کو دیکھتا اور اس کی ثابت قدمی اور استقامت پر رشک کرتا۔

۴ ازل سے رچ گئی ہے سر بلندی اپنی فطرت میں
ہمیں کتنا تو آتا ہے مگر جھکنا نہیں آتا

یہ تو کوئی فرشتہ ہے :

جب عام لوگوں سے ملاقات ہو گئی تو کونے میں بیٹھے ہوئے ایک بزرگ اٹھے اور ملنے کے لئے آگے بڑھے۔ ان کے چہرے پر اس قدر انوار کی بارش تھی کہ فقیر بے اختیار کہہ اٹھا

ما هذا بشرا . ان هذا الا ملك كريم

(یہ بشر نہیں بلکہ یہ تو کوئی حسین فرشتہ ہے)

مولانا جان محمد نے تعارف کروایا کہ حضرت! یہ ہمارے علاقے کے وہ عالم ہیں جن کی عمر 93 سال ہے۔ اور یہ پوری زندگی چوں کو قرآن پاک کی تعلیم دیتے رہے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ ستر سالہ روسی انقلاب کے دوران بھی؟ تو انہوں نے مسکرا کر کہا جی ہاں حضرت! یہی تو خاص بات ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ مولانا کہنے لگے، حضرت! آپ ان سے خود ہی پوچھ لیجئے۔ فقیر نے ان سے گزارش کی تو انہوں نے بتایا کہ میں گھر میں ایک کمرہ اس طرح بناتا کہ جس کی دوہری دیواریں ہوتیں، دونوں دیواروں کے درمیان چھ سات فٹ کا فاصلہ ہوتا اس میں رضائیاں وغیرہ بھر کر اندر کے کمرے کو ساؤنڈ پروف بنالیتا۔ میں طلباء کو کمرے میں لے کر داخل ہو جاتا اور باہر کے لوگ اس دروازے کو لکڑی سے بند کر دیتے اور اس کے آگے فرنیچر وغیرہ لگا دیتے۔ ہم پوری پوری سردیوں کا وقت اندر گزار دیتے۔ ہماری ساری ضروریات

اند رہی پوری ہو تیرا۔ مجھے بعض اوقات چار چار مہینے تک اپنے گھر کا صحن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ فقیر نے کہا کہ آپ کے جذبے نے تو کمال کر دکھایا۔ ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے فرمانے لگے کہ، اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب مجھے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ سے بیعت کا تعلق حاصل ہوا ہے، انشاء اللہ قیامت کے دن آپ کے وسیلہ سے میری مغفرت ہو جائے گی۔ فقیر نے کہا کہ جی ہاں، اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن فقیر سے پوچھا کہ دنیا سے کیا لائے تو فقیر آپ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دے گا۔ اس بات پر سب حاضرین نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ حاضرین اس طرح زار و قطار رو رہے تھے کہ باہر کے لوگ سمجھتے کہ شاید کسی کی وفات پر رو رہے ہیں، مگر ہم لوگ تو اپنی مردہ دلی کار و نارور ہے تھے۔ بالآخر وہاں سے روانہ ہو کر حضرت تیشہ بابا کے گھر پہنچے۔ عشاء کے بعد آرام کیا۔

دعوت ہائے شیراز :

اگلے دن صبح دس بجے حضرت تیشہ بابا کے گھر سے مسجد ابو حفص کبیر کی طرف چلے تاکہ خانقاہ میں جمع ہونے والے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ راستے میں خارا کے ایک صاحب حبیب اللہ جان کھڑے تھے۔ انہوں نے دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے گاڑی روکی۔ پہلے تیشہ بابا سے مصافحہ کیا پھر فقیر کی طرف آئے اور اصرار کرنے لگے کہ آپ باہر نکل کر مجھے اپنے سینے سے لگائیں۔ ان کے اصرار کو دیکھتے ہوئے فقیر باہر نکل کر ان سے ملا۔ اس کے گھر کی مستورات دور دروازے میں کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے چھوٹی سچی کو بھجوا کہ اس مہمان کو ہر گز نہ جانے دیں، جب تک یہ ہمارے گھر سے دوپہر کا کھانا نہ کھائیں، اور ساتھ ہی انہوں نے ہمارے سامنے ایک بکری کو ذبح کر ڈالا۔ مولانا جان محمد کہنے لگے کہ حضرت! یہ عورتیں بازی جیت گئیں۔

فقیر نے پوچھا، کیسے؟ کہنے لگے کہ خواراکا دستور ہے کہ جب کسی مہمان کو دیکھ کر گھر والے جانور ذبح کر دیں تو وہ اس کا گوشت کھائے بغیر وہاں سے نہیں جاسکتا۔ اب چاہے جو بھی ہو ہمیں ان کے گھر رکنا پڑے گا۔ فقیر نے تیشہ بابائی طرف دیکھا تو وہ مسکرائے کہ دیکھا عورتوں نے کیسی چال چلی ہے۔ اتنے میں عورتوں نے ایک سچے کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ اگر یہ مہمان گھر قیام کا ارادہ فرمائیں تو ہر دن ایک جانور ان کی ضیافت کے لئے ہم قربان کرنے کو تیار ہیں۔

چاروناچار ہمیں حبیب اللہ جان کے گھر رکنا پڑا۔ لیکن عجیب بات تو یہ تھی کہ بس آدھے پونے گھنٹے میں بھنا ہوا اور ابلا ہوا گوشت ہمارے سامنے حاضر تھا۔ فقیر اس بات پر اور زیادہ حیران ہوا۔ صاحب خانہ سے پوچھا کہ یہ گوشت اتنا جلدی کیسے تیار ہو گیا۔ اس نے مسکرا کر کہا، آج آپ میرے ہاں قیام فرمائیں، کل ہم دوسری بحری ذبح کریں گے اور آپ کے سامنے گوشت تیار کریں گے، تاکہ آپ کو پتہ چل جائے۔ فقیر نے کہا بہت بہت شکریہ۔ ہم دعوت شیراز کھانے والے فقیروں کو کیا پتہ کہ اہل خواراکے دل میں مہمان کا کتنا اکرام ہوتا ہے؟ فقیر کو فرمان نبوی ﷺ یاد آرہا تھا۔

من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليكرم ضيفه

(وہ شخص جو ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر پس چاہئے کہ اس کا

اکرام کرے)

فرنگی دوشیزہ سکون کی تلاش میں :

ظہر کی نماز مسجد ابو حفص کبیر میں آکر پڑھی تو خطیب صاحب نے بتایا کہ کل ایک انگریز لڑکی آپ سے ملنے کے لئے یہاں آئی تھی مگر آپ یہاں موجود نہیں تھے۔ تھوڑی دیر بعد غجدان سے فون آیا کہ ایک انگریز لڑکی حضرت سے ملنے کے لئے یہاں

بھی آئی تھی۔ اسی دوران مدرسہ میر عرب کے اساتذہ کا وفد ملنے کے لئے آیا۔ انہوں نے تفصیل بتائی کہ انگلینڈ سے انگریزوں کا ایک گروپ سر قندو خٹارہ کی سیر کے لئے آیا ہوا ہے۔ ان میں سے ایک جوان لڑکی جب شاہ نقشبندؒ کے مزار پر قصر عارفان پہنچی تو اس نے امام خطیب سے کچھ سوالات پوچھے۔ امام خطیب نے اسے آپ کے متعلق بتایا کہ پاکستان سے ایک نقشبندی شیخ چند دنوں کے لئے خٹارہ آئے ہوئے ہیں، آپ کے بقیہ سوالات کے جوابات وہ دیں گے۔ چنانچہ وہ لڑکی آپ کی تلاش میں غجدوان بھی گئی، ابو حفص کبیر کی مسجد میں بھی آئی، مدرسہ میر عرب بھی پہنچی اور جب ہم نے اسے بتایا کہ کل آپ کا آخری دن ہے تو بڑی افسردہ ہوئی کہ کسی طرح میری ان سے ملاقات ہو جاتی تو کتنا اچھا ہوتا! بہر حال وہ آج کا دن ٹورسٹ ہوٹل خٹارہ میں ٹھہرے گی، اگر اسے پتہ چل جائے کہ آپ اس جگہ پر ہیں تو وہ بھاگی آئے گی۔ اب چونکہ آپ کے جانے کا پروگرام ہے تو ہمارا مشورہ ہے کہ آپ جاتے ہوئے راستے میں کچھ دیر رک کر اس سے مل لیں، ہمیں اس میں طلب نظر ملتی ہے۔

فقیر نے مسجد کے نمازیوں کی طرف سے دی گئی پلاؤ پارٹی کو مختصر کیا اور مولانا عبد اللہ کے ہمراہ ٹورسٹ ہوٹل پہنچا۔ جب کاؤنٹر سے معلومات حاصل کیں تو انہوں نے کہا کہ اتنے بڑے ہوٹل میں سینکڑوں لوگ مختلف ممالک سے آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں نام معلوم ہو تو کچھ بتا سکتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ انگلینڈ کا ایک گروپ آیا ہوا ہے۔ کاؤنٹر والی لڑکی نے تھوڑی دیر اپنا رجسٹر دیکھنے کے بعد بتایا کہ ہاں وہ گروپ آج یہاں سے 50 میل دور ایک جگہ دیکھنے گیا ہوا ہے، کروں کی چابیاں ہمارے پاس ہیں۔ یہ سن کر ہمیں بہت افسوس ہوا۔ مولانا عبد اللہ کہنے لگے کہ حضرت! ہمیں بسطام اور خرقان بھی جانا ہے، وہاں بھی کافی وقت لگے گا، لہذا سفر شروع کرنا چاہئے۔ فقیر نے سوچا کہ چلو اس لڑکی کو غائبانہ توجہ ہی دے دیتے ہیں۔ ابھی دو تین منٹ ہی گزرے

تھے کہ کاؤنٹر والی لڑکی نے اشارے سے فقیر کو بلایا۔ مولانا عبد اللہ اس کے پاس گئے تو وہ کہنے لگی کہ اس گروپ کی ایک عورت کمرے میں موجود ہے ابھی اس نے فون پر مجھ سے بات کی ہے، میں اس سے پوچھوں؟ جب پتہ کیا تو وہی لڑکی نکلی جو ملنا چاہتی تھی۔ فقیر نے اس سے فون پر بات کی تو وہ پوچھنے لگی کیا آپ میرے کمرے میں تشریف لائیں گے؟ فقیر نے کہا کہ اگر آپ نیچے آجائیں تو یہاں لاؤنج میں بیٹھ کر بات کر لیں گے۔

تھوڑی دیر بعد ایک لڑکی سر پر سکارف باندھے، عربی لباس پہنے نیچے آئی اور فقیر سے پوچھنے لگی کہ کیا آپ شیخ ذوالفقار احمد نقشبندی ہیں؟ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگی کہ میں تین دن سے پاگلوں کی طرح آپ کے پیچھے پیچھے پھر رہی تھی۔ فقیر نے کہا کہ عربی کا مقولہ ہے من جہد فوجد (جو شخص کوشش کرتا ہے سودہ پالیتا ہے) یہ سن کر وہ اچھل پڑی اور کہنے لگی کہ میں بہت خوش ہوں کہ اتنے بڑے شیخ سے بات کرنے کی سعادت حاصل کر رہی ہوں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کیا چاہتی ہیں؟ کہنے لگی کہ کون چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ سکون تو سکون والے کاموں سے ملے گا۔ کہنے لگی، آپ یورپ کے ماحول کو جانتے ہوں گے، میں نے اپنی ہر خواہش کو پورا کر کے دیکھا ہے، ہر وہ کام کیا جو نفس نے چاہا مگر نتیجہ بے سکونی کی شکل میں نکلا۔ پھر میں نے سکون کی تلاش کے لئے بہت مطالعہ کیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسلام میں مشائخ صوفیاء کے دلوں میں بڑا سکون ہوتا ہے، تو میں نے ذکر کے سلاسل کے متعلق پڑھا۔ ذکر جبر کرنا تو میرے ماحول میں ممکن نہیں تھا، البتہ نقشبندیہ طریقہ ذکر مجھے اچھا لگا، وہ میں کرتی ہوں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ مراقبہ کرتی ہیں؟ کہنے لگی جی ہاں۔ پوچھا دوزانہ کتنی دیر کرتی ہیں؟ کہنے لگی کہ کئی مرتبہ کرتی ہوں۔ اگر سب کو شامل کروں تو تقریباً تین گھنٹے دن جائیں۔ یہ سن کر فقیر حیران ہوا۔ کہنے لگی کہ میں خلوت در انجمن، نظر بر

قدم، سفر در وطن اور ہوش در دم وغیرہ کو بھی سمجھتی ہوں، البتہ شاہ نقشبندؒ کی اصطلاحات و قوف قلبی، و قوف عددی اور قوف زمانی کے بارے میں مجھے مزید سمجھا دیں۔ فقیر ایک انگریز لڑکی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر حیران تھا۔ واقعی طلب ہو تو ایسی، بہر حال فقیر نے اس کو تفصیلات بتائیں۔ تقریباً دو گھنٹے وہ اپنی زندگی کے متعلق بتاتی رہی اور فقیر کی زندگی کے متعلق سوالات پوچھتی رہی۔ پھر کہنے لگی کہ میرا اختیار آنے کا مقصد آج پورا ہو گیا، میں آپ سے مستقل رابطہ رکھنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے اپنا ایڈریس اس کو دیا اور اس نے اپنا ایڈریس فقیر کو دیا۔ ہم لوگوں کو پہلے ہی کافی دیر ہو چکی تھی لہذا جلدی سے گاڑی کی طرف بھاگے۔ وہ ہمارے ساتھ گاڑی تک آئی اور فرشی سلام کر کے رخصت ہوئی۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ :

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے عظیم المرتبت بزرگوں میں سے تھے۔ ان کے متعلق حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا۔
 ”بایزیدؒ کا مقام اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے کہ جبرئیل علیہ السلام کا مقام ملائکہ میں“

خوار اسے سرقد جاتے ہوئے راستے میں ایک جگہ کارن ٹپہ کہلاتی ہے، یہاں پر ایک شہر آباد ہے۔ اس شہر کے بوئے قبرستان کے ایک ٹیلے پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا مزار پر انوار واقع ہے۔ جب ہم لوگ وہاں حاضر ہوئے تو مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے اور ایصالِ ثواب کے بعد مراقبہ کیا۔ خاموشی تھی، تنہائی تھی، فیضان کی بارش تھی۔

۔ شمع مزار ہے نہ کوئی سوگوار ہے

تم جس پہ رو رہے ہو وہ کس کا مزار ہے
مراقبہ کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے۔ قبرستان کا دروازہ لکڑی کا بنا ہوا ہے
اور اس قدر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں کہ آدمی حیران ہی رہ جائے۔ یہاں کے
قبرستانوں میں ایک عجیب بات دیکھی اور سنا ہے کہ یہ رسم کیمونسٹوں سے چلی اور
مسلمانوں نے بھی اپنالی۔ ہر قبر کے سرہانے پتھر پر نام لکھا ہوتا ہے اور اس صفائی سے
اس بندے کی تصویر بنی ہوتی ہے کہ جیسے کسی نے اس کا فوٹو چکا دیا ہو۔ فقیر نے علماء
کے سامنے نشاندہی بھی کی کہ عوام الناس کو اس خلاف شرع کام سے روکنا چاہئے۔ مگر
ایک صاحب نے جواب دیا کہ مقامی انتظامیہ کی طرف سے ہر قبر پر یہ پتھر لگانا ضروری
ہوتا ہے۔ فقیر نے سوچا کہ چونکہ کیمونسٹوں کو پتہ تھا کہ ہم لوگوں کے دین میں یہ جائز
نہیں ہے اس لئے شاید وہ دین دشمنی کی وجہ سے اس کا اہتمام کرواتے ہوں۔

چائے بھی اور چاؤ بھی :

جب بسلام سے خرقان کی طرف روانہ ہوئے تو مولانا عبد اللہ نے یاد کروایا کہ
حضرت! ہم نے مسجد شاہ نقشبند کے مؤذن سے وعدہ کیا تھا کہ خارا سے سر قند جاتے
ہوئے آپ کے ہاں تھوڑی دیر رکیں گے اور چائے پی کر آگے جائیں گے۔ فقیر نہ تو
چائے پینے کا عادی تھا اور نہ ہی رکنے کو جی چاہتا تھا مگر اوفوا بالعقود (وعدے کو پورا
کرو) کے الفاظ نے بڑیک لگوا دی۔ ہم ایک گاؤں ککان میں پہنچے جہاں عبد الواحد کا گھر
تھا۔ ایک چار دیواری میں آٹھ دس گھر بنے ہوئے تھے۔ یہاں کا دیہاتی ماحول ہمارے
ملک کے دیہاتی ماحول سے کافی ملتا جلتا ہے۔ البتہ چند باتوں میں فرق ہے، ایک تو وسط
ایشیا کے دیہات کا ہر مرد اور ہر عورت اور ہر چہ پڑھا لکھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص
ٹریکٹر چلاتا پھر رہا ہو اور آپ اس سے کسی جگہ کے بارے میں پوچھیں تو وہ آدمی جیب

سے کاغذ قلم نکال کر ڈرائیگ بنا کر آپ کو ایڈریس سمجھائے گا۔ اس جگہ کا قانون ہے کہ آٹھ سال کے بچے کو پانچ سالہ کورس میں داخلہ لینا لازمی ہے۔ اگر والدین نہ کروائیں تو انہیں جیل بھیجا جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکوں کو دو سال فوج کی لازمی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ البتہ اس کے آگے کی تعلیم اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے یہاں بکریاں چرانے والا آدمی بھی پڑھا لکھا ہوتا ہے۔

دوسرا بڑا فرق یہ ہے کہ یہاں چلی، پانی سڑکیں و یہاں تو بلکہ کھیتوں کے اندر تک موجود ہیں۔ ٹیلیفون کی سہولت عام ہے۔ جب عبدالواحد کے گھر پہنچے تو علاقے کے دو صوفی منش حضرات بھی ملنے کے لئے تشریف لائے۔ جو عمر میں بڑے تھے انہوں نے بتایا کہ وہ نقشبندیہ سلسلہ میں کسی شیخ کے خلیفہ ہیں۔ دوسرے نوجوان تھے اور انہیں خواب میں کثرت سے نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تھی۔ مولانا عبداللہ نے جب ان لوگوں کو حجاز اور نجد وان کے حالات سنائے اور حضرت تیشہ بابا کے بیعت ہونے کے متعلق بتایا تو ان دونوں حضرات نے بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ فقیر نے انہیں چائے پینے کے بعد بیعت کے کلمات پڑھائے اور مراقبہ کروایا۔

اس بستی کی مسجد میں ختم خواجگان قائم کرنے کی اجازت دی۔ عبدالواحد نے رخصت ہوتے ہوئے جس محبت سے فقیر کے دھڑا دھڑو سے لئے اس کی وجہ سے اس کی چائے تو یاد ہو نہ ہو اس کا چائہ بسبب یاد آتا ہے۔

حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ :

بطام سے خرقان جاتے ہوئے فقیہ اپنے خیالات میں گن گنا کہ اسنے میں کار کا تار پتھر ہو گیا۔ باہر نکل کر دیکھا تو دوسرا تار بھی کمزور نظر آیا۔ مولانا عبداللہ سے

مشورہ ہوا کہ اس ڈرائیور کو واپس مختار بھیج دیا جائے اور اگلا سفر اللہ توکل کسی بس یا ٹیکسی وغیرہ پر کر لیا جائے۔ چنانچہ سڑک کے کنارے کھڑے ابھی تین منٹ بھی نہیں گزرے ہوں گے کہ ایک گاڑی رکی جس میں ایک نوجوان گاڑی چلا رہا تھا اور ایک روسی میم صاحبہ پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈرائیور نے مولانا عبداللہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کیوں کھڑے ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ خرقان جانا ہے لہذا ٹیکسی کے انتظار میں کھڑے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس میں، بوڑھے آپ کو ٹیکسی کیسے ملے گی؟ میم صاحبہ کہنے لگی کہ ہم ان کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے؟ چنانچہ میم صاحبہ اگلی سیٹ پر آ بیٹھی اور انہوں نے ہمیں پیچھے والی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ ہم لوگوں نے خدائی مدد سمجھتے ہوئے سامان گاڑی میں رکھا اور کچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ جب گاڑی چلی تو تعارف ہونے پر پتہ چلا کہ گاڑی چلانے والے کسی شہر کی حکومت کے بڑے افسر ہیں، میم صاحبہ ان کی تعظیم ہیں اور یہ راستے کے ایک شہر نوائی کے رہنے والے ہیں جو ازبکستان کے مشہور شاعر علی شیر نوائی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ ہم نے سوچا چلو کچھ سفر تو آرام سے طے ہوگا، آگے اللہ مالک ہے۔ جب نوائی پہنچے تو نوجوان نے کہا کہ آپ ہمارے گھر چلیں، ہمارے والد آپ سے مل کر خوش ہوں گے۔ چنانچہ جب ان کے گھر پہنچے تو ان کے والد واقعی اہل اللہ کے قدردان اور نہایت نیک آدمی تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر میں چائے پلائی اور فرمایا کہ دوپہر کا کھانا ہمارے ہاں کھا کر جائیں۔ ہم نے سفر کا عذر پیش کیا تو اس نے کہا، ہم آپ کو اپنی گاڑی پر خرقان لے کر جائیں گے۔ جانے اور آنے میں دو گھنٹے لگ جائیں گے اتنے میں کھانا تیار ہوگا۔

ب نوائی سے چل کر خرقان پہنچے تو دیکھا کہ شہر کا قبرستان ایک بڑی نہر کے کنارے واقع ہے۔ قبرستان میں فصل کاشت کی گئی تھی۔ حضرت خرقانی کا مزار

ایک باغ کے اندر بنی ہوئی مسجد کے قریب واقع تھا۔ قبر اندازاً دس میٹر لمبی تھی۔ ایصالِ ثواب کے بعد مراقبہ کیا، عجیب پر سکون ماحول تھا۔ فقیر سوچ رہا تھا کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سلطان محمود غزنوی جیسے وقت کے فرمانروا اس فقیر بے نوا کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ فقیر نے احباب کو حضرت خواجہؒ کے چند واقعات سنائے۔ واپسی پر نوائی میں دوپہر کا کھانا کھایا اور عیسیٰ کے ذریعے سر قند پہنچے۔

ارگت کا سفر :

دن کے تقریباً گیارہ بجے مولانا عبداللہ، غجدوان کے حضرت گل بابا اور مسجد امام خٹاری کے خدائے بردہ کے ہمراہ فقیر ارگت کے سفر پر روانہ ہوا۔ یہ سر قند سے چالیس کلو میٹر پہاڑ کی وادی میں واقع ایک شہر ہے۔ اس شہر میں لوہے کا کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی میں اپنی مثال آپ ہے۔ اندازاً بارہ بجے بستی کھلک پہنچے جو بالکل دالان کوہ میں واقع ہے۔ جس گھر میں قیام کیا اس میں شیشے کا ایک بالا خانہ بنا ہوا تھا جس سے چاروں طرف کا منظر نظر آتا تھا۔ اس میں فقیر کو ٹھہرایا گیا۔ جدھر نظر پڑتی اوھر ہی سبزہ اور پھول، قریب پہاڑیوں پر سفید سفید برف نظر آتی۔ گلاب کے پھول اتنے بڑے کہ جیسے پڑا پیالہ ہوتا ہے۔ سنا ہے کہ نبی علیہ السلام کو گلاب کے پھول کی خوشبو پسند تھی۔ اسی لئے مولانا قاسم نانوتویؒ بھی اسے پسند فرماتے تھے۔ فقیر بھی ان پھولوں کو محبت سے دیکھتا رہا۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ یہاں کی خود رو گھاس پر بھی چھوٹے چھوٹے خوشبودار پھول لگتے تھے۔ مختلف رنگ کے پھول اتنے خوبصورت کہ دل چاہتا تھا کہ ان کو دیکھتے ہی رہیں۔ سبزے کو اس زمین کے ساتھ کوئی خاص مناسبت تھی۔ خشک میوہ پیش کیا گیا تو بادام بھی بڑے بڑے اور

لذیذ، اخروٹ بھی مزیدار، پانی نہایت ٹھنڈا کہ جی چاہے پیتے رہیں۔ یہ جنت نظیر علاقہ دنیا کا انوکھا علاقہ تھا۔

میزبان نے قریبی ہستی کے علماء و صلحاء کو مدعو کر رکھا تھا۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد فقیر نے میان کیا، مولانا عبد اللہ نے ترجمانی کی۔ تقریباً تین بجے میزبان نے کہا کہ گاڑی تیار ہے، آپ کو قریبی پہاڑی پر لے جانا ہے، واپسی پر عصر کی نماز جامع مسجد میں پڑھیں گے۔ یہ سفر بھی عجیب تھا، گاڑی آبیروں کے پانی میں سے گزرتی ہوئی، بل کھاتے راستوں سے ہوتی ہوئی ایک منزل پر پہنچی، یہاں کسی بزرگ کا حمار تھا۔ اتر کر فاتحہ پڑھی، ماحول اتنا پرسکون کہ خود خود مراقبہ کرنے کو جی چاہے۔ فقیر نے اس جگہ پر حضرت گل بابا کو مراقبہ معیت تلقین کیا۔ مشاربات کے اسباق انہوں نے پہلے کسی شیخ سے طے کئے ہوئے تھے۔ فقیر نے لطیفہ قلب سے اسباق شروع کر دئے، نفی اثبات پر اچھ وقت لگوا دیا۔ بوڑھے آدمی تھے مگر مجاہدہ برداشت کر گئے۔ فقیر کی روک ٹوک برداشت کرتے، آداب محفل کی کوتاہی پر فوراً معذرت کرتے اور بار بار روتے کہ کاش یہ محفلیں ہمیں جوانی میں نصیب ہوتیں۔ ایک مرتبہ فقیر کسی بات پر غصے ہوا تو آگے بڑھ کر گلے لگ گئے، بار بار رخسار اور پیشانی کو چومتے، مناتے اور کہتے کہ زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے مجھ سے غلطی سرزد ہوئی۔ ان کا خلوص دیکھ کر ان کے لئے دل سے خوب دعائیں نکلتیں۔ مولانا عبد اللہ کو کم عمری کی وجہ سے لطائف میں آہستہ آہستہ چلا رہے تھے۔ مولانا میں خدمت کا جذبہ بہت تھا۔ ارگت کے اس سفر میں مولانا عبد اللہ نے ازکی ٹوپی چھوڑ کر عمامہ باندھنا شروع کیا۔ سنت کے ذمہ ہونے پر بہت خوشی ہوئی۔

عصر کی نماز ارگت کی جامع مسجد میں پڑھی۔ فقیر نے میان کیا اور مولانا نے

ترجمانی کی۔ بیان کے بعد امام مسجد نے بیعت کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ بس پھر کیا تھا نمازیوں کی تولائن ہی لگ گئی۔ عشاء تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پھر میزبان کے گھر آکر سوئے۔

شہر سبز کا سفر :

2 جون 1992ء کو شہر سبز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ سمرقند اور شہر سبز کے درمیان میں ایک پہاڑ ہے۔ اگر سرنگ کھودی جائے تو شاید ایک شہر سے دوسرے شہر کا فاصلہ منٹوں میں طے ہو جائے مگر پہاڑ کی وجہ سے اب یہ گھنٹوں میں طے کرنا پڑتا ہے۔ پہاڑ بھی سر سبز ہے اور شہر بھی اسم بامسمیٰ ہے۔ اتنا سبزہ فقیر نے دنیا میں کسی اور شہر میں نہیں دیکھا۔ سڑکوں کے اندر سے گھاس اگتی دکھائی دیتی ہے۔ بعض جگہوں پر کنکریٹ کے فرش ہوتے ہیں ان میں سے بھی گھاس اپنا سر نکال لیتی۔ امیر تیمور اسی علاقے میں پیدا ہوا۔ پہاڑی سفر کے دوران بل کھاتے راستے، سر سبز درخت، سر سبز پہاڑ، موسم انتہائی خوشگوار، لوگ انتہائی خوبصورت، شہر کی سڑکیں کھلی کھلی، دونوں طرف باغات دیکھ کر دل کو فرحت ملتی رہی۔ دوران سفر ٹیکسی ڈرائیور سے مولانا عبداللہ کی بات چیت ہوتی رہی۔ جب شہر میں پہنچے تو ڈرائیور نے پوچھا کہ اس شہر میں آپ کا کوئی واقف ہے؟ ہم نے کہا، نہیں۔ پوچھنے لگا کیوں آئے ہو؟ ہم نے کہا مشائخ کے مزارات پر ایصال ثواب کرنے کے لئے۔ کہنے لگا، پھر آپ پہلے میرے گھر چلیں۔ دوپہر کا کھانا کھائیں۔ بعد میں جہاں آپ کہیں گے وہیں چھوڑ آؤں گا۔

چنانچہ دوپہر کا قیام اس کے گھر پر رہا۔ عصر کی نماز قرہی مسجد میں پڑھی۔ بیان کے بعد امام سمیت کئی نمازی سلسلے میں داخل ہوئے۔ کئی لوگوں نے کھانے کی دعوت

دی۔ ہم نے بتایا کہ فلاں شخص ہمارا میزبان ہے۔ لوگ اس سے اجازت مانگنے کے لئے منت سماجت کرنے لگے۔ ڈرائیور کی بیوی نے کہا کہ ہمیں کیا پتہ کہ اتنے معزز مہمان ہیں جن کو گھر لے جانے کے لئے اتنے لوگ تڑپ رہے ہیں۔ اگلے دن ناشتے کے بعد شہر سبز کی زیارات کے لئے نکلے تو سترہ مقامی احباب بھی ساتھ تھے۔

۲ میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنا گیا

قرشی میں قرشی :

3 جون کو شہر سبز سے چل کر قرشی پہنچے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ شہر کی مساجد ابھی کھلی نہیں ہیں۔ لوگ گھروں میں ہی نماز پڑھ لیتے ہیں۔ ایک نوجوان نے ہمیں دیکھا تو کہا کہ میں آپ کو مسجد دکھاتا ہوں، وہ ہمیں مسجد بلال لے کر گیا۔ یہ مسجد رقبہ میں تو وسیع و عریض تھی مگر اس کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ چالیس چوں نے اللہ کے اس گھر کو آباد کر رکھا تھا۔ ان چوں کا امام ایک لڑکا تھا جس کی عمر 13 سال اور اس کا نام عارف بہرام تھا۔ مغرب کے بعد بیان ہوا تو سب بچے بیعت ہو گئے۔ جب ان چوں نے گھروں میں جا کر کارگزاری سنائی تو ان کے گھروں سے مستورات مسجد میں آگئیں کہ ہم نے بھی بیان سنا ہے۔ چنانچہ عشاء کی نماز کے بعد مستورات کے لئے بیان ہوا۔ آخر پر انہیں بیعت کے بعد مراقبہ کروایا گیا۔

رات کا قیام ایک عربی نوجوان کے گھر ہوا۔ اس گھر کی عورتیں خوشی کی وجہ سے ساری رات نہ سوئیں۔ فجر کی نماز سے پہلے پندرہ بچے فقیر کو لینے کے لئے آگئے۔ فجر کی نماز سے ظہر تک کا وقت چوں کے ساتھ مسجد میں گزارا۔ چوں کو اذان، اقامت،

نماز اور دعائیں وغیرہ سکھائیں۔ محفل ذکر و ختم خواجگان کا اجرا کیا گیا، عارف بہرام کو امیر بنایا گیا۔ بچوں نے جب رومال کے عمامے باندھے تو اتنے خوبصورت لگ رہے تھے جیسے کہ آسمان سے اتری ہوئی جماعت ہے۔ فقیر نے کہا کہ قرشی میں عرشی آگئے۔ مولانا عبد اللہ اس بات پر بہت خوش ہوئے۔

جزاک رو انگلی :

5 جون 1992ء جمعہ کے دن جزاک کی جامع مسجد میں پہنچے۔ مقامی مفتی صاحب نے میان کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے تو نمازیوں نے ہمارے لئے راستہ بنانا شروع کر دیا حتیٰ کہ ہم لوگ اگلی صف میں پہنچ گئے۔ خطیب صاحب نے جب فقیر کو دیکھا تو اپنی بات کو وہیں پہ سمیٹ دیا اور بغیر کسی تعارف کے فقیر کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ بقیہ میان ہمارے مہمان شیخ کریں گے۔ فقیر نے میان کیا اور مقررہ وقت پر ختم کر دیا۔ نمازیوں میں سے ایک صاحب نے کھڑے ہو کر کہا کہ آپ ابھی اپنا بیان اور کریں ہمیں بہت مزہ آرہا ہے۔ چنانچہ میان لمبا کرنا پڑا۔ نماز کے بعد کافی لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔

جب کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو فقیر نے دیکھا کہ مدرسہ کے چھوٹے چھوٹے بچے بڑے سلیقہ سے دسترخوان لگا رہے ہیں۔ برتن وغیرہ رکھ رہے ہیں۔ ان بچوں میں تربیتی رنگ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ایک چھوٹے سے بچے کو خطیب صاحب نے پکارا ”ملاں عبد الغفور“ تو وہ بھاگا ہوا آیا، فقیر کے لئے یہ بات نئی تھی۔ جب خطیب صاحب سے پوچھا کہ آپ اسے ملاں کیوں کہہ رہے ہیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ کیمونسٹ ظالموں نے دین کو ہر ممکن نقصان پہنچانے کی کوشش کی، حتیٰ کہ

انہوں نے ہمارے وہ القاب جو عزت و شرف کے لئے استعمال کئے جاتے تھے ان کو بہت ہی برے طریقے سے استعمال کرنا شروع کیا تاکہ لوگوں میں ان ناموں سے ہی نفرت ہو جائے، مثلاً ”ملاں“ کا لفظ وہ ایسے آدمی کے لئے استعمال کرتے جو مخلوط الحواس اور فائز العقل ہوتا۔ ہم نے اس کا توڑ یہ کیا ہے کہ جو چہ سب سے زیادہ ذہین اور قابل ہو، اول پوزیشن حاصل کرے اسے ملاں کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر بچہ کی تمنا ہے کہ مجھے ملاں کہا جائے۔ فقیر کا دل یہ سن کر باغ باغ ہو گیا۔

ایک مسلمان سے ملاقات :

کھانے کے بعد ایک عالم کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ چھ ہزار مسجدوں کے ائمہ و خطباء کے انچارج ہیں۔ وہ فقیر کو بڑی محبت سے ملے اور فرمانے لگے کہ آپ کے بیان نے ہمارے من کی دنیا کو روشن کر دیا ہے۔ ہمیں ایسی نصیحتیں سننے کی بڑی ضرورت ہے۔ آپ اگر وقت دیں تو جزاک کے ارد گرد کی بڑی بڑی جامع مساجد میں آپ کے پروگرام کروائے جاسکتے ہیں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ تو فرمانے لگے، مسلمان۔ فقیر نے سمجھا کہ مسلمان تو سب ہیں۔ فرمانے لگے کہ میرا نام بھی مسلمان ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ نام کے مسلمان ہیں، اس پر سب حاضرین کھٹکھٹا کر ہنس دیئے۔

فقیر نے سب حاضرین کو بتایا کہ دیکھو اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے سب لوگ اللہ کے بندے ہوتے ہیں مگر بعض لوگوں کا نام عبد اللہ رکھ دیا جاتا ہے، اسی طرح سب انبیاء کی امتیں اسلام پر زندگی گزارنے والی تھیں مگر امت محمدیہ کے دین کا نام ہی اللہ تعالیٰ نے اسلام رکھ دیا۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں

رضینا باللہ ربا و بمحمد نبیا و بالاسلام دینا

(ہم راضی ہو گئے ساتھ اللہ کے بطور رب ہونے اور ساتھ محمد کے بطور نبی

ہونے کے اور ساتھ اسلام کے بطور دین ہونے کے)

رات ہم نے وہیں مدرسہ ہی میں بسر کی۔

ذرا چکھ کے دیکھو :

اگلے دن خطیب صاحب نے بتایا کہ اس شہر کی بڑی مسجدیں دو عدد ہیں۔ ایک تو جس میں کل جمعہ کا خطبہ آپ نے دیا، دوسری قریب کے ایک محلے میں واقع ہے اور وہاں آپ کا جانا ضروری ہے۔ فقیر نے پوچھا، کیوں؟ کہنے لگے کہ وہاں کے خطیب صاحب کے سعودی عرب کے علماء سے تعلقات ہیں اس بنا پر وہ ذکر و سلوک والے سب لوگوں کو بدعتی، مشرک اور گمراہ کہتے ہیں۔ ہم نے حیثیت دوست کے بہت سمجھایا ہے مگر ان کے کان پہ جوں تک نہیں ریگتی۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ چیز اگر عوام الناس میں اٹھنی تو ہمارے ہاں بھی آپس کے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ فقیر نے کہا کہ جیسے آپ حکم دیں۔ انہوں نے فون پر ان خطیب صاحب سے رابطہ کیا اور بتایا کہ پاکستان سے ایک شیخ تشریف لائے ہیں، یہاں لوگوں کو بہت فائدہ ہوا ہے، میراجی چاہتا ہے کہ آپ کی مسجد میں بھی ان کا میان ہو جائے۔ خطیب صاحب نے کہا بہت اچھا۔

جب فقیر بہت سارے احباب کے ہمراہ ظہر کی نماز کے لئے وہاں پہنچا تو دیکھا کہ مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ امام صاحب عثمان خان سے ملاقات ہوئی۔ اس کے بڑے صاحبزادے کچھ کچھ کچھ سے نظر آ رہے تھے، جیسے کسی کو شک کی نظر سے دیکھ رہے ہوں۔ نماز کے بعد عثمان خان نے اسی کو مترجم بنا دیا۔ فقیر نے تزکیہ نفس اور

تصفیہ قلب کے عنوان پر بیان شروع کیا۔ جب دلیل کے طور پر قرآن مجید کی آیات یکے بعد دیگرے پڑھنی شروع کیں تو مجمع کے لوگوں نے جھومنا شروع کر دیا۔ ترجمان صاحب کی طبیعت میں بیزاری اور ناگواری واضح ہونے لگی۔ فقیر دس منٹ بیان کرے تو وہ دو منٹ میں اس کے متعلق خلاصہ بتادیں۔ اتنے میں مولانا عبداللہ نے حالات کو بھانپ لیا۔ وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور ساتھ آکر اس نوجوان سے کہا آپ تشریف رکھیں بقیہ بیان کا ترجمہ میں کرتا ہوں۔ الحمد للہ، مولانا نے ایسی ترجمانی کی کہ دل خوش کر دیا۔ میان اور مراقبہ کے بعد فقیر نے دعا کروادی۔ مولانا نے آہستہ سے پوچھا کہ بیعت کا اعلان کروں۔ فقیر نے کہا، رہنے دیں، امام خطیب مخالفت کریں گے۔ ہمارے پاس کھر اسودا ہے ان کو خود ہی پتہ چل جائے گا۔ مولانا نے اپنے سفر کے تاثرات و مشاہدات میان کرنا شروع کر دیئے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ سمر قندو خارا اور نمگان اور مرغلان کے بڑے بڑے علماء و مشائخ بیعت کر چکے ہیں تو انہوں نے بھی بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ جب بیعت کے لئے کپڑا پھیلایا تو امام صاحب اور ان کے بیٹے نے بھی پکڑ لیا اور بیعت کے کلمات پڑھے۔ بیعت کے بعد امام صاحب اور ان کے بیٹے کے قلب پر انگلی رکھ کر فقیر نے اسم ذات کی ضرب لگائی اور کہا کہ یہ ایک نعمت ہے آپ اس کا مزہ چکھ کے دیکھیں۔ جس دکاندار کے پاس کھر اسودا ہوتا ہے وہ نمونے کے طور پر اپنی چیز کا مزہ چکھا دیتا ہے۔ سب دلیلوں سے بڑی دلیل یہی ہوتی ہے۔ حاضرین محفل میں سے چند حضرات اصرار کرنے لگے کہ آج آپ ہمارے مہمان نہیں۔ امام صاحب نے جب دیکھا کہ نمازیوں کے دل ہی اس نے جیت لئے تو فرمایا، نہیں یہ میرے مہمان نہیں گے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ امام صاحب کے گھر پہنچے۔ بہت پر تحفہ دعوت کا انتظام کیا گیا تھا۔ گھر میں چیزوں کی ریل پیل، شاہانہ

نقشے مال و دولت کی فراوانی کی نشاندہی کر رہے تھے۔ کھانے کے دوران امام صاحب اپنی زبان سے بول پڑے کہ سعودی عرب کا تعاون حاصل ہے۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ ہر وقت ”یا شیخ“ کا وظیفہ کرنا کیسے ہے؟ فقیر نے انہیں اس کی تفصیل بتائی کہ بعض جاہل صوفیوں کی باتوں کو بنیاد بنا کر تمام مشائخ کی تردید کر دینا کہاں کا انصاف ہے؟ سعودی علماء کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بعض مشائخ کے غلبہء حال میں نگلی ہوئی باتوں کو انہوں نے بنیاد بنا کر تصوف کو خلاف اسلام کہنا شروع کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ تو ”احسان“ کا دوسرا نام ہے۔ کھوٹے کھرے کی تمیز کرنا علماء کا کام ہے۔ الحمد للہ امام عثمان خان کی ایسی ذہن سازی ہوئی کہ انہوں نے باقاعدہ مراقبہ کرنے کا طریقہ سیکھا اور وعدہ کیا کہ آئندہ ہم گمراہ صوفیوں کی مخالفت کریں گے، سب کی نہیں۔ فقیر نے کہا کہ گمراہ صوفیوں کے سب سے بڑے مخالف حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے اور فقیر نے اسی کے خوان کا ریزہ چسپ ہے۔ جب انہیں مکتوبات کی چند عبارتوں کے حوالے دیئے تو امام صاحب نے فرمایا، حضرت! آپ کا آنا ہمارے لئے باعث رحمت ہوا، ورنہ تو ہم خود ہی اسلاف کے طریقہ سے ہٹ جاتے۔

اگلے دن فجر کا ناشتہ ایک محلہ کی مسجد کے امام صاحب کے گھر پر تھا۔ ان کے بیٹے کمال الدین کے ہم سبق اور نمگان کے داؤد خان کے شاگرد تھے۔ اشراق کے وقت امام عثمان خان بھی وہاں پہنچ گئے۔ فقیر نے توحید کے عنوان پر بیان کرنا شروع کیا تو امام صاحب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ میان کے بعد عثمان خان نے اپنا ایڈریس دیا کہ حضرت میں آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا ہوں آپ مجھے بھی اپنے شاگردوں میں شامل فرمائیں۔ حاضرین محفل کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اسی محفل میں علاقہ کے بہت مشہور بزرگ حضرت مخدوم اعظمؒ کی اولاد کے دو

حضرات سعید اکبر اور سعید ابراہیم بیعت ہوئے۔ بڑے بھائی سعید اکبر صوفی منشی اور درویش صفت ہیں۔ علاقے کے لوگوں میں ان کو بڑی قبولیت حاصل ہے۔ انہوں نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ فقیر نے قبول فرمائی۔

ظہر کی نماز مسجد کلاں میں پڑھی، نماز کے بعد تقویٰ کے عنوان پر بات ہوئی۔ امام خطیب، نائب امام اور بہت سارے دوسرے نمازی بیعت ہوئے۔ عشاء کا بیان ایک زیر تعمیر بڑی مسجد کے صحن میں ہوا۔ یہاں نوجوان لڑکوں کی اکثریت نظر آئی۔ یہ مدرسہ میر عرب کے ایک استاد مولانا سعید اعظم کی محنت کا نتیجہ تھا۔ میان کا ترجمہ انہوں نے ہی کیا اور اس کے بعد بیعت ہونے کے لئے وہی سب سے پہلے آگے بڑھے، بس پھر کیا تھا سب حاضرین داخل سلسلہ ہوئے۔ الحمد للہ دو دن میں اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ کی ترویج کا کام خوب لیا۔

اگلے دن یہاں سے روانہ ہو کر تاشقند کے ہوٹل سیاحت میں پہنچے۔ جناب یعقوب تابانی نے کہا کہ حضرت! ہم نے آپ کے سفر کے احوال زبانی سن لئے ہیں، آپ اپنا سفر نامہ تیار کریں تاکہ دوسرے لوگوں کے لئے بھی فائدہ مند ہو سکے۔ فقیر نے ہاں میں جواب دیا۔ عباس خان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپ کی خبریں یہاں سب کو پہنچ گئی ہیں۔ ایک اخبار والے آپ کے مشاہدات و تاثرات معلوم کرنے کے لئے بار بار رابطہ کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے عام لوگوں کو بھی فائدہ ہو گا۔ آپ کل میرے ساتھ چل کر یہ کام ضرور کریں۔

ازبکستان ادبیاتی و صنعتی اخبار کو انٹرویو :

8 جون 1992ء کو عباس خان فقیر کو ایک دفتر میں لے گئے، جہاں اخبار کی مجلس

ادارت کے سب لوگ موجود تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک سلسلہء کلام جاری رہا۔ اگلے ہفتے اخبار کے فرنٹ صفحے پر آدھے صفحے کا انٹرویو شائع کیا گیا اور بیس لاکھ کی تعداد میں نشر ہوا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بعد کے جتنے سفر کئے لوگ اس اخبار کے انٹرویو کا تذکرہ کرتے رہے۔ دور دراز کے علاقوں کے علماء شہروں میں آکر بیعت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی اشاعت دین کا بہانہ بنا دیا۔

ریڈیو تاشقند کو انٹرویو :

16 جون 1992ء عباس خان کے ہمراہ ریڈیو تاشقند کے مرکزی دفتر میں پہنچے، اردو سیکشن کے ہاشم خان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمائش کی کہ آپ اپنی تلاوت ریکارڈ کروائیں ہم آئندہ اپنے اردو پروگرام کو شروع کرنے سے پہلے دیا کریں گے۔ چنانچہ فقیر نے چند سورتوں کی تلاوت ریکارڈ کروائی۔ ہاشم خان نے کہا کہ آپ اپنا میان بھی ریکارڈ کروائیں۔ فقیر نے دو مقالے لکھ لئے تھے، ایک کا نام تھا ”از بختین کے علمی ستارے“ جس میں از بختین کے علماء و صلحاء کے حالات و واقعات کا دلچسپ مجموعہ تھا۔ ہاشم خان اس کو پڑھ کر اچھل پڑے اور کہنے لگے کہ آپ اتنا اچھا لکھتے ہیں، ہم آپ کو یہاں سے کہیں نہیں جانے دیں گے۔ دوسرے مقالے کا عنوان تھا ”سکون دل حاصل کیجئے“ اس میں ذکر کرنے سے سکون دل کیسے ملتا ہے؟ اس کی تفصیل بتائی گئی تھی۔

واپسی پر عباس خان کہنے لگے کہ میں آپ کو انجینئر اور پیر سمجھتا تھا مگر آج پتہ چلا کہ آپ ادیب بھی ہیں۔ فقیر نے کہا، میاں ادب سیکھنے کی خاطر تو دور کے دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔ مگر وہ ادب نہیں جو شعر و شاعری والا ہوتا ہے بلکہ وہ ادب جس

کو نبی علیہ السلام نے فرمایا

الدین کلہ ادب (دین سارے کا سارا ادب ہی ہے)

کسی عارف نے کہا

ادبوا	النفس	ایہا	الاصحاب
طرق	العشق	کلہا	آداب



باب 3

تاجکستان کا سفر

20 جون 1992ء کو مولانا عبداللہ اور ابو عثمان فقیر کے پاس سیاحت ہوٹل میں تشریف لائے۔ ابو عثمان نے پوچھا کہ حضرت آپ کو یہاں کھانے وغیرہ کی کوئی دقت تو نہیں ہے؟ فقیر نے کہا، بالکل نہیں، اللہ تعالیٰ فقیر کی اوقات سے بڑھ کر اچھا اور اعلیٰ رزق کھلا رہے ہیں۔ پوچھنے لگے کہ آپ کو کھانا کھانے کے لئے نیچے ریسٹورنٹ میں جانا پڑتا ہے؟ فقیر نے کہا، نہیں، یہاں کمرے میں پہنچ جاتا ہے۔ ابو عثمان نے حیرت سے فقیر کے چہرے کو دیکھا تو اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ ابو عثمان نے دروازہ کھولا تو ایک روسی دوشیزہ گرم گرم کھانا لئے کھڑی تھی۔ اس نے فقر کو سلام کر کے اجازت مانگی کہ میں دسترخوان لگا دوں۔ فقیر نے کہا، ہاں۔ اس نے دسترخوان پر کھانا رکھا، پانی وغیرہ کا انتظام کیا اور پوچھا کہ میں خالی برتن لینے کس وقت آجاؤں؟ فقیر نے کہا، آدھے گھنٹے بعد۔ وہ لڑکی جب چلی گئی تو ابو عثمان کہنے لگے کہ حضرت! میں اور مولانا عبداللہ سوچ رہے تھے کہ آپ کو یہاں پر کھانے کی بڑی دقت ہوگی مگر اب تو ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ آپ کو شاہوں جیسی

عزت سے نوازتے ہیں۔ فقیر نے کہا، آئیں آپ کھانا کھائیں۔

دوپہر کا کھانا کھا کر ہم لوگوں نے تھوڑی دیر قیلولہ کیا، پھر چار بجے ریل گاڑی کے اسٹیشن پر پہنچے۔ ڈاکٹر منصور ہمیں چھوڑنے کے لئے آئے تھے۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ نکلٹ پر ماسکو کا وقت درج تھا۔ ازبکستان کا وقت ایک گھنٹہ پیچھے ہونے کی وجہ سے ہمیں ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑے گا۔ ہم لوگ کار سے نکل کر قریب ہی کھڑے ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں لوگ مصافحہ اور دعا کے لئے فقیر کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے۔

اچانک ایک طرف سے آواز آئی ”بھائی ذوالفقار صاحب کیا حال ہیں؟“ فقیر نے ادھر ہڑ کر دیکھا تو انجینئرنگ یونیورسٹی کے ایک ہم جماعت کو کھڑے پایا۔ ان سے ملاقات ہوئی، بتانے لگے کہ میں آج کل چکوال کے علاقے میں انجینئر ہوں، تبلیغی جماعت کے ساتھ یہاں آیا ہوں، جماعت دو شنبہ جارہی ہے۔ فقیر سے پوچھنے لگے، آپ یہاں کیسے؟ فقیر نے کہا کہ دو شنبے جانے کا ارادہ ہے۔ پوچھا، آپ پاکستان سے اکیلے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا، دیکھنے میں اکیلا مگر حقیقت میں تو اللہ تعالیٰ ساتھ ہے۔ پھر مولانا عبداللہ اور ابو عثمان کو پاس کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگے کہ یہ بھائی کون ہیں؟ فقیر نے کہا، رفیق سفر ہیں۔ پوچھا کہ آپ ان کو ساتھ رکھنے کے پیسے دیتے ہیں؟ فقیر نے کہا، کیا آپ اپنے ساتھ جماعت میں چلنے والوں کو پیسے دیتے ہیں؟ کہنے لگے، نہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں چل رہے ہوتے ہیں۔ فقیر نے کہا، تو کیا ہم شیطان کی راہ پر چل رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرا مطلب ہے کہ ہم تو دعوت الی اللہ کے لئے جا رہے ہیں، آپ شاید روس کی سیر کر رہے ہوں۔ فقیر نے کہا، اپنی غلط فہمی دور کر لیں، ضروری نہیں ہوتا کہ آٹھ دس مدے ہوں تو جماعت کھلائے کبھی کبھی ایک مدہ بھی جماعت ہوتا ہے۔ ان ابراہیم کان امۃ (بے شک اللہ انہیں ایک امت تھے)۔ اس نے پوچھا کہ آپ یہاں کیا کرتے ہیں؟ فقیر نے کہا، اللہ اللہ کرتا بھی ہوں، کروا تا بھی

ہوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہ کر کہنے لگے، آپ ہمارے ساتھ سفر کریں۔ فقیر نے کہا، انشاء اللہ، ایک ہی ریل گاڑی ہے، 20 گھنٹے کا سفر ہے ملاقات رہے گی۔ کہنے لگے، آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتادیں۔ فقیر نے کہا، ضرورتیں پوری کرنے والا ہر وقت ساتھ ہے، نہ اسے نیند آتی ہے، نہ اونگھ آتی ہے نہ ہی تھکتا ہے۔ یہ سن کر وہ مسکرائے اور کہنے لگے آپ یونیورسٹی میں بھی ایسی ہی معنی خیز باتیں کرتے تھے۔ فقیر نے کہا تو کیا بے معنی باتیں کیا کروں؟ کہنے لگے، اچھا السلام علیکم۔

مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان اندازہ لگا چکے تھے کہ فقیر اس نوجوان سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔ پوچھنے لگے، حضرت! یہ کون تھے؟ فقیر نے بتایا کہ ہم جماعت تھے۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور ریل گاڑی کے پلیٹ فارم پر جانے کے لئے کاؤنٹر کھل گیا۔

دو شنبہ کا سفر :

وسط ایشیا کی ریاستوں میں ریل گاڑی کا سفر بہت آرام دہ اور محفوظ سفر سمجھا جاتا ہے۔ ریل گاڑی کی سیٹیں بہت اچھی، کمرے صاف ستھرے، ہر کمرے میں چار آدمیوں کے لئے بیٹھنے اور سونے کی جگہ اور ہر چند کمروں پر ایک نگران تعینات ہوتا ہے۔ ریل گاڑی میں بہت بڑا ریسٹورنٹ کا کمرہ ہوتا ہے جہاں کھانے پینے کی سہولت موجود ہوتی ہے۔

جب ہم لوگ گاڑی میں سوار ہوئے تو تین سیٹیں تو ہماری تھیں، چوتھی سیٹ ایک نیم عربیوں روسی لڑکی کی تھی۔ اس نے بہت جلد محسوس کر لیا کہ اس کا یہاں گزارنا نہیں ہوگا۔ لہذا اس نے ساتھ والے کمرے میں جا کر ایک آدمی سے اپنی سیٹ کا تبادلہ کر لیا اور یوں ہم لوگوں کو بھی بیٹھنے انھنے کی سہولت ہو گئی۔

ریل گاڑی کے ڈبے اس طرح ملے ہوتے ہیں کہ گاڑی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اندر ہی اندر جاسکتے ہیں۔ ابھی ہم آپس میں نماز کے اوقات کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ دونوں جوان کمرے میں داخل ہوئے۔ مولانا عبداللہ ان کو دیکھ کر اچھل پڑے اور بڑی محبت سے ان سے گلے ملے۔ پھر فقیر سے تعارف کروایا کہ یہ تاشقند میں طلحہ شیخ کے مدرسہ کے طالب علم ہیں۔ انہوں نے مزید بتایا کہ ہم کم و بیش 50 طلباء ہیں، آج ہمیں مدرسہ سے سالانہ چھٹیاں ہوئی ہیں لہذا ہم سب دو شنبہ جا رہے ہیں۔ طلباء آپ کو ملنے کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ فقیر نے کہا بہت اچھا، ہمارا سفر خوب گزرے گا۔ مگر آپ لوگ 6 یا 7 کی تعداد میں آئیں تاکہ کمرے میں آسانی سے بیٹھ سکیں۔ اس کے بعد طلباء نے گروہ درگروہ آنا شروع کر دیا۔ فقیر نے بھی وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں تبلیغی بھائی بھی آگئے، جب انہوں نے کمرہ بھر اہوا دیکھا تو حیران ہوئے۔ فقیر نے انہیں اپنے ساتھ بٹھالیا، وہ وعظ بھی سنتے رہے اور لوگوں کے تاثرات کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ طلباء نے میان کے بعد کہا کہ ہم بیعت ہونا چاہتے ہیں، چنانچہ انہیں سلسلہ عالیہ میں داخل کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرا گروپ آگیا۔ پھر تھوڑی دیر میان کے بعد انہیں بیعت کیا۔ کافی دیر تک رات گئے یہ محفل جاری رہی تو فقیر کے ہم جماعت کہنے لگے، مجھے اندازہ نہیں تھا کہ پروانے شمع پر اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں۔ فقیر نے کہا کہ مقصد ہم سب کا ایک ہی ہے، بس دین کی محنت کے دو مختلف انداز ہیں اور دونوں ٹھیک ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے سے محبت و پیار کا تعلق رکھتے ہوئے دین کا کام کرنا چاہئے۔ وہ فرمانے لگے کہ ہماری جماعت کے دوست بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ فقیر نے کہا، میرے لئے بڑی سعادت ہوئی۔ چنانچہ جماعت کے دوست آئے تو ہم سب نے مل کر کھانا کھایا۔

ہم لوگ نماز کے اوقات میں باجماعت نماز پڑھتے رہے۔ سفر دیکھنے میں تو ستر

مگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے وسیلہء ظفر بنا دیا تھا۔ 20 گھنٹے کا یہ سفر خدا خدا کر کے ختم ہوا۔ دو شنبہ کے ریلوے اسٹیشن پر اتر کر ٹیکسی لی اور شہر نو کی طرف روانہ ہوئے۔

شہر نو کے تین بھائی :

شہر نو کے تین نوجوان حبیب اللہ، محبت اللہ اور مطیع اللہ، بخارا میں حضرت تیشہ بابا کے گھر پر بیعت ہوئے تھے اور انہوں نے دو شنبے آنے کی دعوت دی تھی۔ فقیر نے ہاں تو کر دی تھی مگر وقت کا تعین نہ کر سکا۔ اب اسی ایفاءِ عہد کی بنا پر ان کے گھر جا رہے تھے۔ ارد گرد کا پہاڑی علاقہ بہت خوبصورت تھا، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ تھا، گھر نہایت کھلے کھلے تھے۔ ہر گھر کے صحن میں چمن بنا ہوا تھا، دیواروں پر انگوروں کی بلیں اس طرح چڑھی ہوئی تھیں جیسے کسی نے ان کو دیوار کے ساتھ چپکا دیا ہو۔ مد فانی آبشاروں کا پانی چھوٹے چھوٹے نالوں کی شکل میں گھروں کے صحن سے گزرتا تھا۔ یہاں کے لوگوں کی زندگی میں نسبتاً سکون تھا۔ مغربی دنیا کی طرح بھاگ بھاگ والی زندگی یہاں نہیں تھی۔

ٹیکسی جب ایک گھر کے بڑے سے دروازے پر رکی تو مولانا عبد اللہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ حبیب اللہ نے دروازہ کھولا تو زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اس کی آواز سنتے ہی باقی دونوں بھائی بھی آگئے۔ عورتیں دور کھڑی نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ کو تار کے ذریعے ہماری آج کی آمد کا پیغام مل گیا؟ تو انہوں نے کہا، نہیں۔ فقیر نے کہا، معاف فرمائیں ہم نے آپ کو پیشگی اطلاع کے بغیر آکر پریشان کیا۔ حبیب اللہ نے جواب دیا آپ پہلے اندر آئیں پھر بات کریں گے۔

مؤمن کی فراست :

جب مکان کے اندر گئے تو ایک کمرے میں تین بستر تھے ہوئے تھے، دستہ خوان

پر تین پلیٹیں رکھی ہوئی تھیں، کمرہ صاف ستھرا جیسے کسی مہمان کی خاطر سجایا گیا ہو۔ جیسے ہی ہم بیٹھے گرم گرم کھانا دسترخوان پر چن دیا گیا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ حبیب اللہ نے بتایا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بزرگ رہتے ہیں ہم کچھ دن پہلے انہیں ملنے کے لئے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں دن تمہارے گھر میں تین مہمان آئیں گے۔ ان میں سے ایک نقشبندی شیخ ہوں گے۔ تم ان کا اکرام کرنا اور مجھے بھی اطلاع کرنا تاکہ میں بھی سلام کے لئے حاضر ہو سکوں۔ آج وہ دن تھا ہم تینوں بھائیوں نے دفتر سے چھٹی لی وگرنہ دن کے اوقات میں ہمارا گھر پر ملنا بہت مشکل ہے۔ الحمد للہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ تین ہسٹر لگے ہوئے ہیں اور کھانے کا انتظام موجود ہے، آپ کھانا تناول فرمائیں۔ ہمارے گھر پر تورحت اور برکت کا نزول ہو رہا ہے۔

کھانے سے فراغت پر ہم لوگ گمری نیند سو گئے۔ اٹھنے کے بعد ظہر کی نماز ادا کی تو چائے تیار تھی۔ فقیر نے حبیب اللہ سے پوچھا کہ فقیر کو تاجکستان کے بارے میں کچھ بتائیں، چونکہ اس طرف پہلی مرتبہ آنا ہوا ہے۔

خوبصورت لوگ خوبصورت ملک :

حبیب اللہ نے بتایا کہ کمیونسٹ انقلاب سے پہلے تاجکستان کا شمالی علاقہ 1868ء سے زار روس کے تسلط میں تھا، جب کہ جنوبی علاقہ امیر خٹار کی ریاست کا حصہ تھا۔ انقلاب کے بعد کئی سال تک یہ علاقہ ازبکستان کی سوویت جمہوریہ کا حصہ رہا۔ پھر 1929ء میں شاملین نے تاجکستان کی جمہوریہ تشکیل دی، اس کی سرحدیں اس طرح کھینچیں کہ سر قند اور خٹار اسمیت آدھا تاجک علاقہ ازبکستان میں شامل کر دیا اور باقی حصے پر نئی جمہوریہ بنادی۔ چنانچہ ازبکستان میں 80 لاکھ تاجک ہیں جب کہ تاجکستان میں دس لاکھ ازبک رہتے ہیں۔

تاجکستان کی جمہوریہ کا رقبہ صرف ایک لاکھ 43 ہزار مربع کلومیٹر ہے، لیکن اس کی اہمیت اس بنا پر بہت زیادہ ہے کہ اس کے مغرب میں ازبکستان ہے، شمال میں کرغیزستان ہے، مشرق میں چین اور جنوب میں افغانستان ہے۔ جہاں واخان کی باریک سی پٹی تاجکستان کو پاکستان سے جدا کرتی ہے۔

تاجکستان خوبصورت پہاڑوں کا خوبصورت ملک ہے۔ یہاں کے باشندے بھی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ ان کی زبان فارسی یعنی تاجی ہے۔ تاجکستان کی آبادی 33 لاکھ کے قریب ہے جن میں سے 17 لاکھ تاجک ہیں باقی ازبک، روسی اور تاتار وغیرہ لوگ ہیں۔

فقیر نے پوچھا کہ دوشنبے کے بارے میں کچھ بتائیں۔ حبیب اللہ نے کہا کہ وادی حصار کے ایک دریا کا نام دوشنبہ ہے اس کے کنارے چھوٹا سا قصبہ دوشنبہ کے نام سے آباد تھا مگر جمہوریہ بننے کے بعد اس قصبے کو شہر بنا دیا گیا۔ درمیان میں اس کا نام شالن آباد رکھا گیا تھا مگر پھر بدل کر دوشنبہ ہی رکھا گیا۔ یہاں کی ایک بڑی سڑک خیابان رود کی ہے سارا شہر اس کے ارد گرد آباد ہے۔

انہی باتوں کے دوران قریبی آبادی سے ملنے والے لوگ آنا شروع ہو گئے تو ہم لوگ ان سے ملاقات میں مشغول ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں میان ہوا لوگ سلسلہء عالیہ میں داخل ہوئے۔ عشاء کے بعد ہم لوگ گھر پہنچے تو مستورات نے بیان کا تقاضا کیا۔ میان، مراقبہ اور بیعت سے رات کو بارہ بجے فارغ ہوئے اور گہری نیند سو گئے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب چرخئی:

سو موار کے دن محبت اللہ کے ہمراہ دوشنبے گئے اور حضرت مولانا محمد یعقوب چرخئی

کے مزار پر انوار پر حاضری دی۔ حضرتؒ سے افغانستان کے لوگ اس قدر زیادہ بیعت ہوئے تھے کہ انہوں نے خانقاہ کی خدمت اپنے ذمے لے لی اور ابھی تک خانقاہ کی خدمت افغانستانی باشندے کرتے ہیں۔ مولانا یعقوب چرخئیؒ تاجر عالم اور سوز عشق رکھنے والے کالمین میں سے تھے۔ آپ نے قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی مگر مکمل کرنے سے پہلے ہی راہی عدم ہو گئے۔ ایصالِ ثواب کے بعد جب ملحقہ مسجد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ وہاں فقیر کے ہم جماعت مع دوسرے تبلیغی بھائیوں کے موجود تھے۔ سب خوشی خوشی ایک دوسرے سے ملے۔ فقیر کے ہم جماعت پوچھنے لگے کہ آپ تو تاشقند سے تین حضرات آئے تھے۔ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ پوچھنے لگے کہ ابھی تو بیس کے قریب لوگ ہیں۔ فقیر نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگے کہ یہ مقامی لوگ پہلے سے واقف تھے یا ابھی واقف بنے ہیں؟ فقیر نے کہا، ابھی یہاں آنے کے بعد سلسلے میں داخل ہوئے ہیں۔ محبت کی بنا پر ساتھ ساتھ پھر رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہم آٹھ آدمیوں نے کل سارا دن محنت کی تو صرف چار آدمی تیار ہوئے۔ جب کہ آپ بیس آدمیوں کو ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ فقیر نے کہا

۔ ایں سعادت بزور بازو نیست

تا نہ خشد خدائے عظیمہ

(یہ نیک بختی قوتِ بازو سے حاصل نہیں ہوتی جب تک عیش کرنے والا

خداوند کریم عیش نہ کرے)

اتنے میں مسجد کے مؤذن آئے اور فقیر سے مل کر کہنے لگے کہ آپ نے جمعہ کی نماز ہماری مسجد میں پڑھائی ہے۔ یہاں بہت زیادہ مجمع ہوا ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا، حکم کی تعمیل ہوگی۔ فقیر کے ہم جماعت نے کہا کہ جمعہ کے دن ہم لوگ دوسری جگہ چلے جائیں گے لہذا آپ تھوڑی دیر ہمارے دوستوں کو نصیحت فرمائیں۔ ان کے

اصرار پر فقیر نے علم و ذکر کے عنوان پر چند باتیں گوش گزار کیں۔ محبت اللہ صاحب خاموش نگاہوں سے کبھی فقیر کی طرف دیکھتے اور کبھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتے۔ یہ واضح اشارہ تھا کہ ہمیں زیارت کے لئے اگلی جگہ جانا ہے اور وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ چنانچہ فقیر نے دعا کروادی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام الناس کی ہدایت کے لئے پوری دنیا میں تبلیغ کے نام سے ہونے والی محنت کشتی نوع کی مانند ہے اور جو شخص اس محنت میں لگ جائے وہ و من دخلہ کان امناً (اور وہ شخص جو اس میں داخل ہو وہ امن والا ہو جائے گا) کا مصداق بن جاتا ہے۔

حضرت خواجہ مخدوم اعظمؒ :

دو شے سے روانہ ہو کر وادی حصار میں پہنچے۔ یہ چاروں طرف سے پہاڑوں کے دامن میں پھیلی ہوئی وسیع و عریض زمین کسی زمانے میں ملک حصار کہلاتی تھی۔ اس وقت کے بادشاہ نے یہاں شاہی قلعہ بھی تعمیر کروایا۔ قریب ہی ایک نہایت خوبصورت باغ بھی بویا۔ اگرچہ اس وقت تمام عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی تھیں تاہم

کھنڈر بتا رہے ہیں عمارت عظیم تھی

انہی محلات کے قریب حضرت خواجہ مخدوم اعظمؒ کا مزار واقع ہے۔ امیر کے محلات کے قریب میں کاخ فقیر کی کو دیکھ کر حیرت ہوئی۔ فقیر نے اندازہ لگایا کہ شاید وقت کے شاہی خاندان کے افراد حضرت مخدوم اعظمؒ سے بیعت ہوں گے اور خاندانی شیخ کی نسبت سے انہوں نے حضرت کی وفات کے بعد ان کا مزار شاہی محلات کے ساتھ ہی بویا ہوگا۔

جسے اللہ رکھے :..... :

شہر نو میں ”تاش“ نامی ایک بستی لوگوں کے لئے عبرت کا نشان بنی ہوئی تھی۔ اس بستی کے لوگ کیونسٹ بن گئے تھے اور عریانی و فحاشی میں حد سے بہت آگے نکل گئے تھے۔ محبت اللہ نے بتایا کہ ایک رات اس بستی کے لوگ میٹھی نیند سو رہے تھے کہ اچانک زلزلہ آیا۔ سب لوگ جاگ گئے اور گھروں کے صحن میں نکل آئے۔ کچھ دیر کے بعد زلزلہ ختم ہو گیا تو لوگ کمرؤں میں آکر دوبارہ سو گئے۔ اچانک دوبارہ اس طرح زلزلہ آیا کہ اس نے بستی کو تھس تھس کر دیا۔ بستی کے سب لوگ مر گئے۔ سوائے ایک دودھ پیتے چے کے۔ سچ ہے کہ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔ فقیر نے محبت اللہ سے کہا کہ نبی علیہ السلام کی سنت مبارکہ یہی ہے کہ جس جگہ پر عذاب نازل ہوا ہو وہاں سے استغفار کرتے ہوئے تیزی سے نکل جانا چاہئے۔ چنانچہ سب احباب گاڑیوں میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پر اتنی وحشت اور ہیبت تھی کہ اس کا اثر تین دن تک ہم اپنے دلوں میں محسوس کرتے رہے۔ آج بھی جب اس تباہ شدہ بستی کا منظر آنکھوں کے سامنے گھومتا ہے تو بدن میں جھرجھری سی آجاتی ہے اور زبان پر یہ آیت جاری ہو جاتی ہے۔

فلکاین من قرية اهلکنها و هی ظلمة فہی خاویة علی

عروشها و بنر معطله و قصر مشید

(کتنی بے حیا ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا جو ظلم کرنے والی تھیں سودہ اپنی چھتوں پر

گری پڑی ہیں اور کتنے ہی کنویں ہیں جو بے کار ہیں اور کتنے ہی محل ہیں مضبوط)

عاشق خدا معمار :

23 جون کو شہر نو سے تقریباً 40 کلومیٹر دور واقع ایک قبرستان میں حاضری دی

یہاں پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک عظیم المرتبت شیخ آرام فرما تھے۔ جن کا نام بھی عارف تھا اور وہ اسم بامسمیٰ بھی تھے۔ حکومت نے اس مزار کو آثار قدیمہ کے تحت محفوظ کیا ہوا تھا۔ اس عمارت کی خاص بات یہ تھی کہ یہ اینٹوں سے بنائی گئی تھی اور بناوٹ کی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ فقیر نے جب دیواروں کو غور سے دیکھا تو پتہ چلا کہ اینٹیں اس ترتیب سے جوڑی گئی ہیں کہ چند اینٹیں مل کر اللہ تعالیٰ کا نام ”اللہ“ بن جاتی ہیں۔ سبحان اللہ، ہمارے مشائخ کتنے کامل تھے کہ ان کی خدمت میں رہنے والے معماروں کے دلوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت اتنی رچ بس گئی تھی کہ وہ دیوار بناتے ہوئے اینٹیں اس ترتیب سے جوڑتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نام بن جاتا تھا۔

۷ میں نے تو یونہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں

دیکھا جو غور سے تری تصویر بن گئی

بعض جگہوں پر اینٹوں سے دل کی تصویر بنائی گئی تھی اور اس کے اندر لفظ اللہ لکھا گیا تھا۔ عجیب ستانے لوگ تھے کہ اینٹ گارے کے کھیل میں اپنے مالک و خالق کا نام لکھتے لکھتے دیواریں تعمیر کر دیا کرتے تھے۔

مسجد خواجہ محمد عارف ریوگری:

مزار پر حاضری دے کر فارغ ہوئے تو قرسی قصبہ ریوگر کی جامع مسر میں ظہر کی نماز ادا کی۔ امام صاحب نے بیان کی فرمائش کی۔ الحمد للہ بیان کے بعد کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ مقامی لوگوں میں ذکر کے اثرات بہت نمایاں تھے۔ یہاں ایک ایسے صاحب بھی بیعت ہوئے جو صائم الدہر تھے، فقیر نے انہیں ”صوم داؤدی“ کی ترتیب پر عمل کرنے کا مشورہ دیا۔ نوجوان لوگوں کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ میان کے بعد کھانا کھایا، جس کے بعد ایک مقامی بزرگ حضرت ایشاں بابا

بیعت ہوئے۔ فرمانے لگے کہ مراقبہ معیت تک کے اسباق اپنے شیخ سے کئے ہیں، اگلے اسباق کے لئے آپ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ فقیر نے عرض کیا کہ قاصد کا کام تو ڈاک پہنچانا ہے۔ فقیر تو آپ حضرات کے جوتوں میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ اس پر ایشاں ببارو نے لگ گئے تو حاضرین محفل پر بھی گر یہ طاری ہو گیا۔

عاشقِ داکمِ رونا دھونا کن رونا شمسِ منظوری
دلِ رُوئے چاہے اکھیاں رُوونِ دُجِ عشقِ دے رونا ضروری
کوئی تے رُوونِ دیدِ وی خاطر کوئی رُووندے دُجِ حضورِ نبی
اعظمِ عشقِ دُجِ رونا پیندا بھادیس وصل ہووے بھادیس دوری

امیر شکور سے ملاقات :

ریوگر سے فراغت پر محبت اللہ ہمیں ایک نواب کے گھر لے گئے۔ جنہوں نے رات کے کھانے کی دعوت دی تھی اور مقامی علماء صلحاء کو بھی مدعو کیا تھا۔ ہمیں اس وقت کھانے کی اتنی طلب نہیں تھی جتنی طلب اس بات کی تھی کہ آج مقامی علماء و مشائخ کی زیارت نصیب ہوگی۔ وہاں پہنچ کر تھوڑی دیر آرام کیا، پھر اٹھ کر عصر کی نماز ادا کی۔

عصر کے بعد فقیر نے اپنے مشائخ کے اقوال سنانے شروع کئے تو اتنی دیر میں ایک صاحبِ دفلے کر آگئے اور پڑھنے لگے۔

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ

کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کمن کا چارہ

آواز میں حیران کن حد تک کشش تھی۔ محفل پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ فقیر کو اس وقت محسوس ہوا کہ یہ لوگ علامہ اقبال کے کلام کے شیدا ئی ہیں۔ جب غزل ختم ہوئی

تو امیر شکور نے فقیر کی طرف دیکھ کر پڑھا۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

فقیر نے کہا کہ امیر شکور! آپ آج تک باہر کی غزلوں پر ہی فریفتہ رہے ہیں، آئیں آج آپ کے دل کے تار چھیڑ دیں تاکہ اندر کی آواز بھی سن سکیں۔ یہ کہہ کر فقیر نے امیر شکور کے لطیفہ قلب کی نشاندہی کر دی۔ امیر شکور پر جذبہ طاری ہو گیا اور اس نے اونچی آواز میں اللہ اللہ اللہ کننا شروع کر دیا۔ گھر سے مستورات بھی باہر نکل آئیں، بچ کھیل کود چھوڑ کر قریب آگئے، امیر شکور دیوانہ وار اللہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ جب ذرا طبیعت حال ہوئی تو امیر شکور نے فقیر کے پاؤں پکڑ کر کہا ”آپ کا احسان ہے کہ آپ نے مجھے ایک نئی دنیا سے روشناس کروادیا۔“ قریب بیٹھے ہوئے ایک عالم نے شعر پڑھا۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کر دی

مرا یا جان جان ہماز کر دی

(اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری چشم بصیرت کھول کر

مجھے محبوب حقیقی کا ہماز بنا دیا)

مقامی علماء امیر شکور کی حالت و کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ رات کھانے کے بعد سب حاضرین محفل نے بیعت کی۔ الحمد للہ، بہت شکار ملا۔ حضرت مرشد عالم سے کسی محفل میں جب بہت زیادہ لوگ بیعت ہوا کرتے تھے تو حضرت مرشد عالم تفنن طبع کے طور پر مسکرا کر فرمایا کرتے تھے ”الحمد للہ، آج خوب شکار ملا۔“

مقامات فضلیہ میں لکھا ہے کہ حضرت قریشیؒ نے ایک مرتبہ بہت زیادہ لوگوں کو توبہ کروا کر سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ رات کے وقت خواب میں شیطان کو دیکھا

کہ گم رہا ہے آپ نے میری محنت پر پانی پھیر دیا۔ حضرت قریشیؒ نے خواب میں ہی اس مردود کو کہا کہ میں انشاء اللہ آئندہ اس سے بھی زیادہ لوگوں کو اللہ سکھاؤں گا اور تجھ سے ہٹا کر ان کو مولیٰ کے در پر جھکاؤں گا۔

نیم شب کی شاہی :

24 جون بدھ کے دن تہجد کے نوافل ادا کرتے ہی دو بڑی کاروں پر ترند کی طرف روانگی ہوئی۔ راستے میں ایک جگہ ملک سنجرم کے بادشاہ کا محل دیکھا، ایساں ثواب کے وقت فقیر کو ایک واقعہ یاد آ رہا تھا۔ نیروز کے علاقہ میں ایک بزرگ یار الہی میں مشغول رہتے اور اپنے متعلقین کو خوب اللہ اللہ سکھاتے۔ حتیٰ کہ ان کی خدمت میں ہر وقت دو تین سو سالکین حاضر رہتے۔ علاقے میں ان کی دھوم مچی۔ ملک سنجرم کے بادشاہ کو جب ان کے حالات و واقعات کا پتہ چلا تو اس نے ازراہ عقیدت یہ فیصلہ کیا کہ نیروز کا علاقہ اس بزرگ کو بہہ کر دیا جائے تاکہ وہ اپنے مہمانوں کے قیام و طعام کا بد و بست آسانی سے کر سکیں۔ چنانچہ اس نے ایک رقعہ لکھ کر اپنے نمائندے کو اس بزرگ کی خدمت میں بھیجا کہ میں نے آج سے نیروز کے علاقے کی شاہی آپ کے حوالے کر دی، اس بزرگ نے رقعہ پڑھا تو اس کی دوسری طرف دو باتیں لکھیں۔

- (۱) میرے خت کالی رات کی طرح سیاہ ہو جائیں اگر میں تیری پیشکش کو قبول کروں۔
- (۲) جب سے مجھے نیم شب کی شاہی نصیب ہوئی ہے اس وقت سے نیم روز کی بادشاہی مجھ کے پر کے برابر بھی نہیں رہی۔

مولانا رومؒ نے اس واقعہ کی طرف درج ذیل اشعار میں اشارہ کیا ہے

چوں چتر سنجرى رخ حتم سیاہ باد
در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم

زانگہ بہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب
 من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم
 {میرا چہرہ سنجر بادشاہ کے چتر کی طرح سیاہ ہو جائے اگر میرے دل میں ملک
 سنجر کی ہوس پیدا ہو جائے۔ جب سے مجھے نیم شب (تجد کے وقت) کی
 شاہی ملی ہے مجھے نیروز کی بادشاہی ایک جو کی قیمت بھی معلوم نہیں ہوتی}
 فقیر ملک سنجرم کے مقبرہ کو دیکھ کر عبرت حاصل کر رہا تھا کہ روئے زمین پر
 حکومتیں کرنے والے آج زیر زمین جکڑے پڑے ہیں۔ اتنے میں بہادر شاہ ظفر کے
 درج ذیل اشعار یاد آئے

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
 جو کسی کے کام نہ آسکے میں وہ ایک مشت غبار ہوں
 میرا رنگ روپ بجز گیا میرا یار مجھ سے ٹھہر گیا
 جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اسی کی فصل بہار ہوں
 کوئی مجھ پہ آنسو بہائے کیوں کوئی مجھ پہ دیپ جلائے کیوں
 کوئی مجھ پہ پھول چڑھائے کیوں کہ میں بے کسی کا مزار ہوں
 فقیر انہی گہری سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ محبت اللہ نے قریب آکر کہا، ”حضرت!
 ابھی بہت لمبا سفر باقی ہے، یہاں سے چلنا چاہئے۔“

ٹینکوں کا قبرستان :

دن کے دس بجے آمودریا کے کنارے واقع ترمذ شہر میں پہنچے۔ یہ افغانستان کا
 دروازہ کہلاتا ہے اور افغانستان کی جنگ میں روسی فوج کے حملے اور سپلائی لائن کا مرکز
 رہا ہے۔ یہاں پر سڑک کے دونوں اطراف میں ہزاروں ٹینک اور بختہ بد گاڑیوں کو

کھڑے ہوئے دیکھا۔ محبت اللہ نے بتایا کہ یہ سب گاڑیاں اور ٹینک خراب ہو چکے ہیں۔ افغانستان کی جنگ میں روس کو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ فقیر ٹینکوں کے قبرستان کو دیکھ کر سوچ رہا تھا کہ

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة م باذن الله و الله مع

الصابرين

(کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ ایک چھوٹی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آگئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) واقعی اللہ رب العزت جب ارادہ فرما لیتے ہیں تو چڑیوں سے باز مروادیا کرتے ہیں۔

حکیم ترندی کا مزار :

حکیم ترندیؒ اپنے وقت کے بڑے علماء و صلحاء میں شمار ہوتے تھے۔ ان کا مزار آمو دریا کے کنارے پر واقع ہے۔ دریا کے دوسری طرف افغانستان کا مشہور شہر مزار شریف ہے۔ حکیم ترندیؒ نے چین میں کئی اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا۔ پھر طب کی دنیا میں اپنا نام پیدا کیا۔ خانقاہ کے متولی نے فقیر کو حکیم صاحبؒ کا مطب دکھایا۔ زیر زمین بنے ہوئے تہ خانے دکھائے جہاں حکیم صاحبؒ اپنے بعض مریضوں کو رکھتے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ زیر زمین ہسپتال بنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم صاحبؒ کو طبیب جسمانی کے ساتھ ساتھ روحانی بھی بنایا تھا۔ ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آکر درد دل کی دوا لیتے رہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال سے بھی نوازا تھا۔ آپ کی جوانی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک جوان عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میں آپ پر فریفتہ ہوں، ملنے کے لئے آئی ہوں، تنہائی ہے آپ میری مراد پوری

کریں۔ آپ کے دل پر خوف الہی اس قدر غالب آیا کہ آپ رونے لگ گئے۔ عورت یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئی اور واپس چلی گئی۔ آپ چند دن کے بعد اس واقعہ کو بھول گئے۔ ایک مرتبہ آپ وضو کر رہے تھے، بڑھاپا آچکا تھا کہ اچانک دل میں اس عورت کا واقعہ یاد آیا تو ساتھ ہی خیال آیا کہ مجھے چاہئے تھا کہ اس عورت کی خواہش پوری کر دیتا اور بعد میں گناہ سے توبہ کر لیتا۔ یہ خیال دل میں ایسا جھاک نکلنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ آپ بارگاہ الہی میں سجدہ ریز ہوئے اور خوب رو رو کر دعا مانگی۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں سو گئے۔ آپ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا، حکیم ترندی!! اتنے مغفوم کیوں ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے آقا ﷺ! جوانی میں خوف خدا غالب تھا کہ دعوت گناہ کے باوجود گناہ کی طرف میلان پیدا نہ ہوا اور اب بڑھاپے میں میری حالت اتنی بجزو گئی ہے کہ نفس میں گناہ کی رغبت موجود ہے، دل کہہ رہا ہے کہ تو نے اس وقت گناہ کر لیتا تھا، افسوس کہ میں اپنے بال سفید کر بیٹھا مگر دل کو سیاہ کر لیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا ”بات یہ ہے کہ جب تم جوان تھے تو وہ وقت میرے زمانے سے قریب تھا لہذا اس میں خیر زیادہ تھی، اب تم بوڑھے ہو گئے تو اس زمانے میں خیر کم ہو گئی ہے، ماحول کی نورانیت میں کمی کی وجہ سے تمہارا خیال گناہ کی طرف چلا گیا، تمہارا دونا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہے۔“ آنکھ کھلی تو حکیم ترندیؒ نے اپنے دل کو مطمئن پایا۔

امام ترندیؒ کے مزار پر :

ترمذی شہر چونکہ فوجی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے لہذا ان پر غیر ملکی سیاحوں کو آنے کی اجازت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ فقیر الحمد للہ ترمذی کے گرد و نواح میں بمی نہایت آرام کے ساتھ گھومتا پھرا۔ ترمذی شہر سے روانہ ہو کر ہم لوگ شیر آباد کے

قبرستان میں پہنچے۔ یہاں پر ابو عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ ترمذی کا مزار ہے۔

نسبت نقشبندیہ کی برکات :

جب گاڑیوں سے اتر کر مزار کی طرف جانے لگے تو راستے کے ایک طرف تقریباً 40 آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ ان میں سے ایک صاحب ہماری طرف آگے بڑھے اور کہا کہ کھانا تیار ہے، آپ تناول فرمائیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہم لوگ تو ایصالِ ثواب کی نیت سے حاضر ہوئے ہیں، وہاں پہلے حاضری دیں گے۔ وہ کہنے لگا، بہت اچھا۔ ہم سب نے پہلے مسجد میں دو رکعت نفل پڑھے پھر مزار شریف پر حاضر ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کی، مراقبہ کیا، خوب دعائیں مانگیں۔ اس سارے عمل میں ہمیں اندازاً دو گھنٹے لگ گئے ہوں گے۔ یہاں سے فراغت پر جب واپس جانے لگے تو راستے میں دہی آدمی پھر بھاگا ہوا آیا اور فقیر سے کہنے لگا کہ کھانا تیار ہے، آپ تشریف لا کر کھائیں۔ فقیر نے عرض کیا کہ ہمارے پاس کھانا موجود ہے، علمائے کرام کی جماعت ساتھ ہے جہاں بھوک محسوس کریں گے کھائیں گے۔ اس نے اصرار کیا کہ نہیں آپ ضرور آئیں۔ ان کے اصرار کو دیکھ کر مولانا عبد اللہ نے کہا کہ حضرت! یہ ذاکرین کی جماعت ہے، آپ ان کو انکار نہ فرمائیں۔ چنانچہ ہم سب لوگ ان کے پاس گئے۔ جب ملاقات ہوئی تو ان کے پر انوار چہرے، سنت کی اتباع اور تقویٰ کے آثار دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی۔ جب ملاقات کے بعد بیٹھے تو اس جماعت کے امیر نے کہا:

”حضرت! میں نے چند دن پہلے ایک خواب دیکھا، کسی بزرگ نے کہا کہ

فلان دن امام ترمذیؒ کے مزار پر سلسلہء عالیہ نقشبندیہ کے ایک شیخ آئیں گے، اگر تم فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان سے اپنا حصہ حاصل کرو۔ میں نے

زم زم بابا :

رات کو علاقے کے ایک رئیس کے گھر دعوت تھی۔ تھوڑی دیر بیان کے بعد ہیبت و مراقبہ کی محفل ہوئی۔ صاحب خانہ کے والد نے حج سے متعلق دو مزید اہ واقعات سنائے۔

1- جب ہم لوگ حج کے لئے روانہ ہوئے تو ایک صاحب نے اپنے سامان میں کچھ کھانے پینے کی چیزیں رکھ لیں۔ رشتا میں چونکہ سردی بہت ہوتی ہے حتیٰ کہ شد بھی جم جاتا ہے تو اس نے ایک پلاسٹک کے لفافے میں شد ڈال کر اپنے سامان میں رکھ لیا۔ جب سعودی عرب پہنچے تو وہاں تو سارا سال ہی گرمی رہتی ہے لہذا شد پکھل گیا۔ جب کسٹم والوں نے سامان چیکنگ کے لئے کھولا تو ہر طرف شد ہی شد پھیلا ہوا تھا۔ کسٹم والوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا ہذا معصی عسل (یہ صاف ستھرا شد ہے) یہ واقعہ سن کر سب حاضرین خوب ہنسے۔

2- دوسرا واقعہ انہوں نے اپنا سنایا کہ جب ہم حج سے واپس آئے تو میں نے زم زم کے دو بڑے بڑے گیلن بھر لئے۔ جدہ ائر پورٹ پر پہنچے، جب سامان کی بجنگ کروائی تو سعودی ائر لائن والوں نے دو گیلن بھیجنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ فقط ایک گیلن جاسکتا ہے۔ میں نے بڑی منت سماجت کی مگر کسی نے میری درخواست پر کان نہ دھرے۔ جب فلائٹ جانے کا وقت قریب ہو گیا تو میں نے پھر کہا کہ ہم لوگ رشتا سے آئے ہیں، وہاں تو زم زم کا ایک قطرہ پینے کے لئے لوگ ترستے ہیں آپ مجھے دوسرا گیلن لے جانے کی اجازت دے دیں مگر ملازمین نے اجازت نہ دی۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی بھی صورت ممکن نہیں تو میں نے کہا کہ مجھے آخری مرتبہ آپ بتادیں کہ یہ زم زم ساتھ لے جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں ہے۔ تو میں

نے وہیں کھڑے کھڑے گیلن کا ڈھکنا کھولا اور سارا پانی اپنے سر پر بہا دیا اور سب کے سامنے کپڑوں سمیت زم زم سے غسل کیا۔ عرب لوگ میری دیوانگی کو دیکھ کر حیران ہوئے۔ میں نے باقی سفر گیلے کپڑوں کے ساتھ کیا۔

فقیر نے یہ واقعہ سن کر انہیں کہا کہ اچھا، اب میں آپ کو زم زم بابا کہا کروں گا۔ انہوں نے اس کنیت کو اتنا پسند کیا کہ اس دن کے بعد وہ زم زم بابا کے نام سے مشہور ہو گئے۔

محفل شعر و ادب :

امیر شکور کے چند دوست اخباری نمائندے اور ادیب و شاعر تھے۔ ان کو جب پتہ چلا کہ امیر صاحب ایک فقیر کے سامنے زانوئے تلمذتہ کر چکے ہیں تو انہیں بڑی حیرت ہوئی، انہوں نے امیر شکور سے کہا کہ اپنے حضرت صاحب سے ہماری ملاقات بھی کروائیں۔ چنانچہ اگلے دن کا کھانا پھر امیر شکور کے گھر تھا۔ اس مرتبہ مرد حضرات نے گوشت بھونے کا کام خود کیا، شاید یہ وہاں کی خصوصی پارٹی تھی۔ کھانے کے بعد شاعر و ادیب حضرات نے اپنا اپنا کلام پیش کیا۔ فارسی زبان میں اتنے خوبصورت اشعار سنائے کہ عاجز حیران رہ گیا۔ جب وہ حضرات فارغ ہوئے تو امیر شکور نے کہا کہ حضرت! آپ بھی کچھ سنائیں۔ فقیر نے کہا کہ فارسی کے چند اشعار جو ہم نے اپنے بڑوں سے سنے ہیں وہ عرض کر دیتا ہوں۔

میان عاشق و معشوق رمزیت

کرانا کاتبین را ہم خبر نیست

{عاشق و معشوق کے درمیان ایسی ایسی باریک باتیں ہیں جن کی خبر کرانا

کاتبین کو بھی نہیں ہے}

اللہ اللہ ایں چہ شیریں ہست نام
شیر و شکر می شود جانم تمام
{اللہ اللہ یہ کیسا میٹھا نام ہے کہ اس کے اثر سے میری تمام جان شہد و شکر بن
گئی ہے}

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
مگر نیانی سرق بر ما خند
{اپنی آنکھیں، کان اور ہونٹ بند کرنے، اگر پھر بھی تو راز حق نہ پائے تو پھر
مجھ پر ہنسا}

یک چشم زدن غافل از آن شاہ نہ باشی
شاید کہ نگاہ کند آگاہ نہ باشی
{ایک آنکھ جھپکنے کی دیر بھی اس بادشاہ سے غافل نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ وہ تیری
طرف متوجہ ہو اور توبے خبر رہے}

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم
{ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ فراموش کر دیا ہے مگر یار کی باتوں کو بار بار پڑھ
ہے ہیں}

ہزار خویش کہ میگانہ از خدا باشد
فداؤ یک تن میگانہ آشنا باشد
{ہزار ارشتہ دار جو کہ خدا سے میگانہ ہوں۔ ان سب کو اس فرد واحد پر قربان
کرد و جو یار سے آشنا ہو}

چوں رسی ۔ کوئے دلبر بہ سپار جان مضطر

کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنا
 {جب تو دلبر کی گلی میں پہنچے تو اس بے چین جان کو محبوب کے سپرد کر دے
 کہیں ایسا نہ ہو کہ اس تمنا میں یہ دوبارہ وہاں تک نہ پہنچ پائے}
 کفرست در طریقت ما کینہ داشن
 آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشن
 {ہماری طریقت میں دل میں کینہ رکھنا کفر ہے، ہمارا اصول تو یہ ہے کہ دل
 کو شیشے کی طرح شفاف رکھیں}

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
 ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما
 {جس شخص کا دل عشق کی وجہ سے زندہ ہو گیا وہ کبھی نہیں مرتا، ہم عشاق کا
 نام جریدہ عالم پر لکھ دیا گیا ہے جو مٹ نہیں سکتا}

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم
 ہر گم نظر بدوئے تو کردم جواں شدم
 {اگرچہ میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں لیکن جیسے ہی تیرے چہرے کی طرف
 نظر ڈالی تو میں جوان ہو گیا}

ندانم آن گل خنداں چہ رنگ و بو دارد
 کہ مرغ ہر چمن گفتگوئے او دارد
 {مجھے معلوم نہیں کہ میرے مسکراتے ہوئے پھول (محبوب) میں کس قسم
 کا رنگ و بو ہے کہ ہر باغ کا پرندہ اسی کی گفتگو میں رطب اللسان ہے}
 اس کے بعد فقیر نے انہیں کچھ رباعیات سنائیں

نازم چشم خود کہ جمال تو دیدہ است

افتم ہپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

{مجھے اپنی آنکھ پر فخر ہے کہ اس نے تیرا حسن دیکھا ہے اور میں اپنے پاؤں

پڑتا ہوں کہ وہ تیری گلی میں چلے ہیں}

ہر دم ہزار بوسہ زخم دست خویش را

کو دامت گرفتہ بسویم کشیدہ است

{ہر لمحے ہزاروں بوسے اپنے ہاتھوں کو دیتا ہوں کہ ان سے میں نے تیرا

دامن پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ہے}

جز از وصل ہر چیزے فضول است

ز صد دنیا مرا وصلے قبول است

{وصل کے سوا ہر چیز فضول ہے سو جہانوں سے بھی مجھے وصل قبول ہے}

زمن پرسی دخول جنت چیست

وصال دوست در جنت دخول است

{تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ دخول جنت کیا ہے؟ بس وصال دوست حقیقتاً

جنت میں داخلہ ہے}

حسینے کرد سوئے من نگاہے

نمی دارم دگر کارے جز آہے

{ایک حسین نے میری طرف نظر کی، اب سوائے آہ و زاری کے اور کوئی

کام ہی نہیں}

گناہم چیست قلب من زلحم است

نگاہ او کند در سنف راہے

{میرا گناہ کیا ہے۔ میرا دل تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، اس کی نگاہ تو پتھر میں

بھی سوراخ کر دیتی ہے {

نئی گویم کہ من از صاحبانم
 بگویم ایں سنگ باب فغانم
 نگہ ہر شخص دارد بر سنگ خویش
 چرا ایں را عدائی من ندانم

{میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں محبوب کے مصاحبوں میں سے ہوں، میں
 تو یہ کہتا ہوں کہ میں فلاں کے دروازے کا کتا ہوں۔ ہر شخص اپنے پالتو
 کتے پر توجہ دیتا ہے۔ تو اس بات کو کیوں نہیں جانتا یہ مجھے پتہ نہیں ہے {

بجن از چشم ہر دم چشمہ داری
 کہ کشت قلب را سیراب داری
 دل تو جنت فردوس گردد
 بپشت را چرا در انتظار ی

{اپنی آنکھوں سے ہر دم آنسوؤں کے چشمے جاری رکھ تاکہ تیرے دل کی
 کھیتی سیراب ہو۔ تیرا دل ہی جنت الفردوس بن جائے گا، تجھے بہشت کا
 انتظار کیوں ہے {

خدارا کارکن اے نیم مومن
 کہ جنت نیست اندر ميم مومن
 چہ کار آید تو اے بے کار انسان
 کہ از کارے بود مکریم مومن

{اے آدھے مومن! خدا کے لئے کام کر کیونکہ جنت مومن کی ميم کے
 اندر نہیں ہے۔ اے بے کار انسان تجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے، یہ جان لے

کہ کام کرنے سے ہی مومن کی عزت ہے}

نہ خالی یارب از ہے دے کن

نہ تو محروم از آہے گلے کن

رساں تا شمع ہر پروانہ مسکین

نہ تو مجبور از گل پلید کن

{یارب! میرے دل کو اپنی محبت سے خالی نہ رکھ، تو مجھے اس آب و گل سے

محروم نہ رکھ (اپنی محبت عطا فرما)۔ ہر مسکین پروانے کو شمع تک پہنچا دے۔

بلبل کو پھول سے محروم و مجبور نہ کر}

دل ما دلبرا دیوانہ تست

بیا بے فکر خانہ خانہ تست

تو از شہد و شکر مارا لذیذی

دل اندر ہجر دانہ دانہ تست

{اے میرے محبوب! میرا دل تیرا دیوانہ ہے تو بے دھڑک اس گھر میں آ

کہ یہ گھر تیرا ہی تو ہے۔ تو میرے لئے شہد اور شکر سے بھی زیادہ لذیذ ہے

میرا دل تیری جدائی میں بکھر کر دانہ دانہ ہو چکا ہے اور یہ دانہ تیرا ہی ہے}

منم اشک فراق گلخزارے

شنیدم ایں ز شور آبشارے

ہی لرزم ز ناز نازینے

چنین می گفت شاخ بیقرارے

{میں پھول جیسے چرے والے محبوب کے فراق کا ایک آنسو ہوں۔ یہ بات

میں نے ایک آبشار کے شور سے سنی ہے۔ میں ایک نازنین کے ناز سے

کاتب رہی ہوں، یہ بات مجھے ایک قرار شاخ کہہ رہی تھی {

اگرچہ کترم من مسترم من

بہ پیش چشم تو مگر بہتر من

بہ مدح دوستاں انساں نہ باشم

سغم اندر نگایت یا خرم من

{اگرچہ میں حقیر ہوں لیکن میں اعلیٰ ہوں اگر تیری آنکھ میں بہتر ہوں۔ میں

دوستوں کے تعریف کرنے کی وجہ سے انسان نہیں ہو سکتا، تیری نظر میں

کتا ہوں یا گدھا میں وہی کچھ ہوں}

شنیدم دوش از دیوار فریاد

خدارا میکنی اے دوست کم یاد

برائے ذکر روز چند داری

مکن درکار دیگر وقت مباد

میں نے کل دیوار سے یہ فریاد سنی اے دوست خدا کے لئے مجھے کم یاد

کر۔ اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے تجھے چند روزہ زندگی دی گئی ہے، یاد الہی کے

علاوہ دوسرے کاموں میں وقت ضائع نہ کر اللہ کو یاد کر تارہ {

مکن فکر جہاں ویرانہ ایں است

میا تعمیر دل کن خانہ ایں است

زدل میگاہ افلاطون اگر است

شنو ایں پند من دیوانہ ایں است

{جہاں کی فکر نہ کر کہ یہ جہاں تو ایک ویرانہ ہے۔ اور دل کی تعمیر کر کیونکہ

یہی گھر ہے۔ اگر افلاطون بھی دل سے بیگانہ ہے تو مجھ سے یہ نصیحت سن لے کہ وہ بھی دیوانہ ہے}

بہ شوق ماہ رویاں دل کبام
رود عمرے دریں کار ثوام
بہ خواب اندر نجاست جاہ و مال است
نہ عاشق بر نجاست چوں زبام
{چاند جیسے چہرے والوں کے عشق میں میرا دل کباب ہو گیا ہے۔ میری عمر اسی ثواب کے کام میں بیت رہی ہے۔ یہ جاہ و مال نجاست ہے، میں مکھی کی طرح نجاست پر فریفتہ نہیں ہوں}

دگر سودا مکن در قلب گم شو
ولیکن غرق از سر تاجہ دم شو
ز گوشہ تاجہ رطلب بر خیزی
سراسر گوش تا آواز قم شو
{کوئی دوسرا خیال ہی نہ کر بس دل میں گم ہو جا۔ لیکن دل میں سر سے لے کر دم تک یعنی پوری طرح ڈوب جا۔ خلوت خانہ سے حصول مطلب تک نہ اٹھ۔ قم (اٹھ) کی آواز کیلئے سراپا گوش بن جا}

فقیر نے آخر میں علامہ اقبال کی نظم ”نالہ ابلیس“ کے یہ اشعار پڑھے
ابن آدم چیت یک مشت خس است
مشت خس را یک شرر از من بس است
اندریں عالم اگر جز خس نبود
ایں قدر آتش مرا دادن چه سود

{ان آدم کیا ہے؟ ہس تنکوں کی ایک مٹھی ہے اور تنکوں کی مٹھی کیلئے میری طرف سے ایک چنگاری کافی ہے۔ اس عالم میں اگر تنکوں کے سوا کچھ نہ تھا تو مجھے اتنی آگ عطا کرنے کی کیا ضرورت تھی}

اے خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یام در شکست
{اے اللہ مجھے ایک زندہ مرد حق پرست عطا کیجئے ہو سکتا ہے کہ میں شکست کی لذت پاسکوں}

ان اشعار کو سناتے ہوئے مقامی احباب نے کس طرح دل کھول کر داد دی، اس سے فقیر کو کوئی غرض نہیں البتہ اتنا ضرور ہوا کہ سب لوگوں نے کہا کہ ہمیں حضرت سے بیعت ہونا ہے۔ فقیر نے سب حضرات کو سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ الحمد للہ حضرت خواجہ محمد عبدالملک صدیقیؒ فرماتے تھے کہ شیخ جب وعظ و نصیحت کرتا ہے تو اس کی مثال ڈگڈگی جانے کی مانند ہے اور جب مراقبہ کرواتا ہے تو وہ تماشا دکھانے کی مانند ہے۔ جس طرح مداری کے تماشے سے لوگوں کی آنکھیں خوش ہوتی ہیں۔ اسی طرح شیخ کے بیان و مراقبہ سے سالکین کے دل خوش ہوتے ہیں۔ یہ خیال آتے ہی فقیر نے سوچا کہ واہ آج تو ڈگڈگی بھی فارسی زبان میں جانی پڑی۔ جلس

گر قبول افتد زہے عزو شرف

(اگر یہ بات قبول ہو جائے تو بڑے عزت و شرف کی بات ہے)

حضرت خواجہ علاؤ الدین عطارؒ:

حضرت خواجہؒ وادی حصار کے عظیم مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت نقشبندؒ کے داماد اور حضرت خواجہ یعقوب چرنیؒ کے پیرومرشد تھے۔ وقت کے بڑے بڑے

علماء آپ کے دامن عقیدت سے وابستہ تھے۔ علامہ عبدالقادر جرجانی بھی آپ سے بیعت تھے اور انہوں نے آپ ہی کے متعلق لکھا تھا:

والله ، ما عرفت الحق سبحانه وتعالى . مالم اصل فی

خدمت اللطار

(خدا کی قسم اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو نہ پہچان پاتا اگر حضرت عطارؒ کی خدمت میں

نہ پہنچتا)

آپ کے مزار پر ایصالِ ثواب کرنے کے بعد محب اللہ، فقیر کو اس جگہ پر لے گئے جہاں بیٹھ کر آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔

زمین پر نشاں رہے :

اس جگہ پر آپ کے بہت سے تبرکات دیکھنے کا موقع ملا۔ منجملہ ان میں سب سے عجیب چیز وہ پتھر ہے جس پر آپ نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ یہ مصلے کے سائز کا سفید رنگ کا پتھر تھا، اوپر کی سطح بہت ملائم تھی۔ اس کی خاص بات یہ تھی کہ اس پر حضرت خواجہ صاحبؒ کے پاؤں اور سجدوں کے نشانات تھے۔ یہ جگہیں دوسری سطح کی نسبت گھس کر نیچے ہو گئی تھیں۔ فقیر نے اس پر دو رکعت نفل ادا کرنے کی سعادت حاصل کی۔ حیرانی اس بات کی تھی کہ ہمارے مشائخ نے کتنی زیادہ عبادت کی کہ پتھر بھی گھس گئے۔ بقول شخصے

نشان سجود تیری جبین پر ہوا تو کیا

کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

آج تو ہمارے کپڑے کے مصلے بھی نہیں گھستے۔ ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ جس آدمی کو مصلے پر بیٹھنے سے وحشت ہو، چند منٹ بیٹھنا محال ہو، سمجھ لو کہ اس کے دل

میں یاد الہی اور محبت الہی کی کمی ہے۔ واقعی مصلے پر بیٹھنے کی عادت ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

عام دستور یہی ہے کہ پہلے ذکر میں بیٹھنے کی عادت پڑتی ہے حتیٰ کہ جسم کو ذکر کے لئے نرم کر دیا جاتا ہے۔ جو سالکین راہ طریقت میں قدم بڑھاتے ہیں ان کے لئے گھنٹہ دو گھنٹہ مراقبہ کرنا معمول کی بات ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے

ثم تلین جلودهم و قلوبهم الی ذکر اللہ

(پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تلین جلود کا مقام پہلے، پھر تلین قلوب کا مقام آتا ہے۔ جو سالک دن میں دس پندرہ منٹ بھی مراقبہ نہ کرے وہ جان لے کہ میرا وقت ضائع ہو رہا ہے۔ آج کل کے سالک دعویٰ تو عاشقی کا کرتے ہیں مگر ذکر و مراقبہ میں چند منٹ بھی نہیں بیٹھتے۔ بعض تو بہانہ کرتے ہیں کہ ہمیں فرصت ہی نہیں ملتی۔ اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ جیسے مجنوں کہے کہ مجھے لیلیٰ کی یاد کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔

ناطقہ سر بگیاں ہے۔ اسے کیا کئے

سر آسیا روانگی :

26 جون کو محبت اللہ کے گھر پر سر آسیا کے ایک معروف مفتی دلمہ احمد جان صاحب مع احباب تشریف لائے اور بیعت ہوئے۔ حبیب اللہ نے بتایا کہ یہ بڑے متبول عالم ہیں اور علاقے میں ان کے تقویٰ کا رعب ہے۔ ویسے بھی وہ چہرے مرے سے باخدا انسان نظر آتے تھے۔ انہوں نے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے اسباق مکمل کئے ہوئے تھے مگر شیخ کی وفات کی وجہ سے کام رک گیا تھا۔ سینکڑوں آدمی ان کے حلقہ

درس میں شامل ہوتے تھے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ فقیر چند دن کے لئے سر آسیا جانے کی دعوت قبول کرے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ کے مشورے سے پروگرام طے پا گیا۔

سر آسیا ازبکستان میں واقع ہے اور سرخند دریا ریاست کا حصہ ہے۔ یہاں کے لوگ نہایت دیندار ہیں، علماء کے بڑے قدردان ہیں، اکثر مشائخ کی خانقاہیں آباد ہیں۔ ان حضرات نے کیمونزم کے دوران بھی دین کو محفوظ رکھا جس کے آثار ان کے چروں کے انوار سے ملتے ہیں۔ چند گھنٹے کے سفر کے بعد ہم لنگر بستی پہنچے۔ یہاں پر جامع مسجد دملہ احمد جان واقع تھی۔ قریب میں چوں کی دینی تعلیم کا مدرسہ بھی تھا۔ دملہ احمد جان کے تین بیٹے عالم تھے اور مدرسے میں طلباء کو پڑھاتے تھے۔ دو بیٹیاں بھی عالمہ تھیں اور ان کی شادی علماء سے ہوئی تھی۔ اگلے دن ان کے داماد کے گھر دعوت تھی۔ ان کا گھر پہاڑی علاقے میں نہایت سرسبز اور شاداب جگہ پر تھا۔ ہر طرف پھل پھول اور سبزہ، نہایت معطر فضا، گھر نہایت خوبصورت بنا ہوا تھا اور ایک بالا خانہ اس طرح سے بنایا ہوا تھا کہ اس کے نیچے سے آبشار بہتی تھی۔ پانی کے چلنے کی آواز، ماحول کی خنکی، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا، پرندوں کی عجیب و غریب آوازیں، زندگی میں اس قدر خوبصورت ماحول نہیں دیکھا ہوگا۔ فقیر سوچ رہا تھا کہ جنت کے بالا خانے کیسے ہوں گے اور وہ بھی کونسی نعمتیں ہوں گی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے تیار رکھا ہے۔ فقیر نے دملہ احمد جان کو یہاں پر مشاربات کے اسباق مکمل کروادیئے مگر ان کو تو مراقبہ معیت کی کینیاں پہلے سے حاصل تھیں۔ دن کا زیادہ وقت مراقبہ کرتے کرتے گزرا۔ فقیر پر محبت الہی کا عجیب غلبہ تھا۔

مولانا احمد جان کو خلافت :

عصر کی نماز کے بعد قریبی مسجد میں فقیر نے ذکر قلبی کے عنوان پر بیان کیا اور مولانا عبد اللہ نے ترجمانی کی۔ محفل کے اختتام پر فقیر نے دلمہ احمد جان پر خلافت و جازت کا بوجھ ڈالا۔ پورے مجمع کی کیفیات عجیب تھیں، لوگ اس قدر آہ و بکا میں مصروف تھے کہ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ مولانا عبد اللہ بھی رو پڑے۔ فقیر پر بھی عجیب حال طاری تھا۔ زبان پر ایسے درد بھرے الفاظ آرہے تھے اور فیضان نسبت نقشبندیہ کا ایسا ورود تھا کہ فقیر جیسے اندھے کو بھی صاف نظر آرہا تھا۔

محفل کے بعد دعا کے وقت تو لوگ مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے۔ اختتام پر لوگوں نے دلمہ احمد جان سے معاف کیا اور انہیں مبارکباد دی۔ جب مسجد سے نکلنے لگے تو دلمہ احمد جان نے فقیر کے جوتے اٹھائے۔ پہلے سینے سے لگائے پھر اپنے دونوں رخساروں پر جوتوں کے تلوے بل مل کر روتے رہے۔ لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ مولانا یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے۔

قال را بجزار مرد حال شو

پیش مرد کامل پامال شو

{قال کو چھوڑا اور مرد و حال بن کسی مرد کامل کے سامنے خاکسار بن}

صد کتاب و صد ورق در تار کن

جان و دل را جانب دلدار کن

{سو کتابیں اور سو ورق جلا دے اور دل و جان سے محبوب کی طرف متوجہ ہو جا}

روبل کی بارش :

جب مسجد سے گھر پہنچے تو لوگوں کا جم غفیر ساتھ تھا۔ فقیر جیسے ہی گھر کے

دروازے پر پہنچا تو سر پر رویل کی بارش شروع ہو گئی۔ گھر کی مستورات کو پہلے سے اس خوشخبری کا پتہ چل چکا تھا۔ انہوں نے اظہار عقیدت و محبت کے طور پر فقیر کا اس طرح استقبال کیا۔ فقیر اپنے پروردگار کا شکر ادا کر رہا تھا کہ جس نے سر پر پتھر بڑھانے کی بجائے کاغذ کے نوٹ بڑھائے۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ نئے کپڑے زیب تن کئے۔ جمعہ کی نماز پڑھنے مسجد میں جا رہے تھے کہ اچانک ایک گھر کی چھت سے کسی عورت نے گلی میں راکھ پھینکی اور وہ ساری کی ساری آپ کے سر پر آ گری۔ قریب کے لوگ بہت پریشان ہو گئے مگر حضرت خواجہ صاحب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ اس حالت میں بھی شکر ادا کر رہے ہیں۔ فرمایا ہاں، میں تو اس قابل تھا کہ میرے سر پر انگارے بڑھائے جاتے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فقط راکھ تک ہی معاملہ نہٹ گیا۔

ترگرام کی مسجد :

اگلے دن صبح سے لے کر دوپہر تک علاقے کے علماء و مشائخ حضرت دملہ احمد جان کو مبارکباد دینے کے لئے آتے رہے۔ اس قدر ہجوم تھا کہ جیسے لوگ عید کی نماز نہ کر گھروں میں آرہے ہیں۔ ہر چہرے پر فرحت و انبساط کے آثار نمایاں تھے۔ نسبت کے حصول پر جس قدر خوشی سرخند دریا کے لوگوں نے منائی اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

سچ ہے کہ پھول کی قدر گدھ کو کیا معلوم جو کہ مردے کھانے والی ہے۔ پھول کی قدر تو بلبل کو معلوم ہے جو کہ صاف دماغ والی ہے۔ ظہر کی نماز ترگرام مسجد میں ادا کرنے کے لئے کاروں کا ایک قافلہ رواں دواں ہوا۔ فقیر نے کہا، مولانا عبد اللہ ایوں

لگتا ہے کہ کوئی بارات جا رہی ہے۔ مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ حضرت! دو لہما تو آپ ہی ہیں۔ فقیر نے کہا، شکر ہے کسی مددے کے گھر کی طرف نہیں بلکہ پروردگار کے گھر کی طرف جا رہی ہے، حاضرین اس جواب پر بہت محظوظ ہوئے۔

ایک دلچسپ خواب کی دلچسپ تعبیر :

ظہر کی نماز مسجد تگرام میں ادا کی۔ علاقے کے علماء و مشائخ کا اجتماع نظر آ رہا تھا۔ فقیر نے تقویٰ کے عنوان پر بیان کرنا شروع کیا۔ ابھی گفتگو کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ایک معمر شخص مسجد میں داخل ہوئے اور فقیر کو دیکھتے ہی اتنی اونچی آواز میں رونے لگے کہ سارا مجمع میان سننے کے جائے ان کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ بعض لوگ ادب و احترام کی وجہ سے کھڑے ہو گئے۔ ایک نوجوان ان کو لینے کے لئے آگے بڑھا۔ فقیر حیران تھا کہ یا الہی! یہ کیا ماجرا ہے؟ مولانا عبد اللہ سے پوچھا تو وہ کہنے لگے کہ یہ اس علاقے کے ایک شیخ ہیں اور ہزاروں لوگ ان کے حلقہ مریدین میں شامل ہیں۔ جب وہ بزرگ قریب آئے تو فقیر سے بغل گیر ہو کر اور زیادہ اونچی آواز سے رونے لگے۔ فقیر نے عرض کیا کہ آپ تشریف رکھیں، وہ فرمانے لگے کہ آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں مجمع کو ایک بات بتا سکوں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ وہ فرمانے لگے کہ چند دن پہلے میری اہلیہ نے خواب دیکھا کہ کوئی کہہ رہا ہے کہ فلاں دن ظہر کی نماز میں مسجد تگرام میں تمہارے خاوند کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بلایا گیا ہے۔ جب اہلیہ نے یہ خواب سنایا تو میں نے اس کی تعبیر یہ لی کہ اس دن میری ملاقات کسی ایسے آدمی سے ہوگی جو متبع سنت ہوگا۔ میں خواب کے مطابق اب مسجد میں آیا ہوں تو دیکھا ہے کہ یہ مہمان شیخ بیان فرما رہے ہیں۔ لہذا میری درخواست ہے کہ یہ پہلے

مجھے بیعت کر کے اپنے غلاموں میں شامل کریں اور بعد میں وعظ کریں۔ اس کے بعد انہوں نے پھر رونا شروع کر دیا۔ دملہ احمد جان اٹھ کھڑے ہوئے اور روتے ہوئے کہنے لگے محترم جماعت! معزز مہمان کی قدر کریں اور بستی گنگا میں ہاتھ دھولیں۔ اس پر محبت اللہ روتے ہوئے کھڑے ہوئے اور مجمع کو خواب سنایا کہ کس طرح تین آدمیوں کی بغارت ملی اور اسی دن تین مہمان آگئے۔ یہ باتیں سن کر مجمع پر اتنا جوش و خروش طاری ہو گیا تھا کہ سب حضرات نے کہا کہ حضرت! بیعت کا عمل شروع کریں۔ چنانچہ فقیر نے بیعت کے لئے کپڑا پھیلا دیا۔ الحمد للہ کئی درجن علماء بیعت ہوئے۔ پندرہ ایسے مشائخ بیعت ہوئے جن کو پہلے سے سلسلہ عالیہ میں کسی بزرگ کی طرف سے اجازت تھی۔ عوام الناس تو فقیر کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے اور سبحان اللہ پڑھ رہے تھے۔ دملہ احمد جان نے کہا کہ حضرت! ہمارے علاقے میں ایسی قبولیت کسی کو نہیں ملی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے۔ فقیر نے کہا مولانا مزہ تو جب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی قبولیت ہو جائے۔

حکایت ہے کہ ایک لڑکی کو شادی کے لئے دلہن کے طور پر سجایا جا رہا تھا۔ جب سہیلیوں نے اسے زیور پہنادیئے اور میک اپ کر کے تیار کر دیا تو ایک لڑکی نے کہا، ماشاء اللہ، آپ کتنی خوبصورت لگ رہی ہیں۔ دوسری سہیلیوں نے بھی اسی طرح تعریفی جملے کہے تو دلہن کی آنکھوں میں آنسو اُٹھ آئے۔ سہیلی نے پوچھا کہ کیا بات ہے کیوں رو رہی ہو؟ دلہن نے جواب دیا کہ آپ سب مجھے خوبصورت کہہ رہی ہیں، میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ کرے میں اس کو بھی خوبصورت لگوں جس کی خاطر آپ لوگ مجھے تیار کر رہی ہیں، اگر میں اسے خوبصورت نہ لگی تو تمہاری تعریفیں

میرے کس کام کی۔

حاکم شہر کی دعوت :

محفل کے اختتام پر کم و بیش ایک گھنٹہ مصافحہ کرنے میں لگ گیا، علماء و مشائخ اس بات پر مصر تھے کہ ہم نے گلے ملتا ہے۔ بعض لوگ تسبیحات دم کروا رہے تھے، بعض فقیر کے کپڑوں کو عقیدت سے ہاتھ لگا رہے تھے اور بعض دل جلتے تو فقیر کے چہرے کے بوسے لے رہے تھے۔ ایک انار سویمار والا معاملہ تھا۔ جب مسجد سے نکلے تو دملہ احمد جان نے کہا کہ حضرت! الحمد للہ آج تو بدخلون فی دین اللہ افواجہ (کہ وہ داخل ہوں گے اللہ کے دین میں فوج در فوج) کا معاملہ ہوا ہے۔ فقیر نے عرض کیا۔ الحمد للہ وحدہ ونصر عبده (الحمد للہ کہ اللہ نے اپنے بندے کی مدد کی) مولانا یہ جواب سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ حضرت! آپ کے ہر موقع، ہر محل جوابات ہی نے تو ہمارے دل کو موہ لیا ہے۔ فقیر نے کہا دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں سوالوں کے جواب آسان فرمادے۔ مولانا نے بتایا کہ ہمیں ابھی حاکم شہر کے گھر جانا ہے۔ علاقے کے تقریباً 75 علماء و مشائخ کو بھی دعوت دی گئی ہے۔ چنانچہ حاکم شہر کی دعوت کھانے اس کے گھر پہنچے۔ شاہانہ انتظامات کی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ کھانے کے بعد فقیر نے شکرانہ نعمت کے عنوان پر بیان کیا جس پر حاکم شہر بھی آبدیدہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب گھر واپس آنے لگے تو حاکم شہر نے کہا کہ کل آپ کی تاشقند روانگی ہے میں انشاء اللہ آپ سے رپورٹ کے رن وے بر ملاقات کرنے آؤں گا۔ فقیر نے اجازت لی اور رات دیر سے ہم لوگ اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔

اس سادگی پہ کون؟!!!

مورخہ 30 جون بروز منگل سر آسیا سے تاشقند کے لئے روانگی تھی۔ ملاقات کے لئے آنے والے احباب کا اس قدر ہجوم تھا کہ فقیر تھک کر چور ہو گیا تھا۔ بڑی مشکل سے کار میں اس طرح سوار ہوئے جیسے کوئی مریض بستر پر آکر گرتا ہے۔ جب ان پورٹ پر پہنچے تو فقیر نے مولانا عبد اللہ کے ہمراہ غیر ملکی ٹریٹل سے سوار ہونا تھا، ایک گھنٹہ خاموشی اور تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ فقیر تو زیادہ وقت آنکھیں بند کر کے استغفار ہی پڑھتا رہا۔ سنا ہے کہ کسی عمل کو کرنے کے بعد اگر کثرت سے استغفار کیا جائے تو اس عمل کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ ہو جاتی ہے۔ عمل کی کمی پیشی کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔

جب جہاز کی روانگی کے لئے اعلان ہوا تو فقیر مولانا عبد اللہ کے ہمراہ لاؤنج سے رن وے کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز عمارت سے بہت قریب کھڑا تھا۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حاکم شہر اپنے وعدے کے مطابق رن وے پر موجود تھا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ میں نے سول ایوی ایشن سے چالیس آدمیوں کی رن وے پر آنے کی اجازت لی ہے، انہیں بتایا ہے کہ میرے پیرومرشد سفر کر رہے ہیں۔ لہذا یہ 40 علماء کی جماعت الوداع کرنے کے لئے موجود ہے۔ فقیر مولانا احمد جان اور دوسرے علماء کو رن وے پر مل کر بہت خوش ہوا۔ اتنے میں جہاز کے مسافر حضرات بھی آنے شروع ہو گئے۔ دلمہ احمد جان نے ان سب سے کہا کہ ایک شیخ کامل آج ہمارے علاقے سے رخصت ہو رہے ہیں، آپ فائدہ اٹھالیں اور اپنے دلوں پر اللہ اللہ اللہ نقش کروالیں۔ دلمہ احمد جان چونکہ علاقے کی معروف شخصیت تھے لہذا ان کے کہنے پر مسافر حضرات فقیر کے قریب آنے لگے۔ فقیر نے ان کے دل پر اللہ اللہ اللہ نقش کرنا

شروع کر دیا۔ الحمد للہ سب مسافروں کے دلوں پر نشاندہی کر دی گئی۔ جب مرد حضرات فارغ ہوئے تو ایک ازہ ہو شس آگے بڑھی اور فقیر کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ پہلے تو فقیر سمجھا کہ شاید بورڈنگ پاس لینے کے لئے آئی ہے۔ جب بورڈنگ پاس اس کو دیا تو وہ کہنے لگی کہ آپ میرے سینے پر بھی اسی طرح انگلی لگائیں جس طرح مردوں کو لگائی ہے۔ فقیر حیران پریشان تھا کہ

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
فقیر نے دلمہ احمد جان سے کہا کہ آپ اس خاتون کو سمجھائیں کہ ہم غیر محرم عورت کے جسم کو ہاتھ نہیں لگا سکتے۔ وہ کہنے لگی، کیوں نہیں لگا سکتے؟ فقیر نے کہا کہ ہماری شریعت میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ وہ کہنے لگی آپ کو میں خود اجازت دے رہی ہوں، اور یہ کہہ کر بالکل قریب آگئی۔ فقیر ڈر اور سہمی ہوئی بھڑکی کی طرح دلمہ احمد جان کی اوٹ میں آگیا۔ اتنے میں ازہ پورٹ کے انچارج اپنی گاڑی پر تشریف لائے اور فقیر سے ملے کہ میں بھی آپ کی دعائیں لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ الحمد للہ، ان کے آنے سے ازہ ہو شس والا معاملہ نل گیا۔

ہوا کے دوش پر :

فقیر اپنے احباب سے مل کر جہاز پر سوار ہوا تو اکثر آنکھیں اشکبار تھیں۔ یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایک خواب دیکھا تھا جو ابھی ختم ہوا ہے۔ تاشقند کا خیال آتے ہی عباس خان اور دادا خان نوری کا خیال آیا۔ اتنے میں جہاز نے رن وے پر بھاگنا شروع کر دیا۔ فقیر نے کلمہ شریف کی تلاوت کی اور آنکھیں بند کر کے تصور جاناں میں گم ہو گیا۔ جہاز چلے کوئی آدھا گھنٹہ گزرا ہو گا کہ مولانا عبد اللہ نے فقیر کو متوجہ کیا کہ ان کے قریبی نشست والا مسافر بیعت ہونا چاہتا ہے۔ فقیر نے کہا کہ اچھا تاشقند اتر کر

میعت کر لیں گے۔ اس نے کہا کہ اس وقت تو سامان کی جلدی ہوگی، ابھی فارغ ہیں، آپ میعت کر لیں۔ ہم لوگ ابھی تیار ہو رہے تھے کہ پیچھے کی ایک نشست پر بیٹھے ہوئے ایک دوسرے مسافر نے مولانا عبداللہ کو اونچی آواز میں کچھ کہا۔ فقیر نے پوچھا کہ یہ کیا کہنا چاہتا ہے؟ تو مولانا مسکرائے اور کہنے لگے حضرت یریدون ان یبایعونک (یہ سب آپ سے میعت ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں) فقیر نے کہا اچھا مولانا عمامہ پھیلاؤ۔ الحمد للہ درمیانی راستے میں عمامہ پھیلا دیا گیا اور دونوں طرف کے مسافروں نے اسے پکڑ لیا۔ قریب والوں نے دونوں ہاتھوں سے اور دور والوں نے ایک ہاتھ سے پکڑا۔ جہاز میں ایک سو پچاس کے قریب سواریاں سوار ہوں گی۔ فقیر نے خطبہ پڑھا اور میعت کے کلمات پڑھائے۔ الحمد للہ سب لوگوں نے با آواز بلند کلمات پڑھے، اتر ہو سٹس نے کاک پٹ کھول کر کپتان کو بھی منظر دکھایا۔ کپتان روسی نظر آتا تھا اور دیکھ کر اس طرح سے ہنس رہا تھا جیسے کہ بچہ چڑیا گھر کے جانوروں کے کرتب دیکھ کر ہنستے ہیں۔ فقیر کا دل گر یہ کہناں تھا کہ اے پروردگار! آپ نے اس کم کوش اور بے بضاعت فقیر کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ ہوا کے دوش پر بھی اپنے مشائخ کا فیض پہنچایا۔ توبہ کے کلمات پڑھتے ہوئے بہت زیادہ مزہ آرہا تھا۔ میعت کے بعد مولانا عبداللہ نے ازبک زبان میں اور اوو خائف کی تفصیل بتائی۔ آخر پر فقیر نے مراقبہ کروایا۔

اتر ہو سٹس کی عقیدت :

جب جہاز اترنے کے قریب ہوا تو ابو عثمان کے قریب بیٹھے ہوئے ایک مسافر نے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کیا مقصد ہے؟ یہ سب لوگوں کو کیا کر رہا ہے؟ ابو عثمان نے جواب دیا کہ ذکر سکھارہے ہیں، مگر آپ کو اتنی تشویش کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں صدر اسلام کریموف کا خاص آدمی ہوں، اس لئے مجھے سب

تفصیلات معلوم کرنی ہیں۔ ابو عثمان سمجھا کہ شاید یہ خفیہ پولیس کا کوئی آدمی ہو گا۔ لہذا اس نے مزید بات چیت کرنا مناسب نہ سمجھا۔ جب جہاز تاشقند اتر پورٹ پر اترا تو اتر ہو سٹس نے مولانا عبداللہ سے کہا پہلے آپ لوگ اتریں گے۔ جب فقیر نیچے اترا تو سامنے پروٹوکول آفیسر کو کھڑے پایا۔ اس کے ساتھ لیوزین اور چھ پولیس افسر تھے۔ اس نے فقیر سے کہا کہ آپ کے بارے میں ہمیں جہاز سے فون کیا گیا تھا کہ ایک VIP صاحب آرہے ہیں، ان کا استقبال کرنا ہے۔ ہم آپ کو پروٹوکول کے ساتھ اندر لاؤنج میں لے جائیں گے۔ فقیر گاڑی میں داخل ہوا تو وہ توسیون سار ہوٹل کی طرح چمک دمک رہی تھی۔ جب ہم تینوں آدمی سیٹ پر بیٹھ گئے تو خفیہ پولیس والا آدمی بھی اسی گاڑی میں سوار ہونے لگا۔ جب پروٹوکول والے نے ابو عثمان سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے ساتھ ہے؟ تو اس نے کہا، نہیں۔ چنانچہ پروٹوکول والے نے اسے اتار دیا۔ اس نے اترتے ہوئے ابو عثمان سے پوچھا کہ آپ کہاں جارہے ہیں؟ ابو عثمان نے ہنستے ہوئے کہا ”ہم اسلام کریموف سے ملنے جارہے ہیں۔“

پروٹوکول والوں کی وردیاں اس قدر خوبصورت اور جاذب نظر تھیں کہ انسان حیران ہی رہ جائے۔ اتر پورٹ کے وی آئی پی لاؤنج میں لے جا کر ہمیں اتارا گیا اور کہا گیا کہ آپ کے لئے چائے تیار ہے نوش فرمائیے۔ ایک کمرے میں میز پر چائے کے ساتھ نہ جانے کیا کیا سجا ہوا تھا۔ ہم تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے کہ

کہاں ہم اور کہاں یہ • نکلت گل
نیم صبح تیری مہربانی

چائے پی کر ہم لوگ لاؤنج سے باہر نکلے اور ٹیکسی لے کر ہوٹل سیاحت پہنچے۔ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے اپنی اوقات یاد آرہی تھی تاہم بڑھ گوں سے سنا ہے کہ اپنی خواہش

کے بغیر اگر سبکیں غزت ملے تو اسے منجانب اللہ سمجھنا چاہئے۔ مگر نفس کو یاد دلانا چاہئے کہ جو ذات عزت دے سکتی ہے وہ اگر ناراض ہو جائے تو جوتے بھی لگوا سکتی ہے۔



باب 4

قراستان کا سفر

مورخہ کیم جولائی کو الماتا جانے کے لئے تاشقند سے روانگی ہوئی۔ مولانا عبد اللہ کی سیٹ کنفرم تھی، ابو عثمان چونکہ ایک دن دیر سے پہنچے لہذا ان کی ٹکٹ کنفرم نہ ہو سکی۔ جب ہوٹل سیاحت سے اتر پورٹ کی طرف روانہ ہوئے تو مولانا عبد اللہ نے پوچھا کہ حضرت! کہاں جانا ہے؟ قانون کے مطابق ملکی مسافر کو ایک ٹرمینل سے جانا ہوتا ہے اور غیر ملکی مسافر کو دوسرے ٹرمینل سے جانا ہوتا ہے۔ فلائٹ ٹائم بھی قریب تھا۔ لہذا فقیر نے کہا! مولانا! ہم سب غیر ملکی ٹرمینل پر جاتے ہیں اللہ مالک ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مسئلے تھے۔ ایک تو ملکی غیر ملکی ٹرمینل والا۔ دوسرا ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہ ہونے والا۔ فقیر دعائیں کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان دو مسئلوں کو آسانی سے حل فرمادے۔

خدا کی قدرت :

جب گاڑی ہوائی اڈے کی عمارت کے قریب جا کر رکی تو مولانا عبد اللہ جلدی سے باہر نکلے، فقیر سمجھا کہ سامان وغیرہ اتار رہے ہوں گے۔ جب ڈرائیو کو پیسے دیکر

فقیر باہر نکلا تو دیکھا کہ مولانا عبد اللہ نظر نہیں آرہے۔ ابو عثمان سے پوچھا کہ مولانا عبد اللہ کہاں ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ بھاگتے ہوئے عمارت میں چلے گئے ہیں۔ اتنے میں مولانا عبد اللہ بھی تشریف لے آئے اور کہنے لگے کہ میں نے سیخو رٹی والے سے پوچھا ہے، ایک تو میں اس ٹرمینل سے جا نہیں سکتا دوسرے ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہیں ہے، لہذا یہ آج ہمارے ساتھ نہیں جاسکتا۔ البتہ کل ہمیں الماتا آکر مل سکتا ہے۔ فقیر کو سخت غصہ آیا چنانچہ مولانا عبد اللہ کو خوب ڈانٹ پلائی اور کہا کہ آپ نے از خود یہ کام کیوں کیا؟ فقیر کے ساتھ جا کر پوچھتے تو فقیر کچھ توجہات ڈالتا کام کی امید زیادہ ہوتی۔ مولانا نے خاموشی سے ڈانٹ سن لی پھر کہا کہ حضرت! معاف فرمادیں آئندہ خیال رکھوں گا۔ فقیر نے کہا، اچھا اب میرے ساتھ اندر چلیں اور فقیر جیسے کتار ہے دیے کرتے رہیں۔ چنانچہ ہم لوگ اپنا سامان لے کر عمارت کے اندر گئے سیخو رٹی آفیسر نے جب فقیر کو آتے دیکھا تو کھڑے ہو کر Good Morning (صبح بخیر) کہا اور ہم تینوں کو اندر جانے دیا۔ ایک مرحلہ تو مکمل ہوا۔

سامان کی جنگ کے لئے دوسرا کوئی مسافر موجود نہیں تھا۔ ہم لوگ سیدھے کاؤنٹر پر پہنچے۔ نمائندہ خاتون نے ہماری مکٹیں لے لیں اور کمپیوٹر میں سے چیک کیا۔ فقیر تین میٹر دور کھڑا توجہ دے رہا تھا اور مولانا عبد اللہ مشکم بنے ہوئے تھے۔ خاتون نے کہا کہ یہ غیر ملکی مسافروں کے لئے ٹرمینل ہے ملکی مسافروں کو تو دوسرے ٹرمینل سے جانا چاہئے۔ مولانا عبد اللہ نے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں اور ہم ان کے ترجمان ہیں لہذا ساتھ جانا ضروری ہے۔ اس نے کہا چلو اچھائیں ہمیں سے بھیج دیتی ہوں۔ لیکن جب اس نے کمپیوٹر میں چیک کیا تو ابو عثمان کی سیٹ کنفرم نہیں تھی۔ اس نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ آپ جاسکتے ہیں مگر ابو عثمان نہیں جاسکتا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ اس خاتون سے کہو کہ یہ اپنی طرف سے بھرپور کوشش کرے۔ ہم اس کے

لئے دعا کریں گے۔ خاتون تھوڑی دیر تک بڑے غور سے فقیر کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے ٹیلیفون کار سیور اٹھا کر کسی افسر سے بات کی کہ میں ایک مسافر کو سیٹ دینا چاہتی ہوں۔ دوسری طرف سے افسر کہہ رہا تھا کہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ خاتون نے کہا کہ میرے سامنے ایک ایسی شخصیت کھڑی ہے کہ میں اس کو انکار نہیں کر سکتی۔ افسر نے کہا کہ میں آپ کو منع کر رہا ہوں۔ خاتون بولی کہ میں آپ کو اطلاع دے رہی ہوں کہ میں سیٹ دے چکی ہوں اور یہ کہہ کر اس نے ابو عثمان کی ٹکٹ پر ممر لگا دی۔ جب بورڈنگ پاس سب کو مل گئے تو ابو عثمان کی آنکھیں خوشی سے پتک انھیں اور مولانا عبد اللہ کہنے لگے کہ حضرت یہ توجہ بھی عجیب نعمت ہے۔ فقیر نے کہا کہ ہم نے تو سینکڑوں مرتبہ اس کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جب ہم بورڈنگ پاس لے کر لاؤنج میں جانے لگے تو ایکسرے مشین سے دستی سامان کو گزارنا پڑا۔ جب آگے بڑھے تو ایک خاتون نے ہمارے بورڈنگ پاس چیک کئے اور ابو عثمان کی ٹکٹ دیکھ کر کہنے لگی کہ اس کی سیٹ تو کنفرم نہیں تھی پھر یہ کیسے جاسکتا ہے؟ فقیر حیران ہوا کہ یہ نئی معلومت کہاں سے ٹپک پڑی؟ اتنے میں قریبی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان تیزی سے باہر نکلا اور اس لڑکی سے کہنے لگا کہ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے میں کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ اس مسافر کی سیٹ کنفرم نہیں تھی مگر اس کو بورڈنگ پاس کیسے مل گیا؟ لڑکے نے کہا جانے دو تمہیں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے اور ساتھ ہی اس لڑکی کو بغل میں لے کر کمرے میں چلا گیا۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب نظارہ دیکھا۔ سبحان اللہ، جو کام مشکل نظر آ رہا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے آسان کر دیا۔ سچی بات تو یہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع دینا چاہیں تو ساری دنیا مل کر بھی اسے نقصان نہیں دے سکتی اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نقصان دینا چاہیں تو ساری دنیا مل کر بھی اسے فائدہ نہیں دے سکتی۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
دعی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

الماتا۔ مسکراتی حسینہ :

جب ہم لوگ جہاز سے روانہ ہوئے تو فضا میں بچتے ہی نیچے برفانی پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ ایک طرف پامیر کے بلند و بالا پہاڑ ہیں جنہیں ”دنیا کی چھت“ کہا جاتا ہے۔ دوسری طرف تین تین پہاڑوں کا سلسلہ چین کی سرحد پر دیوار کی طرح کھڑا ہے، شمال میں سائبیریا ہے اور ایک طرف روس کی والگا وادی اور دوسری طرف حیرہ کچیسکین ہے۔ قزاق کا لفظ اردو میں ”ڈاکو“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ شاید اس لئے ہے کہ چنگیز خان نے قزاقوں کی مدد سے ایسی فوج تیار کی تھی جس نے دنیا کے اندر تہلکہ مچا دیا تھا اور روسیوں کو کیف تک دھکیل دیا تھا۔ قزاق کا لفظ قبائلی لوگوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ کھیتی باڑی کرنے اور جانور پالنے میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔ شاہراہ ریشم کے زمانے میں شاید ان کی مسافروں سے مدد بھیڑ ہوتی ہو اور اسی وجہ سے قزاق مشہور ہو گئے ہوں۔ قزاقستان کا رقبہ پورے برصغیر پاک و ہند سے بھی بڑا ہے۔ اس کی زمین میں فرانس جیسے پانچ ملک سما سکتے ہیں۔ کل رقبہ تقریباً 27 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ مگر اس کی آبادی صرف ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

قزاقستان وہ آزاد مسلم ریاست ہے جس کے پاس انتہائی مہلک اینٹی ہتھیار موجود ہیں۔ مزید برآں خلاء میں گاڑیاں بھیجنے کے لئے روس نے یہاں پر ایک ایسا اسٹیشن بنایا تھا کہ جس سے 1,000 خلائی پروازیں کامیابی سے بھیجی گئیں مگر دنیا کے کسی نقشے میں اس کا ذکر تک بھی نہیں تھا۔ مشہور خلائی اسٹیشن میر بھی یہاں سے بھیجا گیا۔ مقامی لوگوں کی رپورٹ کے مطابق جب روس نے محدود علاقے میں اثر کرنے والے ایٹم بم

بنائے تو قراقرظ کے صحراؤں میں اس کا تجربہ زمین کے اوپر کیا۔ تاکہ کاری شعاعیں جب پھیلیں تو بے حیا اور گاؤں کے گاؤں اس کی زد میں آئے، ہزاروں لوگ مر گئے، حکومت وقت نے دنیا کو اس کی خبر تک نہ لگنے دی۔ ان علاقوں میں رہنے والے لوگوں کی اولادیں آج بھی مسخ شدہ شکلوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہیں۔ جب سالن نے اپنے ملک سے جرمن یودیوں کو دھکیلا تھا تو ان کی اکثریت قراقرظ میں آکر آباد ہو گئی تھی۔

فقیر نے مولانا عبد اللہ سے معلوم کیا کہ الما تیا الما عطا کے کیا معنی ہیں تو انہوں نے بتایا کہ اس کے تین مفہوم بہت معروف ہیں۔ ایک تو یہاں کے سیب بہت لذیذ ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اسے ”بابائے سیب“ (Father of the Apple) کہا جاتا ہے۔ دوسرا یہاں کے 28 فوجی جوانوں نے دوسری جنگ عظیم میں ہٹلر کی فوجوں کی پیش قدمی روکی تھی ان سب کی یادگار میں یہاں کے ایک باغ میں ان کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ ان کی وجہ سے الما کا معنی وفادار ہے۔ تیسرا مفہوم یہاں کے دیہاتی علاقے کے لوگوں نے قائم کر لیا ہے۔ وہ جب شہر میں آتے ہیں تو انہیں ہر طرف چہل پہل نظر آتی ہے یعنی پھل، پھول، جدید عمارتیں اور کشادہ سڑکیں تو انہوں نے اس کا معنی ”مسکراتی حسینہ“ بنا لیا ہے۔ الما تا شہر کے قریب ہی دنیا کی سب سے بڑی سکیگ پہاڑی چوٹی ہے جہاں سکیگ کھیل کے شائقین کا سارا سال تانتا بہت ہمار ہتا ہے۔ الما تا شہر کے ایک باغ میں ایک ایسی عظیم الشان عمارت موجود ہے جو ککڑی سے بنی ہوئی ہے مگر اس میں لوہے کا کوئی کیل استعمال نہیں کیا گیا۔ مقامی لوگ گھوڑے پالنے میں مشہور ہیں بدم گھوڑے ذبح کر کے ان کا گوشت کھانا یہاں کا عام معمول ہے۔ انہی باتوں کے دور ان اثر ہو سنس نے اعلان کیا کہ ہم الما کے ہوائی اڈے پر اترنے والے ہیں۔

الماتا کی جامع مسجد :

ہم لوگوں نے فجر کی نماز اتر پورٹ پر پڑھی پھر ٹیکسی لے کر جامع مسجد میں پہنچے اور سو گئے۔ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد نائب مفتی اعظم سے ملاقات ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا لوگوں سے انفرادی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ مسجد اگرچہ کافی وسیع تھی مگر ترکی حکومت کی طرف سے نئی عالیشان عمارت بنانے کا معاہدہ ہو چکا تھا جس کا سنگ بنیاد جمعہ کے دن رکھا جانا تھا۔ مسجد کے قریب مدرسہ عربیہ بھی تھا جس کے طلباء وہاں مقیم تھے مگر یہ بات بڑی عجیب تھی کہ نماز فجر اور نماز عصر کے وقت مسجد میں نہ کوئی نماز پڑھنے والا ہوتا اور نہ ہی کوئی پڑھانے والا ہوتا۔ فقیر اس صورتحال کو دیکھ کر بہت پریشان ہوا۔ جب معاملے کو سمجھنے کی کوشش کی تو پتہ چلا کہ اس تنزیل کی ساری بنیاد مفتی اعظم صاحب ہیں۔ فقیر کو تو وہ کیمونسٹ حکومت کے ترجمان نظر آتے تھے۔ گو انہوں نے عربی زبان سیکھ لی تھی مگر اوپر سے 'لالہ' اور اندر سے 'کالی بلا' والا معاملہ تھا۔ فقیر نے مولانا عبداللہ کو اپنے تاثرات بتائے تو وہ کہنے لگے کہ حضرت! آپ نے سو فیصد صحیح بات کو سمجھ لیا ہے۔ جب یہ مفتی اعظم صاحب بنے تھے تو انہوں نے وقت کے صدر کے ساتھ مل کر ایک تقریب منعقد کی جس میں سارے ملک کے مفتی صاحبان اور خطباء وائمہ کو بلایا گیا تھا۔ صدر نے مفتی صاحب کی تقریر کی خوشخبری سنائی۔ پھر مفتی صاحب نے تقریر کی اور تقریر کے آخر پر سب حاضرین سے وفاداری کا عہد لیا اور انہیں کہا کہ آپ سب لوگ مجھے تعظیمی سجدہ کریں۔ جو حکومتی ٹٹو تھے وہ تو رکوع کی حالت میں جھک گئے اور جو اہل حق حضرات تھے انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ان سب حضرات کو اسی وقت مساجد سے فارغ کر دیا گیا اور ان کی جگہ حکومت نے اپنے نماہندگان کو تعینات کر دیا۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

اب پورے ملک کے ائمہ و خطباء پر مفتی اعظم صاحب کاراج ہے اور مفتی اعظم کے دل پر ملک کے صدر کاراج ہے۔ مفتی صاحب جمعہ کا خطبہ دے دیتے ہیں اور باقی سارا کام نائب مفتی کے ذمے ہے۔ رہی بات نمازوں کی تو مثل مشہور ہے کہ ”جس کا تھاڑ روہ نہیں ہے گھرا ب جو چاہے کر“ والا معاملہ ہے۔ یہ باتیں سن کر فقیر کو بہت دکھ ہوا، سوچا کہ کل ان سے ملاقات کریں گے۔

مفتی اعظم سے ملاقات :

جمعہ کے دن صبح دس بجے مفتی اعظم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو میں مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہم یہاں پر ترکی والا اسلام لانا چاہتے ہیں۔ پاکستانی لوگ دین کے معاملے میں بہت زیادہ سخت ہیں۔ ہم ترقی یافتہ ملک میں رہتے ہیں، ہمیں اسلام میں لچک دینی چاہئے۔ الدین یسر (دین آسان ہے) فقیر اس دوران مفتی صاحب کو توجہ دیتا رہا مگر پتہ چلا کہ یہ فتویٰ دینے والا مفتی نہیں ہے بلکہ مفت سے مفتی بنا ہے۔ دل میں دنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ ہمارے شیخ یہاں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت پھیلانے آئے ہیں۔ مفتی صاحب نے فرمایا، انہیں میری طرف سے اجازت ہے یہ پورے ملک میں جہاں چاہیں جائیں اور جس مسجد میں چاہیں وعظ کریں، ہماری دعائیں اور نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے اذا اتاکم کریم قوم فاکرموہ (جب تمہارے پاس قوم کا کوئی مہمان آئے پس تم اس کا اکرام کرو) فقیر نے اسی کو نفیست سمجھا اور مولانا عبد اللہ سے کہا کہ ہم جانے کی اجازت طلب کریں، مفتی صاحب نے اجازت دی اور دروازے تک چھوڑنے کے لئے آئے، اس کے بعد فقیر ان سے کبھی نہیں ملا۔

نئی مسجد کا سنگ بنیاد :

نماز جمعہ پڑھانے کے لئے ترکی کا ایک وفد آیا ہوا تھا، جن صاحب نے تقریر کی وہ تو داڑھی کی سنت سے محروم، کوٹ پتلون پہنے ہوئے اور ٹائی لگائے ہوئے، ننگے سر تقریر کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنی تقریر میں بتایا کہ ہم یہاں مسجد بنا کر پورے ملک میں اس کی شاخیں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ترکی ایک ماڈل اسلامی ملک ہے، استنبول میں ہزاروں مسجدیں ہیں۔ ہر ہر مسجد میں ہزاروں لوگ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ترکی اپنی ترقی کے اعتبار سے یورپ کا حصہ ہے۔ لہذا آپ سب ترکی کے ساتھ تعاون کریں۔ خطبہ مفتی اعظم صاحب نے پڑھا شکر الحمد للہ کہ نماز ترکی کے ایک مہمان شیخ نے پڑھائی جو ظاہری سنت سے آراستہ تھے۔ ورنہ تو ہم جمعہ کی نماز سے محروم ہو جاتے۔ نماز کے بعد سنگ بنیاد کی تقریب ہوئی۔ الماتا شہر سے سینکڑوں مرد اور عورتیں اس تقریب کو دیکھنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جب فقیر نے سنگ بنیاد کی دعا کر لی تو واپس مسجد میں آگئے۔

قزاق دوشیزہ کا خواب :

ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے ہی تھے کہ دو عورتیں ہماری طرف آئیں فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ پوچھو یہ کیا کہتی ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ ان میں سے ایک ماں ہے اور دوسری بیٹی ہے۔ ماں نے یہ بتایا ہے کہ اس کی بیٹی کا نام دینہ ہے اور وہ یہاں سے 50 میل دور رہتی ہے، آج سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کے لئے آئی تھیں۔ اس نے چند دن پہلے خواب میں آپ کو دیکھا ہے۔ صبح اٹھ کر اس کی بیٹی نے آپ کا پورا حلیہ چہرہ مرہ اور کپڑے وغیرہ کا تذکرہ کیا اور کہا کہ امی! اس بزرگ کے چہرے سے نور نکلتا تھا، ہاتھ میں عصا تھا۔ اس کی والدہ نے کہا کہ ایسے لوگ تو مسجدوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں رابطہ کیا تو آج کی تقریب کا علم

ہوا۔ یہ اس میں شرکت کے لئے آئی تھیں مگر آپ کو دیکھتے ہی دینہ نے کہا امی! میں نے اس بزرگ کو خواب میں دیکھا ہے۔ یہ دونوں عورتیں سارا وقت آپ کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ اب چاہتی ہیں کہ آپ کی شاگرد بن سکیں۔ فقیر نے اسی وقت توبہ کے کلمات پڑھا کر انہیں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل کیا اور یوں الحمد للہ قزاقستان میں نقشبندی نسبت کی اشاعت کا آغاز ہوا۔ ابھی یہ خواتین بیٹھی تھیں کہ ایک وفد نوجوان مردوں اور عورتوں کا مسجد میں داخل ہوا۔ مسجد دیکھتے دیکھتے آہستہ آہستہ ہمارے قریب پہنچا۔ مولانا عبداللہ ان کے تعارف کے لئے ان کی طرف اٹھے۔ چند منٹ کے بعد سب لوگ فقیر کے پاس آگئے۔ مرد حضرات سامنے بیٹھ گئے جب کہ عورتوں کو فقیر نے اپنی دائیں طرف بیٹھنے کے لئے کہا۔

شوہر طاہرہ کی آمد :

مولانا عبداللہ نے کہا کہ یہ یونیورسٹی کے نوجوان ہیں ان کا تعلق اس ڈیپارٹمنٹ سے ہے جہاں طلباء و طالبات کو فلموں میں کام کرنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ ان کی قائد ایک لڑکی ہے جو آپ سے خود بات کرنا چاہے گی۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ فقیر کے دائیں لمبا ب بیٹھی ہوئی لڑکی بولی کہ میں اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ایک ایسی شخصیت سے محکم ہو رہی ہوں جس سے بات کرتے ہوئے میرے دل پر رعب طاری ہے۔ ایک ان ہونی سی ہیبت مجھے متاثر کر رہی ہے۔ آپ اگرچہ میری طرف نہیں دیکھ رہے مگر میں آپ کا چہرہ دیکھ رہی ہوں۔ میں یونیورسٹی میں ٹریننگ حاصل کر رہی ہوں۔ میں اپنی یونیورسٹی کی سب سے اول نمبر کی رقاہ ہوں۔ میرے ساتھ چند اور لڑکیاں بھی ہیں جو ماڈلنگ کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ کچھ لڑکے اور لڑکیاں میوزک سیکشن سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ لڑکے مصوری کا فن سیکھ رہے ہیں۔ ہم

لوگ یونیورسٹی سے شہر کی طرف نکلے تھے کہ آئس کریم کھائیں مگر مسجد کے قریب
ہجوم دیکھ کر رک گئے۔ اسی دوران ہم نے آپ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا۔ ہم میں
سے بعض نے کہا کہ یہ غیر ملکی مہمان نظر آتے ہیں۔ چلیں ان سے تعارف کرتے
ہیں۔ ہم مسجد میں داخل ہوئے ہیں اور اب آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔

فقیر نے اپنا مختصر تعارف کروایا، جب انہیں معلوم ہوا کہ فقیر نے الیکٹریکل
انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی ہوئی ہے کمپیوٹر میں بھی مہارت حاصل ہے، یورپ وغیرہ
کی کانفرنس بھی دیکھی ہیں تو وہ لوگ ہکا بکارہ گئے۔ پوچھنے لگے کہ آپ تو ایک شیخ نظر
آتے ہیں۔ فقیر نے کہا، ہاں یہی زندگی کا اصل پہلو ہے اور یہی تخلیق کائنات کا مقصد
ہے۔ اگر فقط کھانا پینا ہوتا تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہ رہتا۔ انسان کو فضیلت ہی
اچھے اخلاق اور کردار کی وجہ سے ہے۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہ بات چیت چلتی رہی۔
اس کے بعد ایک نوجوان نے مولانا عبداللہ کے کان میں کچھ بات کہی تو مولانا نے کہا
کہ یہ نوجوان آپ سے بات کرنے کی اجازت چاہتا ہے۔

تیسرے ہیرے کی دریافت :

اس نوجوان نے بتایا کہ میرا نام امیر تیمور ہے۔ میں یونیورسٹی میں مصوری کا فن
سیکھ رہا ہوں۔ آپ کی بات سن کر میرے اندر کی دنیا میں انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ اب
یہ سب کچھ چھوڑ کر میں وہ علم سیکھنا چاہتا ہوں جو آپ سکھاتے ہیں۔ فقیر نے کہا، اس
کے لئے بیعت ہونا پڑتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں تو نصف تیار ہوں مجھے بیعت کر لیجئے۔
جب نوجوان آگے بڑھا تو دوسرے لوگوں نے پوچھا کہ کیا ہم بھی شاگرد بن سکتے ہیں؟
مولانا عبداللہ نے کہا کہ جو شخص بھی اپنی پچھلی زندگی کے گناہوں سے توبہ کرنا چاہے
وہ آگے بڑھے اور شیخ کے سامنے کلمات پڑھے۔ اس پر لڑکیاں بھی اٹھ کر سامنے آنے

لگیں۔ مولانا نے انہیں بتایا کہ آپ یہیں بیٹھی رہیں اور کلمات پڑھ لیں۔ فقیر نے خطبہ بیعت کے بعد کلمات پڑھائے۔ جب دعائے مآب پڑھی تو مجمع پر گریہ طاری ہو گیا۔ ایک تو دینہ زار و قطار رو رہی تھی اور دوسرا یونیورسٹی کی رقا صہ بہت زیادہ رو رہی تھی۔ الحمد للہ آنے والے وقت نے ثابت کیا کہ امیر تیمور اور رقا صہ کی توبہ سچی تھی۔ دونوں نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا۔ فقیر کے مشووعے پر دونوں نے آپس میں شادی کر لی۔ امیر تیمور نے فقیر کے ساتھ پورے رشیا کا دورہ کیا۔ سر سے پاؤں تک سنت کے مطابق زندگی بن گئی۔ قصبے والوں پر اس کی نیکی کا اتنا اثر پڑا کہ انہوں نے امیر تیمور کو مسجد کا امام خطیب اور مدرسے کا مہتمم بنا دیا۔ یوں الماتا پہنچ کر ہمیں تیسرے ہیرے کی دریافت نصیب ہوئی۔ رقا صہ نے امیر تیمور سے قرآن پڑھنا سیکھا اور اب وہ گاؤں کی چیلوں کو قرآن کی تعلیم دیتی ہے۔ امیر تیمور نے یہ بات اکثر دوستوں کو بتائی کہ دیکھو، میں نے نیکی کا راستہ اپنایا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا ہی میں ”حور“ عطا کر دی ورنہ اس رقا صہ کے تو ہزاروں چاہنے والے تھے۔ اب وہ دوپٹے لے کر جب قرآن پڑھتی ہے تو حور عین معلوم ہوتی ہے۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے دیتے ہیں اس کو جس کو چاہتے ہیں)۔

چیلک میں قیام :

جمعہ کے دن عصر کی نماز کے بعد مولانا عبداللہ وضو تازہ کرنے کے لئے گئے تو ان کی ملاقات الماتا سے 100 کلو میٹر دور بے آنے والے ایک صاحب سے ہوئی۔ سرسری تعارف کے بعد ان صاحب کی ملاقات فقیر سے ہوئی تو انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ لوگ ہمارے گھر چلیں۔ مولانا عبداللہ کا مشورہ تھا کہ دعوت قبول کرنے سے ہمیں قزاقستان کے دیہاتوں میں کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ فقیر نے

بھی آمادگی ظاہر کر دی۔ چنانچہ اگلے دن ہم لوگ دو گھنٹے کا سفر کر کے چیلک پہنچے۔ چیلک ایک بڑے گاؤں کا نام تھا جس میں زندگی کی ہر سہولت مہیا تھی۔ کھلی کھلی سڑکیں، کشادہ گھر، پرسکون زندگی، لوگ ایک دوسرے سے بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے۔

مسجد میں ظہر کی نماز کے وقت اعلان کر دیا گیا کہ مغرب کی نماز کے بعد بیان ہو گا۔ یہ بات جنگل کی آگ کی طرح پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ مردوں اور عورتوں نے ملاقات کے لئے آنا شروع کر دیا۔ صاحب خانہ کو سمجھایا گیا کہ عورتیں بغیر پردے کے سامنے آکر گفتگو نہیں کر سکتیں، تو ان کو یہ بات بہت عجیب لگی۔ عورتوں نے سوال پوچھا کہ پھر ہمارے دین سیکھنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقیر نے کہا کہ کل دن کے گیارہ بجے ایک پروگرام فقط عورتوں کے لئے منعقد کریں گے۔ عورتیں یہ بات سن کر خوشی سے کھل اٹھیں۔

مغرب کے بیان میں نوجوان حضرات کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ الحمد للہ لوگ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ بیان سننے کے لئے بیٹھے۔ ہمیں یہاں ترجمانی کے لئے وقت محسوس ہوئی۔ مولانا عبداللہ قزاقی زبان نہیں جانتے تھے اور مقامی باشندے ازبکی زبان نہیں جانتے تھے۔ امیر تیمور اگرچہ مقامی نوجوان تھے اور قزاقی زبان ان کی مادری زبان تھی مگر انہیں عربی، اردو وغیرہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ انگلش زبان کی تعلیم بھی واجبی سی تھی۔ میان کا ترجمہ کرنا مشکل کام تھا۔ فقیر کو اس دن یہ بات اچھی طرح واضح ہوئی کہ قرآن مجید کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو وہی زبان دے کر بھیجا جو مقامی باشندوں کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وما ارسلنا من نبي الا بلسان قومه

(اور نہیں بھجا ہم نے کسی نبی کو مگر قوم کی زبان کے ساتھ)

فقیر نے تجویز پیش کی کہ مولانا عبد اللہ فقیر کے عربی الفاظ کا روسی زبان میں ترجمہ کریں اور امیر تیمور روسی الفاظ کا قزاقی زبان میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ اس دن کا بیان عربی زبان میں ہوا۔ مولانا عبد اللہ نے اس کا ترجمہ روسی زبان میں کیا اور امیر تیمور نے اس کا ترجمہ قزاقی زبان میں کیا۔ یوں دو ترجمانوں سے گزارا ہو گیا۔ مقامی لوگ روسیوں سے نفرت کی وجہ سے مسجد میں روسی زبان بولنا بھی مکروہ سمجھتے تھے۔ لیکن ہمارے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی دوسرا حل نہیں تھا۔ فقیر نے باطنی توجہ والا کام خوب کیا۔ اس سے فائدہ یہ ہوا کہ لوگوں کے دلوں نے اس پیغام کو سمجھ لیا جو پیغام فقیر پہنچانا چاہتا تھا۔ بیان کے بعد سب لوگ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل ہوئے۔ چوں کا جوش و خروش قابل دید تھا۔

مستورات کی بیعت :

اگلے دن گیارہ بجے صاحب خانہ کا گھر مستورات سے بھر گیا۔ حتیٰ کہ مسجد سے لاؤڈ سپیکر لا کر بیان کرنا پڑا۔ طے یہ ہوا کہ فقیر گذشتہ رات والا بیان انگریزی زبان میں دہرائے گا اور امیر تیمور اس کا ترجمہ مقامی زبان میں کریں گے۔ مولانا عبد اللہ نے اشکال ظاہر کیا کہ مرد حضرات یہ بیان پہلے سن چکے ہیں وہ اس کو دوبارہ دلچسپی سے نہیں سنیں گے۔ فقیر نے کہا کہ مولانا! اللہ تعالیٰ نے شریعت میں اتنی جاذبیت رکھ دی ہے کہ ایک نصیحت بار بار سنی جائے تو بھی اس کا اثر ہوتا ہے۔ مزید برآں باطنی فیض بھی اگر ساتھ شامل ہو تو پھر توفیق مکرر کا مزہ ملتا ہے۔ جو لوگ گانا سنتے ہیں وہ ایک ہی گانے کو سینکڑوں مرتبہ سنتے ہیں مگر ان کو ہر بار نیا مزہ آتا ہے۔ بچے چوکھٹے کو منہ میں لے کر ایک ایک گھنٹہ چباتے رہتے ہیں انہیں مزہ آتا ہے۔ اسی طرح فقیر قرآن کی آیات بیان کرے گا اور قرآن مجید میں اتنی جاذبیت ہے کہ سامعین کے دلوں کو متاثر

کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بیان کے بعد حاضرین نے ذکر سیکھا، بڑی چاہت سے مراقبہ کیا اور بتایا کہ کل کی نسبت آج زیادہ مزہ آیا ہے۔ اجتماعی دعا میں عورتوں نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ اتنی رحمت نازل ہوئی کہ مردوں کی آنکھیں بھی اشکبار ہو گئیں۔ مولانا عبد اللہ بہت زیادہ خوش تھے۔ بیان کے بعد فرمانے لگے کہ آج ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ فقیر نے کہا، یہی اہل ایمان کی نشانی ہے۔

وَ اِذَا تَلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ زَادَتْہُمْ اِیْمَانًا

(اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی آیات، زیادہ ہوتا ہے کہ ان کا ایمان)

نیامدہ نیانام :

صاحب خانہ کے بچے کی شادی کو دو سال گزر چکے تھے۔ اس کی بیوی امید سے تھی۔ اگلے دن اس نے بیٹا جنا اور شدید خواہش ظاہر کی کہ میرے بچے کا نام معزز مہمان کے نام پر رکھا جائے، چنانچہ اس کا نام ”ذوالفقار احمد“ تجویز کیا گیا۔ اہل خانہ کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ فقیر نے نو مولود کے لئے خوب دعائیں کیں۔ بچے کے باپ نے کہا کہ میں نے نیت کر لی ہے کہ اس بچے کو دین کی خدمت کے لئے وقف کروں گا۔ فقیر نے بتایا کہ امام غزالیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ”اگر والدین کی نیت شروع سے یہی ہو کہ ہم نے بچے کو دین سکھانا ہے تو بچہ اپنی زندگی میں جتنے سانس لیتا ہے، والدین کو ہر سانس کے بدلے اجر دیا جاتا ہے“

حضرت خواجہ احمد یسویؒ :

حضرت خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے عظیم المرتبت مشائخ میں سے ہوئے ہیں۔ ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیریؒ کا نام بھی آیا ہے۔ دونوں حضرات نے مختلف

اوقات میں چند مہینے حضرت خواجہ صاحبؒ کی صحبت میں گزار کر نسبت نقشبندیہ کے علوم و معارف کو حاصل کیا۔ اسی لئے خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ ان دونوں حضرات کے پیر تعلیم کہلاتے ہیں۔

خواجہ ابو یوسف ہمدانیؒ کے دو خلفاء نے بہت شہرت پائی۔ ایک تو خواجہ جہاں حضرت خواجہ عبدالحق غجدوانیؒ نے اور دوسرے حضرت خواجہ احمد یسویؒ نے۔ خواجہ عبدالحق غجدوانیؒ کا نام ہمارے مشائخ کی لڑی میں آتا ہے۔ مگر خواجہ احمد یسویؒ سے شجرے کی دوسری شاخ چلی۔ خواجہ احمد یسویؒ کا مزار تاتارستان میں ہے۔ فقیر کو مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ چند گھنٹے کار میں سفر کرنے سے ہم خواجہ احمد یسویؒ کے مزار پر حاضری دے سکتے ہیں۔ فقیر نے خوشی کا اظہار کیا لہذا مولانا نے پروگرام تکمیل دے دیا۔

حضرت خواجہ احمد یسویؒ بڑے مستجاب الدعوات بزرگوں میں سے ہوئے ہیں۔ جس کی طرف آنکھ مھر کر دیکھ لیتے تھے اسی کا دل جاری ہو جاتا تھا۔

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

حضرت خواجہ احمد یسویؒ بڑے متبع سنت بزرگ تھے۔ لوگوں کو ان کے علوم و معارف سے بہت فائدہ ہوتا تھا۔ جب ان کی عمر 63 سال ہو گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میرے محبوب ﷺ نے روئے زمین پر اتنی ہی عمر گزاری تھی لہذا میں بقیہ زندگی زیر زمین گزاروں گا۔ چنانچہ انہوں نے تمہ خانہ بنالیا۔ ہمہ وقت ذکر و عبادت میں مشغول رہتے حتیٰ کہ اسی تمہ خانے میں ان کی وفات ہوئی۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است
(ہر پھول اپنی علیحدہ رنگ و بو رکھتا ہے)

اولیاء کارپوڑ :

جب ہم لوگ ایصالِ ثواب کے بعد مزار کی عمارت سے باہر آئے تو سخت بھوک لگی ہوئی تھی۔ مولانا عبد اللہ کا خیال تھا کہ کسی ہوٹل سے روٹی خرید کر چائے کے ساتھ کھالیں گے۔ لیکن ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک خاتون مولانا عبد اللہ کے قریب آئی اور کہا کہ آپ لوگ مسافر معلوم ہوتے ہیں۔ مولانا نے کہا، ہاں۔ اس نے کہا، میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ میری طرف سے دعوت قبول کریں۔ مولانا نے فقیر سے پوچھا کہ حضرت! کیا کریں؟ فقیر نے عرض کیا مولانا! اگر یہ عورت کہتی کہ آپ اللہ کے واسطے میرے چند جوتے کھائیں تو ہم اس کے لئے بھی حاضر تھے، یہ تو کھانا کھانے کے لئے کہہ رہی ہے۔

مولانا نے یہ بات عورت کو بتائی تو وہ کھلکھلا کر ہنسی اور کہنے لگی کہ میرے خت جاگ گئے کہ ایسے نیک لوگ میرے گھر کھانا کھائیں گے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! اس عورت کا گھر کہاں ہے؟ اس عورت نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ وہ سامنے والا گھر ہے، آپ دو منٹ میں پیدل چل کر پہنچ جائیں گے۔ چنانچہ ہم سب لوگ اس کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس نے چیخ چیخ کر گھر کی لڑکیوں کو کچھ کہنا شروع کر دیا۔ مولانا عبد اللہ ایک بات پر ہنسنے لگے، حتیٰ کہ ہنس ہنس کر دوہرے ہو گئے۔ فقیر نے پوچھا، مولانا! آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ مولانا نے بتایا کہ یہ عورت گھر کی لڑکیوں کو خوش ہو کر کہہ رہی تھی کہ خدا کی ہدیوں، جلدی کرو، دسترخوان لگاؤ، میرے ساتھ اولیاء اللہ کارپوڑ آ رہا ہے۔

اس نیک خاتون نے انتہائی پر تکلف ضیافت کا اہتمام کیا۔ ہم لوگوں نے کھانا کھا کر قیلوہ کیا پھر ظہر کی نماز ادا کر کے اگلی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

باب 5

کرغستان کا سفر

کرغستان جمہوریہ کے ایک طرف قزاقستان دوسری طرف ازبکستان اور تیسری طرف چین ہے۔ یہاں کے لوگ چین کے صوبہ کتائی سے نسلی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ جمہوریہ دوسری جمہوریاؤں سے اقتصادی طور پر پیچھے ہے۔ اس کا بہت سارا علاقہ پہاڑی سلسلے پر مشتمل ہے۔ دینداری کے اعتبار سے ازبکستان کے بعد دوسرا نمبر کرغستان کا ہے۔ یہاں کے علماء کا تعلق ممکن اور وادی فرغانہ کے علماء و مشائخ سے بہت زیادہ ہے۔

بشکک یا فروزے :

روسی کیمونسٹوں نے کرغستان کے دار الخلافہ کا نام ”فروزے“ رکھا تھا۔ لیکن جب یہاں کے لوگوں کو آزادی ملی تو انہوں نے شہر کا نام بشکک رکھ دیا۔ یہ شہر دوشنبے کی مانند جدید اور قدیم عمارتوں پر مشتمل ہے۔ شہری آبادی کے لوگ وسیع و عریض مکانات میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اکثر بلند و بالا عمارتیں حکومتی دفاتر سے متعلق ہیں۔

مورخہ 6 جولائی سوموار ہم الماتا سے ٹیکسی پر سوار ہو کر بشکک پہنچے۔ اس شہر میں ہماری واقفیت کسی سے نہیں تھی۔ چلتے وقت چیلک کے امام مسجد نے ہمیں مفتی اعظم کے گھر کا پتہ دے دیا تھا۔ جب نماز عصر کے قریب مفتی اعظم صاحب کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ کہیں گئے ہوئے ہیں، دیر سے آئیں گے۔ مفتی اعظم کرستان کی بیٹی نے کہیں سے ہم لوگوں کو دیکھ لیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو بھیجا کہ مہمانوں سے کہیں کہ اگرچہ ابو گھر پر نہیں ہیں مگر آپ ہمارے گھر میں ہی قیام کریں، ہم مہمان خانے کا دروازہ کھول رہے ہیں۔ ہم لوگ سفر کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے لہذا مغرب کی نماز پڑھ کر سو گئے۔

رات دیر سے آنکھ کھلی تو عشا کی نماز ادا کی۔ مفتی اعظم مولانا عبدالحجید صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ ان کے والد سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے شیخ تھے مگر مفتی اعظم صاحب کی طبیعت ذکر و سلوک کی طرف زیادہ راغب نہ تھی۔ رات کی ملاقات تو بہت ہی مختصر رہی، ہم لوگ دوبارہ سو گئے۔

نماز فجر کے بعد ناشتے کے دسترخوان پر بیٹھے تو مفتی اعظم صاحب نے ایک رسالہ فارسی زبان میں لکھا ہوا دکھایا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ یہ میرے والد ماجد نے لکھا تھا۔ فقیر نے رسالہ دیکھا تو اس میں عالم امر کے پانچ لطائف اور عالم خلق کے دو لطائف کا تفصیلی تذکرہ تھا۔ فقیر نے مفتی اعظم صاحب کو بتایا کہ یہ رسالہ پورے سلوک کے بارے میں نہیں، فقط پہلے سات اسباق کے متعلق ہے۔ مفتی اعظم صاحب بڑے حیران ہوئے اور فقیر سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے متعلق سوال کرنے لگے۔ تقریباً ایک گھنٹہ کی گفت و شنید کے بعد مفتی صاحب نے فرمایا کہ ہمیں آج کی محفل سے بہت نفع ہوا۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم آج مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں پروگرام رکھ لیں۔ فقیر نے کہا، جیسے آپ فرمائیں گے حکم کی تعمیل ہوگی۔

مفتی اعظم صاحب نے ظہر کی نماز کے بعد مسجد میں اعلان کروادیا، جس کی وجہ سے رات کے بیان میں اچھے خاصے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ فقیر نے بیان کیا اور مفتی اعظم صاحب نے ترجمانی کی۔ جب بیعت کا سلسلہ شروع ہوا تو مفتی اعظم صاحب نے سب سے پہلے کپڑے کو پکڑا۔ بیعت کے کلمات پڑھانے کے بعد فقیر نے اوراد و وظائف کی تفصیل بتائی اور مراقبہ کروایا۔ جب پروگرام سے فراغت پر گھر پہنچے تو مفتی صاحب نے کاروالی قیص اتار کر جبہ پہن لیا، سر پر ٹوپی کی جگہ عمامہ باندھ لیا اور فرمانے لگے کہ میرے والد صاحب بھی اسی طرح مسنون لباس پہنتے تھے، آج سے میں نے بھی اسے اپنا لیا ہے۔ الحمد للہ سلسلہ عالیہ کے فیض نے دلوں کو لحوں میں بدل کے رکھ دیا۔

بشکک میں دو دن قیام کا ارادہ تھا لہذا دوسرے دن مفتی اعظم صاحب اپنی گاڑی میں ہم لوگوں کو مختلف مساجد اور مدارس وغیرہ دکھانے کے لئے ساتھ لے گئے۔ دو جگہوں پر چائے بھی پی اور لوگوں کو سلسلہ عالیہ میں داخل بھی کیا۔ رات کو مفتی صاحب کے اہل خانہ نے بھی بیعت کی۔ اگلے دن ہم لوگ کہیں جا رہے تھے کہ ایک ہوٹل کے مالک نے ہمیں دیکھ لیا۔ وہ دور سے مسکراتا ہوا آیا اور ہم سے ایسے ملا جیسے کہ مدتوں کے چھڑے دوست ملتے ہیں۔ فقیر حیران تھا۔ اس نے کہا کہ میرے ریسٹورنٹ پر کباب اور پلاؤ تیار ہے، آپ تشریف لا کر کھالیں۔ ہم لوگوں نے بہت معذرت کی مگر وہ اپنی ضد پر پکا ہا۔ حتیٰ کہ مفتی صاحب بھی اس کے ہموار ہو گئے۔ مجبوراً ہمیں بات ماننا پڑی۔ فقیر کو مشہور تاجی عطاء ابن ابی رباح کا قول یاد آیا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا۔

”میں وہ رزاق ہوں کہ اگر تو ناں ہاں کرے میں پھر بھی تجھے رزق پہنچا کر رہوں گا، تو اے میرے مددے! جب تو رو رو کر مجھ سے رزق مانگے گا تو پھر

میں تمہیں رزق کیوں نہیں دوں گا۔“

نیکوں کی بستی :

مفتی صاحب نے مولانا عبداللہ کو بتایا کہ بشکک سے 50 کلو میٹر کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔ جس کے باشندے روسی انقلاب کے وقت داغستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ وہ خاندان اب ستر سال کے بعد ایک بستی کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس بستی کے اکثر لوگ صاحب علم ہیں اور وہاں پر ایک بہت بڑا مدرسہ ہے۔ مولانا عبداللہ نے وہاں جانے کی خواہش ظاہر کی۔ مفتی صاحب نے فون پر رابطہ کیا تو مدرسے کے ناظم صاحب لینے کے لئے تشریف لائے۔ ناظم صاحب میل جول اور بات چیت کے آداب سے خوب واقف تھے۔ انہوں نے تھوڑی دیر میں ہمارے دلوں میں بڑا مقام پیدا کر لیا۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو مدرسے میں دوسو کے لگ بھگ طلباء مقیم تھے، ہر طالب علم کے چہرے پر علم کا نور نظر آتا تھا۔ اساتذہ کرام کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا، سر سے پاؤں تک سنت سے سجے ہوئے، پروقار شخصیات کے مالک تھے۔ نماز عصر کے بعد بیان ہوا اور دعا کے بعد محفل کا اختتام ہوا۔ رات کا کھانا ناظم تعلیمات کے گھر پر تھا۔ کھانے کے بعد انہی کے گھر پر قیام ہوا۔ انہوں نے انقلاب روس کی اتنی تفصیل بتائی کہ ہم لوگ علماء حق قربانیوں کی داستانیں سن کر عیش عیش کر اٹھے۔

رات اگرچہ دیر سے سوئے تھے تاہم تہجد کے نوافل پڑھنے کے لئے اٹھنا تو ضروری ہوتا ہے، اسی وقت تو ہم فقیہوں کو روزینہ ملتا ہے۔ فقیر نے چند نوافل ادا کئے اور صبح صادق تک اپنے اشغال و وظائف میں مصروف رہا۔ فجر کی نماز کے بعد اشراق تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اشراق کے بعد ناشتے کے وقت ناظم صاحب نے فرمایا کہ

ہم آپ کے کل کے میان سے بہت محفوظ ہوئے۔ آپ کے اعمال کو چپکے چپکے دیکھتے رہے۔ رات میں نے آپ کے انفرادی اعمال کو بھی دیکھا۔ ہمیں اب شرح صدر ہو چکا ہے کہا آپ متعجب سنت شیخ ہیں۔ ہم نے اپنے مہتمم صاحب کو ساری رپورٹ پہنچادی ہے۔ مہتمم صاحب اپنے ضعف اور بیماری کی وجہ سے دن کے دس بجے مدر سے آتے ہیں اور چند گھنٹے رہ کر واپس چلے جاتے ہیں۔ آج وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔ اگر انہوں نے اشارہ کر دیا تو سب بستی کے لوگ آپ سے ذکر و سلوک سیکھیں گے۔ تھوڑی دیر بعد مہتمم صاحب تشریف لائے ان کو دیکھتے ہی خیال آیا کہ

سماہم فی وجوہہم من اثر السجود

(ان کے چروں میں نشان ہوں گے سجدوں کے اثر سے)

مہتمم صاحب نے ذاتی تعارف کرنے کروانے کے بعد پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ فقیر نے عرض کیا کہ حدیث پاک میں نیکیوں کی بستی کا تذکرہ پڑھا تھا۔ ایک گنگناکار انسان اس بستی کی طرف چل کر جا رہا تھا، راستے میں موت آگئی تو اسے معاف کر دیا گیا۔ فقیر بھی آج اسی نیت کے ساتھ نیکیوں کی طرف چل کے آیا ہے کہ آپ حضرات کی زیارت سے اس عاجز مسکین کے گناہ معاف ہو جائیں۔ مہتمم صاحب نے اس بات پر رونا شروع کر دیا اور فرمایا کہ یہ تو آپ کی تواضع ہے، ہمارا تو یقین ہے کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا چہرہ دیکھ لینے سے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح بت جھڑ کے موسم میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ فقیر کو بھی ان کی اس بات سے رونا آگیا۔ بس پھر کیا تھا ماضرین محفل کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، کافی دیر تک یہی معاملہ رہا۔ بلا آخر مہتمم صاحب نے پوچھا کہ آپ کا سلسلہ کن بزرگوں سے ملتا ہے؟ فقیر نے سید الاءلین و لاءخرین رحمۃ اللہ علیہ سے شروع کر کے اپنے محبوب مرلی حضرت مرشد عالم تک سب حضرات کا تعارف کروادیا۔ مہتمم صاحب فرط خوشی سے

الحمد للہ، الحمد للہ پڑھنے لگے۔ پھر فرمانے لگے کہ کیا اس سلسلہ الذہب کی ایک کڑی میں بھی بن سکتا ہوں۔ فقیر نے کہا، کیوں نہیں۔ فرمانے لگے کہ مجھے بھی اپنا شاگرد بنا لیجئے اور اوراد و وظائف عطا کر دیجئے۔ میری عمر کا آخری حصہ ہے، نحیف و کمزور ہوں، مگر کوشش کروں گا کہ وظائف کی پابندی رہے۔ اس پر ناظم صاحب نے کہا کہ ہم نے بھی یہ سعادت حاصل کرنی ہے۔ رفتہ رفتہ سب حاضرین نے سلسلہ عالیہ میں داخلہ لیا اور قلب کی نشاندہی کروائی۔ مہتمم صاحب کچھ دیر مزید رکھنے کے بعد گھر تشریف لے گئے تو ہم لوگ مدرسہ میں آگئے۔ مدرسہ کے طلباء کو اطلاع مل چکی تھی۔ چنانچہ انہوں نے میان کا مطالبہ کیا۔ فقیر نے تقویٰ کے عنوان پر بیان کیا، سامعین کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ بیان کے بعد سب لوگوں نے بیعت کی۔ فقیر نے اللہ رب العزت کا شکر ادا کیا کہ حضرت مرشد عالمؒ کے فیض کو ”نیکوں کی بستی“ میں پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ۛ ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ خشد خدائے خشنود

{یہ سعادت زور بازو سے کوئی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ عطا نہ کرے}

مر کی میں ایک دن :

فقیر نے مراقبہ کے بعد ناظم صاحب سے اجازت لی اور ہم لوگ اداس دلوں کے ساتھ علماء و طلباء سے الوداع ہوئے۔ دین اسلام میں اتنی مقناطیسیت ہے کہ اس کی بنا پر دلوں میں اتنی شدید محبت سما جاتی ہے جو خاندانی اور خونی محبتوں سے بہت زیادہ قوی ہوتی ہے۔ چند طلباء نے ارادہ ظاہر کیا کہ ہم پاکستان آئیں گے اور آپ کے پاس تعلیم

حاصل کریں گے۔ وقت نے ثابت کیا کہ سات طلباء نے اپنا عہد پورا کر دکھایا۔ ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو کر امیر تیمور کے گھر پہنچے جو مرکی نامی بستی میں واقع تھا۔ یہ بستی ریاست جبول کا حصہ تھی۔ گاؤں کے قریب فیکٹری ایریا تھا اور گاؤں کے اکثر لوگ انہی کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ امیر تیمور نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دے رکھی تھی۔ وہ سب سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ ظہر کی نماز کے بعد مرکی کی جامع مسجد میں بیان ہوا۔ مولانا ذوالقرنین اور امام عبد المجید بہت زیادہ مانوس ہو گئے۔ یہاں سے فراغت پر امیر تیمور کے گھر میں قیام کیا۔ امیر تیمور کے ایک قریبی رشتہ دار نے سوال پوچھا کہ امیر تیمور آپ سے بیعت ہونے کے بعد بہت زیادہ بدل گیا ہے اور اب چاہتا ہے کہ یونیورسٹی کے دارالفنون کی تعلیم حاصل کرنا بد کر دے۔ فقیر نے کہا کہ اس تعلیم کو چھوڑنے کی وجوہات اسی سے معلوم کریں۔ امیر تیمور تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ کہنے لگا کہ حضرت! ہم نے اب تک کی زندگی اور جوانی برباد کی ہے، ہمارے نامہ اعمال میں سیاہی کے سوا کچھ نہیں ہے، میں مصوری کی تعلیم حاصل کرتا ہوں، ہماری یونیورسٹیوں میں نوجوانوں کو بے دین بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی جاتی، لڑکے لڑکیوں کو ایک ہی کمرے میں رہائش دی جاتی ہے حتیٰ کہ ہوٹل میں بیت الخلا بھی ایک ہی جگہ ہوتے ہیں، اسی جگہ لڑکی نما کر نکلتی ہے اور لڑکا انتظار میں کھڑا ہوتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں جن جگہوں پر اپنے کپڑے دھوتے ہیں وہ جگہیں بھی مشترک ہیں، کھانے پینے کی جگہیں بھی مشترک ہیں، اس کثرت اختلاط کی وجہ سے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کے ساتھ آزادی کی زندگی گزارتے ہیں، نہ ماں باپ کو پروا، نہ ہی کسی اور کو اعتراض، پھر آپ خود بتائیں کہ شیطانی کاموں میں کیا کمی ہوتی ہوگی۔

ہمارے دارالفنون میں مصوری سکھانے کے لئے جہاں مختلف مناظر کی تصاویر

بنانے کے لئے تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں انسانوں اور حیوانوں کی تصویریں بھی کثرت سے عوائی جاتی ہیں۔ جب سالانہ امتحان ہوتا ہے تو ایک لڑکی کو منتخب کیا جاتا ہے جو سب طلباء کے سامنے عریاں ہو کر ایک میز پر لیٹ جاتی ہے۔ طلباء کو پندرہ منٹ کے اندر اس کی تصویر بنانی ہوتی ہے۔ ہر پندرہ منٹ بعد وہ اپنا پوز بدلتی ہے۔ اسی طرح اس کی چار پانچ تصاویر بنانی پڑتی ہیں۔ آپ خود بتائیں کہ جب دو گھنٹے بے لباس جسم آنکھوں کے سامنے رہے تو کیا بعد میں اس کا خیال نہیں آئے گا؟ پھر دارالفنون میں جس طالب علم کی تصویر سب سے اچھی ہو اسے دیواروں پر سجایا جاتا ہے۔ چنانچہ دیواریں عریاں تصاویر سے بھری ہوتی ہیں۔ کئی مرتبہ مسلمان طلباء نے تجویز بھی پیش کی کہ ایسا نہ کیا جائے مگر اساتذہ نے بتایا کہ ہمیں اوپر سے ہدایات ہی ایسی ملتی ہیں اور یہ سب کچھ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ طلباء کے اندر سے ”شرم و حیا“ والی بیماری ختم ہو جائے۔ کیونست لوگ دین کو سب سے بڑا دشمن سمجھتے ہیں اور انہیں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جو شخص بے شرم بن جاتا ہے وہ دین کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتا۔ فقیر نے بات کاٹتے ہوئے کہا کہ میرے آقا و سر دار نے چودہ سو سال پہلے بتا دیا تھا

اذا فاتك الحياء اعمل ما شئت

(جب حیافوت ہو جائے تو جو چاہو کرو)

ابو عثمان بولے کہ حضرت! امیر تیمور کو یہ تعلیم فوراً چھوڑ دینی چاہئے اور اس کی جگہ دین کی تعلیم حاصل کر کے دین کی خدمت کرنی چاہئے۔ اللہ مالک ہے وہ روزی دے کر رہے گا۔ فقیر نے امیر تیمور کے رشتہ دار کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر ندامت کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ بات تو سچ ہے کہ کیونست لوگوں نے دین کا نام و نشان مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہماری آبادی کے قریب شراب

ہانے کا ایک کارخانہ ہے۔ اس میں حکومت کی طرف سے ہر چھ ماہ کے بعد ایک مہینہ کاریگروں کو تنخواہ دینے کی جائے تنخواہ سے دگنی مقدار کی شراب کی بوتلیں دی جاتی ہیں۔ اب ان کی مرضی کہ وہ پیئیں یا بھیئیں۔ چنانچہ مسلمان کاریگروں کے گھروں میں بھی ہر چھ مہینے کے بعد شراب کی بوتلوں کا انبار لگا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ شراب کے عادی بن کر دین سے ہزاروں والی زندگی گزاریں۔ ان کی اس بات کو سن کر امیر تیمور نے کہا کہ اب ہمیں آزادی مل چکی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ اپنی جوانیوں کو دین کے لئے وقف کر دیں اور میں اس کے لئے حاضر ہوں۔ فقیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے شوق و ذوق کو زیادہ کرے اور آپ کو دین کی خدمت کے لئے قبول کرے۔ دعا کے بعد محفل برخواست ہوئی اور ہم لوگ نیند کے لئے سہروں پر چلے گئے۔

مغز کی تلاش :

اگلے دن صبح کا ناشتہ امیر تیمور نے گاؤں کے نمبردار کے گھر میں رکھا ہوا تھا۔ اشراق کے بعد جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک بزرگ کے اس کا گوشت بھون کر دسترخوان پر سجایا ہے۔ جب کھانا شروع کیا تو صاحب خانہ نے ایک پلیٹ میں بجرے کا بھنا ہوا سر لاکر فقیر کے سامنے رکھ دیا۔ امیر تیمور نے بتایا کہ یہ مہمان خصوصی کی عزت افزائی کے لئے کیا جاتا ہے۔ فقیر نے اس میں سے کچھ حصہ کاٹ کر کھایا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کی کھوپڑی کھول کر دماغ نکالنا چاہئے۔ تیز چھریاں دسترخوان پر پڑی تھیں۔ فقیر نے بڑے شوق سے بجرے کی کھوپڑی کو کھولا لیکن یہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی کہ اس میں مغز بالکل تھوڑا تھا۔ لگتا تھا کہ کوئی بہت ہی کم عقل بجر تھا۔

زندگی بھر گولی نہیں کھائی :

ہم لوگ ابھی کھانے میں مشغول تھے کہ بستی کے ایک معمر آدمی ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ ان کی عمر نوے سال کے قریب تھی مگر صحت بہت اچھی تھی۔ چہرے پر تازگی تھی۔ فقیر نے انہیں اپنے قریب بٹھالیا۔ تھوڑی دیر میں فقیر نے محسوس کیا کہ وہ بزرگ گوشت کی چائے چرپی کی بوٹیاں کھا رہے تھے۔ فقیر کو لیسٹرول بڑھنے کے خوف سے چرپی سے مکمل پرہیز کر رہا تھا اور چن چن کر گوشت کی وہ بوٹیاں کھا رہا تھا جو چرپی سے خالی ہوں۔ مگر وہ بزرگ چرپی کی بھنی ہوئی بوٹیاں تلاش کر کے مزے لے لے کر کھا رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس بزرگ نے چچ اٹھایا اور گوشت کے نیچے سے پکھلی ہوئی چرپی بھر بھر کر پینا شروع کر دی۔ وہ ایک بوٹی منہ میں ڈالتے اور چرپی سے بھر اہوا چچ پیتے۔ فقیر سے نہ رہا گیا۔ ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ امیر تیمور سے کہا کہ ان بزرگوں سے پوچھیں کہ ان کو کوئی بیماری تو نہیں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ میری عمر نوے سال ہو چکی ہے اور میں نے کبھی ڈاکٹر اور ہسپتال کو نہیں دیکھا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ میں نے پوری زندگی میں ایک دفعہ بھی دوائی کی گولی نہیں کھائی۔ سبحان اللہ، جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے۔

مفتی اعظم جمہول کی بیعت :

مورخہ 9 جولائی بروز جمعرات ظہر کے وقت مسجد کلاں جمہول میں پہنچے۔ خادم بند عبد الرحمان صاحب نے غیر معمولی الفت و محبت کا اظہار کیا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ان کی ایک بیٹی غجدان میں رہتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل یہ اپنی بیٹی سے ملنے غجدان گئے ہوئے تھے کہ وہاں فقیر کا بیان سننے کا موقع ملا۔ انہوں نے بیعت بھی کی۔ مجمع میں بیعت کی وجہ سے نہ تو ملاقات ہو سکی نہ ہی مخصوص تعارف ہو سکا۔ اب جب

عبدالرحمان صاحب نے فقیر کو اپنی مسجد میں دیکھا تو ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔ عبدالرحمن صاحب نے ہمیں مسجد کے مہمان خانے میں ٹھہرایا اور چائے کے ساتھ ضیافت کی۔ اتنے میں مفتی اعظم جبول علی حیدر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ عبدالرحمن صاحب نے فقیر کا تعارف بہت اچھے انداز میں کروایا۔ پھر غجدوان کی محفلوں کا آنکھوں دیکھا حال بھی سنایا۔ وہاں کے علمائے کرام کی بیعت اور عقیدت و محبت کے واقعات بھی سنائے تو مفتی اعظم بہت زیادہ متاثر ہوئے۔

عبدالرحمن صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ میں ان مہمانوں کو اپنے گھر کے مہمان خانے میں ٹھہرانا چاہتا ہوں۔ مفتی اعظم صاحب نے خوشی اجازت مرحمت فرمادی۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میں اپنی گاڑی پر ان حضرات کو پہنچا دیتا ہوں۔ چنانچہ مفتی صاحب کی معیت میں ہم لوگ عبدالرحمن صاحب کے گھر پہنچے۔ رات کے بیان کے بعد مفتی صاحب کے ہمراہ سب نمازیوں نے بیعت کی۔ لطیفہء قلب کی نشاندہی کے بعد انہیں اوراد و وظائف کی تلقین کی گئی۔ نشست برخواست ہونے کے بعد مفتی صاحب نے فرمائش ظاہر کی کہ کل جمعہ کی نماز کا خطبہ آپ دیں۔ فقیر نے اس دعوت کو خوشی قبول کر لیا۔

اسے لقائے توجواب ہر سوال :

اطلے دن فجر کی نماز کے بعد عبدالرحمان صاحب نے بتایا کہ ہماری مسجد میں جمعہ کی نماز ایک جگہ ہوتی ہے مگر نمازی دن کے دس بجے سے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور گیارہ بجے مسجد کا اندرونی ہال بھر جاتا ہے۔ بارہ بجے تک مسجد کے اطراف و جوارب کی جگہیں بھی نمازیوں سے بھر جاتی ہیں۔ اس کے بعد آنے والوں کو راستوں اور سڑکوں پر نماز پڑھنا پڑتی ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ نمازی تین گھنٹے پہلے مسجد میں کیوں آ جاتے

ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ ہر نمازی صلوٰۃ التَّيَحُّج پڑھتا ہے۔ جو لوگ قرآن مجید پڑھے ہوئے ہوں وہ سورۃ کف کی تلاوت کرتے ہیں۔ امام صاحب ساڑھے گیارہ بجے لاؤڈ سپیکر پر سورۃ کف پڑھتے ہیں اور سارے نمازی اس کو سننے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ سورۃ کف کو جمعہ کے دن پڑھنے اور سننے کا اتنا اہتمام اور کہیں نہیں دیکھا۔

ہم لوگوں نے نماز جمعہ کے لئے غسل وغیرہ سے جلدی فراغت حاصل کر لی اور بارہ بجے کے قریب مسجد میں پہنچے تو مسجد میں تل دھرنے کی جگہ نظر نہیں آرہی تھی۔ یہ تو عبدالرحمان صاحب کی مہربانی تھی کہ انہوں نے پہلی صف میں مہمانوں کے لئے خالی جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ نماز جمعہ سے ایک گھنٹہ پہلے مسجد میں پہنچ کر تلاوت اور تسبیحات کرنے کا مزہ بھی آیا اور نماز کے انتظار کا لطف بھی نصیب ہوا۔ ایک بجے فقیر نے میان کیا، مفتی اعظم صاحب نے ترجمانی کی۔

نماز جمعہ کے بعد بیعت و ذکر کی محفل منعقد ہوئی۔ اس کے بعد فقیر نے اوراد و وظائف کی تفصیل بتائی۔ مفتی اعظم علی حیدر صاحب نے فقیر کے کان میں بتایا کہ اس شر کے ایک عالم کچھ عرصہ سعودیہ میں رہنے کی وجہ سے تصوف کے بہت زیادہ مخالف ہیں۔ ابھی ابھی وہ بھی مسجد میں آئے تھے ہیں۔ مراقبہ کے بعد جب لوگوں سے ملاقات ہوئی تو ”غیر مقلد“ صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ پوچھنے لگے کہ آپ لوگوں کو اپنے پیچھے چلاتے ہیں یا سنت کے راستے پر چلاتے ہیں؟ فقیر نے کہا کہ سنت پر چلنے ہی میں ہماری نجات ہے۔ فرمانے لگے کہ ان کو جو اوراد و وظائف آپ نے بتائے ہیں وہ آپ کے اپنے تجویز شدہ ہیں یا حدیث پاک سے ان کا ثبوت بھی ملتا ہے؟ فقیر نے جواب دیا کہ حدیث پاک سے بھی ملتا ہے اور قرآن پاک سے بھی ملتا ہے۔ کہنے لگے کہ قرآن پاک تو ہم بھی پڑھتے ہیں۔ اس میں کہاں لکھا ہے؟ فقیر نے کہا کہ آپ پڑھتے تو ہیں مگر سمجھتے نہیں۔ اگر سمجھ کر پڑھتے تو ایسا بے کا سوال نہ کرتے۔ غیر مقلد

صاحب حیرانی و سراسیمگی کا مجسمہ بنے ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ مراقبہ کا حکم کہاں ہے؟ فقیر نے آیت پڑھی۔

و اذکر ربك في نفسك تضرعا وخيفة

{اور یاد کر اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی اور خوف کے ساتھ}

ان صاحب سے پوچھا کہ بتاؤ ”اذکر“ امر کا میخ ہے یا نہیں۔ کہنے لگے کہ ہے۔ فقیر نے پوچھا کہ فی ہنک کے کیا معنی ہیں؟ کہنے لگے کہ دل میں۔ فقیر نے کہا کہ اسی دل میں ذکر کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں۔ غیر مقلد صاحب کہنے لگے کہ وقوف قلبی کا ذکر کہاں ہے؟ فقیر نے کہا، ارشاد باری تعالیٰ ہے

فاذكروا الله قياما وقعودا وعلى جنوبكم

{پس یاد کرو اللہ تعالیٰ کو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلو پر لیٹے

ہوئے}

وقوف قلبی کا یہی مقصد ہے کہ لیٹے بیٹھے کھڑے ہر حال میں اللہ کو یاد کریں۔ کہنے لگے، ہاں ٹھیک ہے میرے اشکال دور ہو گئے۔ مفتی اعظم صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اب آپ بھی بیعت ہو جائیں۔ کہنے لگے، بہت اچھا۔ فقیر نے انہیں بیعت کر کے مراقبہ کا طریقہ سمجھایا۔ مولانا عبد اللہ صاحب کی خوشی کا کیا لمحہ کانہ۔ فقیر سے کہنے لگے

اے لقاے تو جواب ہر سوال

با تو مشکل حل شود بے تمل و قال

{اے کہ تیرا دیدار ہر سوال کا جواب ہے، تیری صحبت میں ہر مشکل بے

چون و چرا حل ہو جاتی ہے}

دہریہ لڑکی کا مسلمان ہونا :

عبدالرحمان صاحب کے ہمسائے میں ایک روسی لڑکی رہتی تھی جو کسی دفتر میں انجینئر کے طور پر کام کرتی تھی۔ عبدالرحمان صاحب نے ناشتے کے بعد فقیر سے کہا کہ حضرت! ایک نوجوان لڑکی دہریہ ہے۔ وہ اپنے حسن و جمال میں بھی لاکھوں میں ایک ہے اور عقل و کمال میں بھی دوسری لڑکیوں کو پیچھے چھوڑ گئی ہے۔ کیونست خیالات کی حافی ہے۔ ہم نے اسے ہر طریقے سے دین کی طرف لانے کی کوشش کی ہے مگر وہ پاؤں پہ پانی ہی نہیں پڑنے دیتی۔ میری چیوں کی خواہش ہے کہ آپ اسے تھوڑا سا نام دیں، وہ انگریزی زبان پر بھی عبور رکھتی ہے اور آپ سے گفتگو کے لئے آمادہ بھی ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر میں وہ لڑکی آگئی۔ فقیر نے اسے کہا کہ چادر میں لپٹ کر بیٹھ جائے اور جو کچھ پوچھنا چاہتی ہے وہ پوچھ لے۔ اس لڑکی نے پہلے اپنا تفصیلی تعارف کروایا۔ بات چیت سے لگ رہا تھا کہ اسے اپنی انجینئرنگ پر بڑا ناز تھا۔ پھر اس نے فقیر سے کہا کہ آپ اپنا تفصیلی تعارف کروائیں۔ فقیر نے بھی اپنے زمانہ طالب علمی سے لے کر انجینئرنگ مینجر ہونے تک کی باتیں مختصر انداز میں بتادیں۔ وہ لڑکی حیران رہ گئی۔ بار بار پوچھتی کہ واقعی آپ کو کمپیوٹر کا تجربہ ہے؟ جب فقیر نے اس کی تفصیل بتائی تو کہنے لگی کہ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ ایک ایسی شخصیت سے بات کر رہی ہوں جس کے پاس دینی و دنیاوی علم ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ کا دین کے بارے میں کیا عقیدہ ہے؟ کہنے لگی کہ ڈارون کی تھیوری کی قائل ہوں۔ فقیر نے اسے تھوڑی دیر لیکچر دیا اور قرآنی آیات و سائنسی حقائق کی روشنی میں تخلیق کائنات کے متعلق بتایا۔ اس نے چند اعتراضات کئے تو فقیر نے اس کے تسلی بخش جوابات دیئے۔ اندازاً ایک گھنٹے کی گفتگو کے بعد اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

عبدالرحمان صاحب کے اہل خانہ پر گریہ طاری ہو گیا۔ فقیر نے اس لڑکی کو اپنا رومال ہدیہ کے طور پر پیش کیا جسے اس نے فوراً حجاب کی مانند اپنے سر پر اوڑھ لیا۔ کلمہ پڑھنے کے بعد پوچھنے لگی کہ کیا آپ شام کو میرے ساتھ سیر پر جائیں گے؟ فقیر نے اسے پردے کے بارے میں اچھی طرح سمجھایا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔ کہنے لگی کہ اچھا کیا میں آپ کے ساتھ مل کر کھانا کھا سکتی ہوں؟ عبدالرحمن صاحب نے لے لے کہ ہم آج شام دعوت کریں گے۔ تم سب عورتوں کے ساتھ مل کر دعوت کھاؤ گی اور حضرت صاحب مردوں کے ساتھ مل کر کھانا کھائیں گے، اس پر وہ راضی ہو گئی۔ جاتے ہوئے رو پڑی اور کہنے لگی کہ آپ کے آنے سے مجھے بہت بڑی نعمت نصیب ہو گئی۔ آپ میرے محسن ہیں، میں آپ کو زندگی بھر نہیں بھول سکتی۔ پھر اس نے فقیر کی ازدواجی زندگی کے متعلق چند سوال پوچھے اور آخر پر کہنے لگی کہ وہ عورت کتنی خوش نصیب ہو گی جسے آپ جیسا شوہر ملا۔ فقیر نے کہا کہ نہیں بلکہ میں کتنا خوش نصیب شوہر ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایسی نیک بیوی عطا کی۔ کہنے لگی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی بیوی سے ملوں۔ فقیر نے کہا اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو ملاقات کا کوئی موقع بن جائے گا۔ اگر یہاں نہ بھی موقع بنا تو انشاء اللہ جنت میں ملاقات ضرور ہو گی۔ اس کے بعد فقیر نے اسے دین اسلام کی چند بنیادی باتوں کے بارے میں بتایا۔ تقریباً تین گھنٹے کے بعد محفل برخواست ہوئی۔ عبدالرحمن صاحب نے کہا کہ میری لڑکیاں بتا رہی ہیں کہ وہ لڑکی اسلام قبول کرنے پر اتنی خوش ہوئی ہے کہ ساری زندگی کبھی اتنی خوش نہیں ہوئی۔ فقیر نے کہا، اللہ تعالیٰ اس کو آئندہ بھی دین و دنیا کی خوشیاں عطا فرمائے۔ وقت کافی ہو چکا تھا ہم لوگ جبول شہر کے مدارس کے لئے نکل پڑے۔ شام کو عبدالرحمن صاحب کے گھر میں دعوت کھائی اور اگلے دن چمکنت کی طرف روانہ ہوئے۔

چم کنت میں قیام :

اتوار کے دن جبول سے روانہ ہو کر چم کنت پہنچے۔ یہ قراقرم اور ازبکستان کی سرحد پر واقع ایک بڑا شہر ہے۔ اس میں میڈیکل کالج بھی ہے جس میں پاکستان کے چند طلباء بھی پڑھتے ہیں۔ اس شہر کی مسجد کلاں میں قیام رہا۔ مغرب کی نماز کے بعد بیان ہوا۔ مسلم صاحب اور عبد المجید صاحب دونوں دوست سلسلہ عالیہ میں بیعت ہوئے۔ عبد المجید صاحب انجینئر کے عہدے پر کام کرتے تھے۔ ان کا ایک گھر چم کنت میں تھا اور ایک تاشقند میں تھا۔ انہوں نے نہایت پر تکلف دعوت کی۔

قاضی بیضاوی کا مزار :

عبد المجید صاحب نے تجویز پیش کی کہ عصر کی نماز کے بعد ”مدینۃ البیضاء“ کی زیارات کے لئے جانا چاہئے۔ اس گاؤں میں مشہور مفسر قرآن قاضی بیضاویؒ کا مرقد موجود ہے۔ اس شہر میں سینکڑوں علماء پیدا ہوئے مگر قاضی بیضاویؒ کے نام نے اس کی شہرت میں اضافہ کیا۔

قاضی بیضاویؒ اپنے وقت کے بڑے متبحر عالم تھے۔ ایک مرتبہ قضا کا عہدہ خالی ہوا تو ان کے دل میں چاہت تھی کہ یہ ذمہ داری انہیں سونپ دی جائے۔ حاکم وقت ایک شیخ کامل سے بہت عقیدت رکھتا تھا۔ قاضی صاحب نے سوچا کہ اس شیخ سے اپنی تائید میں چند الفاظ لکھوا لوں تو حاکم وقت مجھے یہ عہدہ دے دے گا۔ چنانچہ قاضی صاحب نے اس شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی خواہش بیان کی۔ انہوں نے ایک رقعہ حاکم کے نام لکھ کر دیا۔ حاکم وقت نے پڑھا تو اس نے اسی وقت قضا کے عہدے پر تعینات کر دیا۔ کافی مدت کے بعد جب کوئی تذکرہ چھڑا تو حاکم وقت نے رقعہ دکھایا اس پر لکھا ہوا تھا۔

”حامل رقعہ اچھے انسان ہیں، جہنم میں ایک مصلے کی جگہ چاہتے ہیں، تعاون فرمائیں“

قاضی صاحب پر یہ الفاظ حلی بن کر گرے، ان کے دل کی دنیا بدل گئی، دنیا کی محبت دل سے نکل گئی اور آخرت کی تیاری کا طبیعت پر غلبہ ہوا۔ چنانچہ انہوں نے تفسیر بیضاوی لکھی جو علماء میں بہت مقبول ہوئی۔

واپسی پر عبدالمجید صاحب ہمیں ایک ایسی جگہ لے گئے جہاں حضرت خواجہ احمد یسویؒ کی والدہ اور والد مدفون ہیں۔ ایصالِ ثواب کے بعد واپس چمکت آگئے۔ ہماری ٹیکسی کا ڈرائیور پکا دہریہ تھا۔ اس نے راستے میں مولانا عبد اللہ سے بحث شروع کر دی اور دین اسلام کے خلاف نازیبا باتیں کرنا شروع کر دیں۔ مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان بہت غصے میں آگئے۔ قریب تھا کہ معاملہ دست و گریبان تک پہنچ جاتا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے پوچھا تو حقیقت حال واضح ہوئی۔ فقیر نے کہا، مولانا! آپ دونوں خاموش رہیں اور فقیر کو اس سے گفتگو کرنے دیں، آپ کا کام فقط ترجمانی کرنا ہے، تھوری دیر فقیر نے اس سے گفتگو کی اور ساتھ ہی توجہات دیں۔ وہ خاموشی سے بات سنتا رہا، پھر اس نے اپنے اعتراضات بیان کئے۔ فقیر نے نہایت تحمل مزاجی کے ساتھ ان کے بھرپور جوابات دیئے۔ وہ بہت مطمئن ہوا۔ کافی دیر گری۔ سچ میں پڑا رہا پھر اس نے مولانا عبد اللہ کو بونے دھیسے لہجے میں کہا کہ اس شخص نے مجھے لاجواب کر دیا ہے، میری زبان ایسی بند ہو چکی ہے کہ اب چلتی ہی نہیں۔ مولانا نے کہا کہ اسلام کو قبول کر لو۔ اس نے کہا کہ میں نے دل سے تو قبول کر لیا ہے لیکن ظاہر اٹھوڑے ہی عرصے بعد قبول کر لوں گا۔ میں اب تک اسلام کا بہت بڑا مخالف تھا اب یکدم مسلمان کہلاتا میرے لئے مشکل ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ کلمہ پڑھ لیں اور کسی پر اس بات کا اظہار نہ کریں۔ اس نے کہا کہ یہ باتیں کہاں چھپی رہتی ہیں۔ فقیر نے کہا، یہ مواقع

بھی تو ہر وقت میسر نہیں آتے۔ اس نے کلمہ پڑھا تو مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ ٹیکسی سے اتر کر یہ حضرات اتنی محبت سے ملے جیسے کہ ایک دوسرے کے یار غار ہوں۔ مولانا نے کہا، حضرت! آپ کی ہستی تو ہمارے لئے تبرک ہے۔ فقیر نے عرض کیا، مولانا! اللہ تعالیٰ مجھے آپ کے گمان کی مانند بنادے، فقیر کا اپنا کوئی کمال نہیں، یہ تو نسبت کا نور ہے جو پتھر دلوں کو موم کر دیتا ہے۔

اگلے دن ہم تاشقند کے سیاحت ہوٹل میں پہنچے، فقیر نے مولانا عبد اللہ اور ابو عثمان کو تین دن کے لئے رخصت دی، تاکہ وہ گھر کا چکر لگا آئیں۔ اس دوران عباس خان کے مشورے سے ماسکو جانے کی تیاری مکمل کر لی۔



باب 6

روس کا سفر

17 جولائی 1992ء کو ہم لوگ ہوائی جہاز کے ذریعے تاشقند سے روانہ ہو کر ماسکو انٹر پورٹ پر پہنچے۔ چار آدمیوں کی جماعت تھی اور چاروں کا تعلق مختلف ممالک سے تھا۔ فقیر کا پاکستان سے، مولانا عبداللہ کا تاجکستان سے، ابو عثمان کا ازبکستان سے اور امیر تیمور کا قزاقستان سے تھا۔ جب پاسپورٹ چیکنگ کا وقت آیا تو متعلقہ افسر حیران نظر آتا تھا۔ اس نے ہمارے پاسپورٹ لئے اور قریبی کمرے میں اپنے افسر سے بات چیت کرنے کے لئے چلا گیا۔ ہم لوگ بیس منٹ تک انتظار کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہی پوچھا کہ آپ چار مختلف ممالک کے لوگ آپس میں دوست کیسے بنے؟ فقیر نے کہا کہ میں اپنے مشائخ کے مزارات کی حاضری کے لئے آیا تھا، مجھے ترجمانی کے لئے ساتھی کی ضرورت تھی، ایک ایک کرتے چاروں ممالک سے یہ ترجمان مل گئے، پھر ہم نے سوچا کہ ماسکو بھی دیکھ آئیں تو سیاحت کی نیت سے یہاں آئے ہیں۔ اس نے پوچھا، کتنے عرصے کے بعد واپس جائیں گے؟ فقیر نے کہا، اندازاً ایک مہینے کے بعد۔ اس نے پاسپورٹ پر مہر لگا کر ہمیں اندر داخلے کی اجازت دے

دی۔ مولانا عبداللہ نے مجھ سے یہ سوال پوچھا کہ حضرت! کیا ہم یہاں سیاحت کی نیت سے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا، مولانا! ہمیں ان دہریہ لوگوں کو ایسا جواب دینا ہوتا ہے جو ان کی سمجھ میں آسکے۔ ویسے قرآن مجید کا حکم ہے

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین

(کہہ دیجئے کہ چلو زمین میں پس دیکھو کیسے تھا انجام جھٹلانے والوں کا)

بات کرتے وقت یہ آیت فقیر کے ذہن میں تھی۔ ہم لوگ پورے رشتیاں سفر کر کے کیمونسٹوں کے برے حشر کو بھی دیکھیں گے اور ساتھ ہی ان کو دین اسلام کی دعوت بھی دیں گے۔ مولانا کو شرح صدر ہو گیا۔ واقعی علماء کی نظر ہر چھوٹی بڑی بات پر پڑتی ہے۔

شراب خانہ خراب :

پاسپورٹ چیکنگ والوں سے گزر کر ہم لوگوں نے اپنا سامان وصول کیا۔ اس کے بعد ہم لائن میں لگ کر کسٹم والوں کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے ہمارے سامان کی اس قدر باریک بینی سے چیکنگ کی کہ جیسے ہماری ہر چیز نوادرات میں سے ہے اور انہیں قسمت سے اس کو دیکھنے کا موقع میسر آ گیا ہے، تاہم فقیروں کی کٹھڑیوں سے انہیں کیا ملنا تھا۔ جب یہ مرحلہ بھی مکمل ہوا تو ہم لوگ ائر پورٹ کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھے، فقیر نے اچانک راستے میں کچھ فاصلے پر ایک جوان لڑکی کو چاروں شانے چت زمین پر لیٹے دیکھا، جس کے آدھے جسم سے لباس کھلا ہوا تھا، تو مولانا عبداللہ سے کہا کہ مولانا! یہ خاتون مریضہ لگتی ہے جو بے ہوش ہو کر گر پڑی ہے، کسی سے کہہ دیں کہ اس کو راستے سے اٹھالیں اور لباس ٹھیک کر دیں۔ مولانا عبداللہ نے کہا، حضرت! یہ لڑکی شراب زیادہ پی لینے کی وجہ سے راستے میں بے ہوش ہو کر گر گئی

ہے، یہاں اس کی پروا کسی کو نہیں، جب نشہ اتر جائے گا تو یہ خود ہی اٹھ کر گھر چلی جائے گی۔ فقیر یہ بات سن کر مجسمہء حیرت بن گیا۔ بزرگوں کی بات یاد آئی کہ شرابی اس بیوقوف کو کہتے ہیں جو روپیہ خرچ کر کے ذلت اٹھائے۔ مثل مشہور ہے کہ شراب کی عادت اور شریف کی دوستی بڑھتی ہے گھٹتی نہیں۔ شرابی انسان لاکھوں پتی کیوں نہ ہو جلد ہی فاقہ مستی کی نوبت آجاتی ہے۔ شرابی پر ایسا وقت جلد آجاتا ہے کہ اس کا معدہ خوراک کے لئے اور بدن کپڑوں کے لئے ترستا ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا

جو عقل کھری تھی کی کھوٹی اس نے

اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے

مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی

پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

سنا ہے کہ اٹلی کے مشہور ڈاکٹر پارس کا قول ہے کہ

”اگر شراب نہ ہوتی تو نصف گناہ اور پھاریاں کم ہوتیں“

اسی لئے شراب کو ام النجاست کہا جاتا ہے۔ اس کے پینے سے انسان کی عقل ماؤف ہو جاتی ہے، حیاء رخصت ہو جاتی ہے، بہن، بیٹی اور بیوی کا فرق ختم ہو جاتا ہے، زبان سے گالی گلوچ کرنا معمولی چیز نظر آتی ہے، بالآخر انسان اپنے آپ کا نہیں رہتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ سمندر میں اس قدر آدمی غرق نہیں ہوتے جس قدر جامے میں ڈوب کر مرتے ہیں۔ بقول شخصے

گلاسوں میں جو ڈوبے پھر نہ ابھرے زندگانی میں

ہزاروں بہہ گئے ان بوتلوں کے بد پانی میں

اسی لئے اسلام نے شراب کو ناپاک قرار دیا اور اس کا پینا حرام کر دیا۔

مرکزی مسجد کی زبوں حالی :

اڑپورٹ کی عمارت سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ریل گاڑی کے قریبی اسٹیشن پر پہنچے۔ ماسکو میں ریل گاڑی چلنے کا زیر زمین نظام دنیا کے اعلیٰ ترین نظاموں میں سے ایک ہے۔ اسے میٹرو اسٹیشن کہا جاتا ہے۔ ہم لوگ میٹرو کے ذریعے سفر کرتے ہوئے مرکزی مسجد کے قریب پہنچے۔ جب باہر نکلے تو مسجد کی طرف پیدل چلنا شروع کیا۔ ابھی چند قدم ہی چلے تھے کہ ایک روسی نسل کا آدمی فقیر کی جانب لپکا اور کہنے لگا کہ آپ یہ سامان مجھے دے دیں، میں اٹھا کر چلتا ہوں۔ فقیر نے اس کو سرسری سی بات سمجھتے ہوئے انکار کر دیا، مگر وہ شخص تو لپٹ ہی گیا۔ کافی دور تک فقیر چلتا رہا اور وہ سامان اٹھانے کے لئے اصرار کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ایک جگہ پہنچ کر وہ راستے میں کھڑا ہو گیا اور روسی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ یہ آدمی کہہ رہا ہے کہ آپ مجھے سامان اٹھانے دیں، میں آپ سے پیسے تو نہیں مانگ رہا۔ فقیر نے پوچھا، اچھا پھر یہ سامان کیوں اٹھانا چاہتا ہے؟ اس شخص نے کہا کہ میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کا سامان اٹھا کر مجھے خوشی ہوگی، چنانچہ فقیر نے کچھ سامان اسے دے دیا۔ اس نے سامان اٹھا کر پوچھا کہ کیا آپ لوگ مسجد میں جانا چاہتے ہیں؟ ہم نے کہا، جی ہاں۔ کہنے لگا کہ میرے پیچھے آئیں میں آپ کو وہاں تک پہنچا دیتا ہوں۔ جب مرکزی مسجد میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جماعت ہو چکی ہے۔ ہم لوگوں نے وضو تازہ کر کے اپنی جماعت کروائی۔

اس دوران بہت سے نمازی ہمیں غور سے دیکھتے رہے۔ نماز سے فراغت پر فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ امام خطیب سے ملاقات کر لیں۔ مولانا جب ملاقات کر کے آئے تو کہنے لگے کہ یہاں کا امام خطیب بے ریش انسان ہے، گلے میں ٹائی باندھی

ہوئی ہے مگر سر پر عمامہ بھی رکھا ہوا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس مسجد میں فقط جمعہ کی نماز ہوتی ہے اور روزانہ ظہر کی نماز ہوتی ہے۔ باقی کسی نماز کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں ہو تا بلکہ مسجد کو تالا لگا دیا جاتا ہے۔ مولانا عبد اللہ نے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ بقیہ نمازوں کے لئے جماعت کا اہتمام نہیں ہوتا؟ امام صاحب نے کہا کہ میری ڈیوٹی کے اوقات صبح سات بجے سے سہ پہر تین بجے تک ہیں، اس دوران ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے لہذا وہ پڑھا کر میری ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ مولانا عبد اللہ بلند آواز سے استغفر اللہ کہتے ہوئے ہمارے پاس آئے اور کہنے لگے کہ حضرت! میں اپنے دس لی بات بتاؤں، مجھے شک ہے کہ یہ امام کمیونسٹ ذہن کا انسان ہے، اسے حکومت نے یہاں تعینات کیا ہے، اس کے پیچھے ہماری نمازیں نہیں ہوں گی۔ مزید برآں مسجد میں قیام کرنا ممکن بھی نہیں ہے کیونکہ سہ پہر تین بجے سے اگلے دن صبح سات بجے تک مسجد کو تالا لگا رہتا ہے۔ البتہ قریب ہی ایک ”تاریخی مسجد“ ہے وہاں پر پانچ نمازوں کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے۔ آپ اجازت دیں تو ہم وہاں چلے جائیں۔ فقیر نے مرکزی مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو دیکھا اور عملی طور پر ویرانی کو دیکھا تو نہایت افسوس ہوا اور تاریخی مسجد جانے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی۔

تاریخی مسجد میں قیام :

تاریخی مسجد میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ یہاں قریب ہی مسلمانوں کی گنجان آبادی ہے۔ مسجد میں پانچ فرض نمازوں کا اور نماز جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس مسجد کی عمارت ڈیڑھ سو سال پرانی تھی۔ روسی انقلاب کے وقت کمیونسٹوں نے امام مسجد اور اہل خانہ سمیت چودہ آدمیوں کو موقع پر گولی مار کر شہید کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مسجد کی عمارت میں پرنٹنگ پریس لگا دیا گیا۔ مسجد کے اندرونی حصے کی خوبصورت ٹائلیں اتار کر

ریلوے اسٹیشن کی عمارت میں لگا دی گئیں۔ اب آزادی ملنے کے بعد مسجد کی تعمیر نو کی گئی۔ یہ مسجد کریملین کی عمارت سے اتنی قریب ہے کہ اگر اسپیکر لگا دیئے جائیں تو اذان کی آواز کفر کے ایوانوں تک پہنچے۔

ہم لوگ جب مسجد میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ انگلینڈ سے ایک تبلیغی جماعت آئی ہوئی ہے۔ ان کے دو ساتھی ہمیں دیکھ کر آگے بڑھے اور انہوں نے ہمارا سامان مسجد کے اندر رہنے ہوئے ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا۔ عصر کی نماز کا وقت قریب تھا۔ ہم لوگوں نے وضو تازہ کیا اور نماز میں شریک ہوئے۔ نماز عصر کے بعد نمازیوں نے فقیر کو دیکھ کر مطالبہ کیا کہ مختصر سامیان کر دیا جائے۔ فقیر نے حکم کی تعمیل کی۔ یہ بات قریبی آبادی میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ایک شیخ طریقت مسجد میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ملاقات کے لئے آنے والوں کا تاننا بندھ گیا۔ جماعت کے دوست جب آنے والے کا استقبال کرتے تو وہ کہتا کہ مجھے تو پیر صاحب کی زیارت کرنی ہے۔ حتیٰ کہ عشا کی نماز تک اچھا خاصا مجمع لگ گیا۔

لوگ مولانا عبد اللہ سے حالات سفر پوچھتے رہے اور مولانا مزے لے لے کر اپنے مشاہدات و تاثرات بیان کرتے رہے۔ تبلیغی دوست خاموشی سے لوگوں کو آتا جاتا دیکھتے رہے۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے بعد امیر جماعت کا پیغام ملا کہ آج کچھ وقت جماعت کے ساتھیوں کو بھی دیا جائے۔ فقیر نے عرض کیا کہ

چشم ما روشن دل ما شاد

(ہماری آنکھ روشن، ہمارا دل خوش ہوگا)

چنانچہ جماعت کے ساتھی عشا کی نماز کے بعد ملاقات کے لئے تشریف لائے تو انہوں نے فقیر کو ہدیہ پیش کیا۔ فقیر نے سوچا کہ اس محبت کے جواب میں ”قلبی فیض“ کا تحفہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ سب ساتھیوں پر توجہ ڈالی۔ امیر جماعت نے فرمایا

کہ ہمارے ساتھی آپ کی نصیحت سننے کے متنی ہیں۔ فقیر نے تعمیل حکم کے طور پر قلبی صفائی اور باطنی پاکیزگی کی اہمیت پر بیان کیا۔ مضمون کچھ ایسا دلچسپ بن گیا کہ حاضرین میں سے اکثر حضرات نے رونا شروع کر دیا۔ میان کے بعد امیر جماعت نے فرمایا کہ ہمارے ساتھی آپ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ سب حضرات کو بیعت کے کلمات پڑھا کر ذکر و مراقبہ کا طریقہ سکھایا گیا۔ ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت! روحانیت کا اثر تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ ہم اس مسجد میں تین دن سے آئے ہوئے ہیں اور ان تین دنوں میں ہم نے خوب گشت کئے، انفرادی ملاقاتیں بھی کیں مگر جتنے لوگ چوبیس گھنٹوں میں آپ کے ہاتھ پر توبہ تاب ہو کر گئے ہیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ فقیر نے عرض کیا کہ اسی لئے حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا قول ہے کہ ”اگر تم مخلوق پر ایک چھٹانک محنت کرو تو ایک من محنت اپنے آپ پر کیا کرو۔“ ایک ساتھی نے کہا کہ حضرت! ذکر تو ہم کرتے ہی رہتے ہیں مگر اس کے اثرات وقتی ہوتے ہیں مگرے نہیں ہوتے۔ فقیر نے عرض کیا کہ خود ساختہ ذکر سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا، اسے سیکھ کر کرنا پڑتا ہے۔ فقیر نے ایک مرتبہ رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں حضرت مفتی ذین العابدین صاحب مدظلہ کی زبانی سنا:

”جب تک کسی شیخ سے سیکھ کر ذکر نہیں کرو گے اس وقت تک تمہیں تبلیغ

میں جو تیاں چٹانے کے سوا کچھ نہیں ملے گا“

جماعت کے ساتھیوں نے میک زبان ہو کر کہا کہ اسی لئے تو ہم نے آپ سے ذکر سیکھا ہے۔ فقیر نے عرض کیا، عاجز تو آپ حضرات کا خادم ہے۔ کافی دیر تک یہ محفل جی رہی بلا آخر ہم نے اجتماعی دعا کی نور نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

چوتھے ہیرے کی دریافت :

اتوار کے دن ظہر کی نماز کے بعد ہم لوگ کھانے کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان مسجد میں داخل ہوا۔ اس نے ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑی ہوئی تھی۔ فقیر نے اسے دیکھتے ہی بے ساختگی میں کہا ”آپ نے میرے لئے پانی لانے میں دیر کر دی۔“ وہ مسکراتے ہوئے فقیر سے گلے ملا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو عجیب بات سناؤں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ اس نے کہا، پہلے تو میں اپنا تعارف کروانا مناسب سمجھتا ہوں۔ میرا نام راول تاج الدین ہے۔ میں نے کئی برس تک ایئر فورس میں نوکری کی ہے۔ آج کل فوٹو گرافی اور نامہ نگاری کا شوق غالب ہے۔ میں جمعہ کے دن مرکزی مسجد میں جا رہا تھا کہ راستے میں آپ کو سامان اٹھائے چلتے ہوئے دیکھا۔ اتنے میں ایک روسی النسل آدمی آپ کے قریب آیا اور اس نے بڑی منت و سماجت کے ساتھ آپ سے سامان لے کر اٹھالیا اور آپ کو مسجد تک پہنچا آیا۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور آپ کی حرکات و سکنات کا غور سے جائزہ لیتا رہا۔ میں نے کبھی روسی نسل کے انسان کو نہیں دیکھا کہ وہ کسی کے ساتھ ادب سے پیش آیا ہو۔ میں نے اسی وقت سوچ لیا کہ یہ کوئی کامل شخصیت ہے، اس سے نماز کے بعد ضرور ملاقات کرنی چاہئے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو آپ لوگ جا چکے تھے۔ میں نے لوگوں سے آپ کے متعلق پوچھا تو کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیا۔ مجھے ملاقات نہ کر سکنے پر اتنا افسوس ہوا کہ رات کو ٹھیک طرح سے نیند بھی نہ آئی۔ بھٹے کا دن مصروفیت میں گزرا۔ آج میں نے ارادہ کیا کہ ظہر کی نماز تاریخی مسجد میں پڑھوں گا۔ راستے میں ایک آدمی پانی کی بوتلیں بیچ رہا تھا میں نے اس سے ایک بوتل خرید لی۔ دل میں خیال آیا کہ اگر میری آپ سے ملاقات ہو گئی ہوتی تو میں یہ بوتل آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش

کرتا۔ اب جب میں مسجد میں داخل ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی کہا ”آپ نے میرے لئے پانی لانے میں دیر کر دی“ میں حیران ہوں کہ آپ نے یہ بات کیسے کر دی؟ بہر حال مجھے آپ سے قلبی محبت ہو گئی ہے۔ مولانا عبد اللہ نے اسے ازبکستان اور تاجکستان کے دورے سے متعلق چند واقعات روسی زبان میں سنائے تو اس نے کہا کہ مجھے بیعت کر لیجئے۔ فقیر نے اسے بیعت کے کلمات پڑھائے۔ تاتاری خاندان سے تعلق رکھنے والا یہ نوجوان ماسکو کی جماعت نقشبندیہ مجددیہ حمیدیہ کا پہلا سالک بنا۔ پھر اس کی وساطت سے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ کی خوب اشاعت کروائی۔

ناں ناں کرتے کرتے پیار.....!!!

تاریخی مسجد کی عمارت کے قریب اس کا مہمان خانہ اور خطیب صاحب کا دفتر بنا ہوا تھا۔ اس میں ایک خاتون کام کرتی تھی۔ اس خاتون نے لوگوں سے فقیر کے متعلق باتیں سنیں تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں اپنے نوجوان بیٹے کو مسجد میں بھیجوں تاکہ وہ بھی راہ راست پر آجائے۔ ماسکو میں غافل نوجوانوں کے لئے دلچسپی کے اتنے پھندے ہوتے ہیں کہ اس میں پھنس جانا معمول کی بات ہے۔ ایسے نوجوان مسجدوں کی فضا میں آتے ہی گھٹن محسوس کرتے ہیں جیسے کسی نے ان کا گلا دبا دیا ہو۔ خاتون نے مولانا عبد اللہ سے رابطہ قائم کیا تو مولانا نے اسے بتا دیا کہ آپ نماز ظہر کے بعد اپنے بیٹے کو بھیج دیں۔

ہم لوگ ظہر کی نماز ادا کر کے مسجد میں بیٹھے وعظ و نصیحت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک خوبصورت نوجوان مسجد میں آیا اور مجمع میں بیٹھ گیا۔ جب بیان ختم ہوا تو اس نوجوان نے انگریزی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے اپنا تعارف کروایا کہ میں کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کر رہا ہوں، انگریزی زبان جانتا ہوں، انگریزی طور طریقوں کو پسند کرتا

ہوں، میرا نام الدار ہے، میری زندگی عیش و آرام میں گزر رہی ہے، میری والدہ خطیب صاحب کے دفتر میں کام کرتی ہے، اس نے مجھے زبردستی یہاں بھیجا ہے، میں نیک بننا چاہتا ہوں مگر بہت زیادہ نیک نہیں۔ آپ کو دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہونے لگا ہے کہ آپ کی باتوں کا میرے دل پر بہت اثر ہو جائے گا۔ تو ایسا نہ ہو کہ میں تمام گرل فرینڈز سے ملنا چھوڑ دوں، لہذا میں ایک دودن آپ سے ملنے آؤں گا، مگر میں آپ سے زیادہ قریب نہیں ہو سکتا۔ فقیر کو دل میں ہنسی بھی آرہی تھی اور اس کی سادگی پر تعجب بھی ہو رہا تھا۔ اس کی کمائی سن کر فقیر نے کہا کہ ٹھیک ہے آپ اپنی والدہ کے کہنے پر یہاں آتو گئے ہیں اب واپس جانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ پروردگار عالم نے کسی مقصد کے تحت آپ کو بھیجا ہے۔

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں
فقیر کی باتیں سن کر وہ نوجوان کہنے لگا کیا واقعی میں بہت زیادہ نیک بن جاؤں گا؟
آپ بتائیں ناں کہ میری دوستوں کا کیا خیال ہے؟ فقیر نے کہا کہ جب سب سے بڑے سے دوستی ہو جائے گی تو پھر کوئی دوسرا نگاہ میں نہ آئے گا ہی نہیں۔ زلف فتنہ گر پھر دم خور کی طرح نظر آئے گی۔ آپ یوں گنگنا کر رہیں گے:

کوئی جی بھرنے کی صورت ہی نہیں میرے لئے
کیسے دنیا بھر کے ہو جائیں حسین میرے لئے
اب تو ذوق حسن اپنا یوں کہے ہو کر بلند
حسن اوروں کے لئے حسن آفریں میرے لئے

وہ نوجوان گھبرا سا گیا اور کہنے لگا کہ مجھے خطرہ لاحق ہو گیا ہے کہ واقعی میرا دل بدل جائے گا اور میں نیک بن جاؤں گا۔ فقیر نے کہا، آپ کیا چاہتے ہیں؟ کہنے لگا کہ میں نیک بننا چاہتا ہوں مگر بہت زیادہ نیک نہیں بننا چاہتا۔ فقیر نے پوچھا، بہت زیادہ نیک کا

کیا مطلب؟ کہنے لگا کہ بس میں نماز تو پڑھ لوں گا مگر گرل فرینڈز کو نہیں چھوڑنا چاہتا۔
 فقیر نے کہا کہ میں آپ کو پڑھنے کے لئے کچھ بتا دیتا ہوں اس سے دل کو سکون مل
 جائے گا۔ کہنے لگا کہ نہیں میں کوئی وظیفہ نہیں کرنا چاہتا، مجھے ڈر ہے کہ میں بہت زیادہ
 نیک بن جاؤں گا۔ فقیر نے تنگ آکر کہا کہ اچھا میاں! تھوڑی دیر مراقبہ کر لو پھر دعا
 کے بعد چلے جانا۔ اس نے کہا، مراقبہ کیا ہوتا ہے؟ فقیر نے کہا کہ ابھی آپ کے سامنے
 کریں گے۔ کہنے لگا، بہت اچھا۔ جب مراقبہ میں فقیر نے اس کے دل پر توجہ ڈالی تو
 اس نے جھومنا شروع کر دیا اور درزور سے اللہ اللہ کہنے لگ گیا۔ جب مراقبہ ختم ہوا تو
 اس نے کہا کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی روشنی آپ کے سینے سے نکل کر میرے
 سینے میں آگئی ہے۔ اب مجھے اپنے سینے میں ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے۔ آپ مجھے بیعت
 فرما لیجئے۔ فقیر نے کہا کہ نہیں آپ کو بیعت نہیں کرنا۔ اس نے کہا، کیوں؟ فقیر نے
 کہا کہ تمہیں پہلے اپنی دوستیاں چھوڑنی ہوں گی۔ کہنے لگا کہ اب مجھے اپنے دل میں ایسا
 سکون مل رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہر چیز کو چھوڑنا آسان ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کو
 بیعت کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان سے دین کا خوب کام لیا اور وہ کئی نوجوان لڑکے
 لڑکیوں کے راہ راست پر آنے کا ذریعہ بن گیا۔ فقیر جب بھی اسے ملتا تو چھیڑنے کی
 خاطر مسکرا کر کہتا

ناں ناناں کرتے کرتے پیار کر بیٹھے

وہ روسی زبان میں جواب میں کہتا جس کا ترجمہ اردو میں یوں ہے کہ

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

فقیر نے اس کی والدہ سے کہا کہ آپ کا بیٹا نوجوان ہے اس کی شادی کر دیں۔
 چنانچہ ایک ایم بی لی ایس ڈاکٹر لڑکی کے ساتھ اس کی شادی ہو گئی۔ جب میاں بیوی
 ملنے آتے تو میاں اپنے بیعت ہونے کی داستان مزے لے لے کر سناتا اور کہتا کہ جب

سے میں نے عشق مٹا دیا۔ سے توبہ کی ہے مجھے اللہ تعالیٰ نے سکون و اطمینان کی دولت عطا کی ہے۔ اب میری ہر وقت کی تمنا ہے کہ میں بہت زیادہ نیک بن جاؤں۔

سادھو کا قبول اسلام :

مورخہ 19 جولائی 1992ء کو فجر کی نماز کے بعد فقیر نے پاکستان ٹیلیفون کرنا تھا اس مقصد کے لئے ماسکو سنٹرل ایکیجنج جانا ضروری تھا۔ کیمونسٹ سرکار نے ریشیا سے بیرون ملک ٹیلیفون کرنا اتنا مشکل مرحلہ بنا دیا تھا کہ پہلے کال بک کروانی پڑتی ہے۔ آپریٹر ایک دن کا وقفہ دے کر وقت بتا دیتی ہے کہ فلاں دن فلاں وقت یہاں ایکیجنج میں آجانا بات کروادی جائے گی۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ ہر کال کی نگرانی کی جاتی ہے، کوئی آدمی بیرون دنیا کو اندر کی بات نہ بتا دے۔

جب ہم لوگ ایکیجنج کے بڑے ہال میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ اس میں دو اطراف میں چھوٹے چھوٹے کیمین بنے ہوئے تھے۔ ایک جانب دس بارہ آپریٹر کے میز لگے ہوئے تھے۔ کال بک کروانے والے ان کے سامنے لائن لگا کر کھڑے ہوتے تھے۔ جب باری آتی تو آپریٹر کال ملا کر اس آدمی کو کیمین نمبر بتا دیتیں کہ فلاں جگہ جا کر بات کر لو۔ ہمارے پاکستانی دوست محمد اشرف نے کہا کہ حضرت! آپ یہاں انتظار گاہ کی کرسی پر بیٹھیں، میں لائن میں کھڑا ہوتا ہوں، جب کال مل گئی تو آپ کو کیمین میں بلا لوں گا۔ فقیر ایک کرسی پر بیٹھ گیا دوسری کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ روس میں اگر کوئی مسلمان غیر محرم عورت سے اپنی نگاہ کو محفوظ رکھنا چاہے تو اصول یہ ہے کہ مردوں کے چہروں کی طرف بھی نہ دیکھے۔ اگر کسی نے دل میں سوچا کہ میں مردوں کو دیکھ لوں البتہ عورتوں کو نہیں دیکھوں گا تو یہ ناممکنات میں سے ہے۔ اس کی نظر ضرور بالضرور غیر محرم پر پڑے گی۔ مزید برآں جس شخص کو اپنی نگاہیں نیچی رکھنے کی

عادت ہو وہی بد نظری سے بچ سکتا ہے۔ جسے ادھر ادھر تاکہ جھانک کرنے کی عادت ہو تو وہ غیر محرم سے نظروں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ فقیر نے جب اپنے چاروں طرف روسی النسل لوگوں کا مجمع دیکھا تو عافیت اسی میں نظر آئی کہ آنکھیں بند کر کے مراقبہ کر لیا جائے۔ انتظار کی گھڑیاں بھی گزر جائیں گی اور بد نظری کے گناہ سے بھی بچ جائیں گے۔ فقیر کو مراقبہ کرتے ہوئے چند منٹ گزرے تھے کہ اچانک یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی قریب بیٹھا ہوا فقیر کے دل پر تصرف کر رہا ہے۔ فقیر نے تھوڑی دیر کے لئے اس کیفیت کو عارضی سمجھا، مگر توجہ کے اثرات محسوس ہو رہے تھے۔ اس حیرانی کے عالم میں فقیر نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ قریب کی کرسی پر ایک نوجوان سادہ آنکھیں بند کر کے فقیر کی طرف رخ کئے توجہ دے رہا تھا۔ فقیر جب اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ فقیر نے اشارے سے پوچھا کہ کیا کر رہے تھے۔ اس نے مسکراتا دیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ کو بلا کر کہا کہ یہ لڑکا فقیر کے قریب بیٹھا ہوا اثرات کر رہا تھا، اس سے تعارف کریں کہ یہ کون ہے؟ مولانا عبد اللہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ میں چیکو سلو اکیہ کا باشندہ ہوں۔ کرشنا کے انداز پر میڈیٹیشن کرتا ہوں۔ تقریباً ایک سو کے قریب نوجوان میرے شاگرد ہیں۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ گھومنے پھرنے کے لئے ماسکو آیا ہوں۔ اس شخص کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو سوچا کہ چلو اس کے دل پر تصرف کروں۔ مگر اس نے میرے اوپر ایسی توجہ ڈالی ہے کہ اب میں اپنے آپ کو خالی محسوس کرتا ہوں۔ آپ اس شخص سے کہیں کہ میری کیفیات سلب کیوں کی ہیں؟ مولانا عبد اللہ نے فقیر کو صورتحال واضح کی تو فقیر نے کہا کہ چونکہ پہلے اسی نے کی تھی لہذا فقیر کا حق بتا ہے کہ اپنا دفاع کرے۔ وہ نوجوان مولانا عبد اللہ کی منت سماجت کرنے لگ گیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ اس نوجوان سے کہیں کہ ہم مسجد میں مقیم ہیں یہ ہمارے ساتھ وہاں چلے تو ہم تسلیم

سے بات کر سکیں گے۔ اس نے پوچھا کہ میری بیوی بھی میرے ساتھ ہے۔ فقیر نے کہا کہ اسے بھی ساتھ لے چلو۔ اسی گفتگو کے دوران ہماری کال مل گئی اور فقیر نے چند منٹ میں پاکستان فون پر بات چیت کر کے اہل خانہ کی خیریت دریافت کی۔

فون سے فراغت پر ہم لوگ تاریخی مسجد کی طرف چلے تو گرد اور اس کی بیوی بھی ہمارے پیچھے چل پڑے۔ ہم نے انہیں مسجد کے متصل ایک حجرے میں بٹھا دیا۔ ناشتے سے فراغت پر فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ ہم اس نوجوان کو دین کی دعوت دیں۔ پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ نوجوان صرف چیکو سلواکیہ کی زبان سمجھتا تھا اس سے روسی زبان میں بھی گفتگو نہیں کی جاسکتی تھی۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ پتہ کرو ممکن ہے اس کی بیوی کو روسی زبان سمجھ میں آتی ہو۔ جب پوچھا گیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ ہاں میں روسی زبان جانتی ہوں۔ اب دوسرا مرحلہ یہ تھا کہ مولانا عبد اللہ کو عربی اور ازبکی زبان آتی تھی، روسی زبان پر مہارت حاصل نہیں تھی۔ چنانچہ ابو عثمان کو بلایا گیا۔ ترتیب اس طرح سے بنی کہ فقیر عربی زبان میں گفتگو کرتا تو مولانا عبد اللہ اس کا ترجمہ ازبکی زبان میں کرتے، پھر ابو عثمان اس بات کا ترجمہ روسی زبان میں کرتے تو گرد کی بیوی اس کا ترجمہ چیکو زبان میں کرتی۔ ترجمانوں کی اس سیریز میں پتہ نہیں کہ اصل بات کس حد تک اس گرد تک پہنچتی رہی۔ تاہم تھوڑی دیر گفتگو کے بعد اس نوجوان سادھو نے دوبارہ فقیر کے دل پر تصرف کرنا چاہا۔ فقیر نے اسے کہا کہ میاں ہماری نسبت کا ملین سے ہے اب تو جتنا چاہو زور لگاؤ۔ یہ کہہ کر فقیر حجرے سے باہر آگیا۔ سادھو اسی جگہ پر آٹھ گھنٹے ایک ہی نشست میں بیٹھا رہا۔ بالآخر اس کی بیوی نے اسے مشورہ دیا کہ جب اس شخص نے تمہاری کیفیات سلب کر لی ہیں اور آٹھ گھنٹے کی محنت کے باوجود تمہیں وہ کیفیات واپس نہیں ملیں تو تم اس کے شاگرد کیوں نہیں بن جاتے؟ سادھو نے آمادگی کا اظہار کیا تو اس لڑکی نے مولانا عبد اللہ کو بلا کر کہا کہ ہم

دونوں اس شیخ کے شاگرد بننا چاہتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ اس کے لئے تمہیں مسلمان ہونا پڑے گا۔ اس نے کہا، ہم تیار ہیں۔ مولانا خوشی سے اچھل پڑے۔ فقیر نے کہا کہ ان دونوں سے کہیں کہ غسل کریں پھر مسجد میں ان کو کلمہ شہادت کی تعلیم دیں گے۔ جب گرو کی بیوی غسل خانے سے نما کر باہر نکلی تو مولانا عبد اللہ نے اسے اپنا سفید رومال سر پر اوڑھنے کے لئے دے دیا۔ اس لڑکی نے حجاب کی شکل میں رومال اس طرح لپیٹا کہ مولانا حیران رہ گئے۔ جب وہ لڑکی مسجد میں داخل ہوئی تو خطیب صاحب بھی مسجد میں آگئے۔ جب انہوں نے اس لڑکی کو احرام باندھنے دیکھا تو اس سے تعارف کیا، جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہونا چاہتے ہیں تو انہوں نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ فقیر نے انہیں کلمہ پڑھا کر ضروریات دین کے متعلق بتا دیا۔ میاں بیوی کہنے لگے کہ ہم آپ کے ساتھ سفر کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ماسکو سے لینن گراڈ کا سفر ہمارے ساتھ کیا۔ نوجوان نے کہا کہ میں اپنے تمام شاگردوں کو خط لکھ دوں گا کہ مجھے میرے پروردگار نے روشنی دکھادی ہے، آپ لوگ بھی مسلمان ہو جائیں، میں قیامت کے دن بری الذمہ ہوں گا۔ اس طرح ایک سادھو کا سفر من الظلمات الى النور شروع ہوا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جب ہندوستان میں آریہ سماج کی تحریک زور پکڑ گئی اور ہندو جوگیوں اور پنڈتوں نے دیماہوں اور گاؤں میں جا جا کر سادہ لوح مسلمانوں کو ہندو بنانا شروع کر دیا تو اکابرین علمائے دیوبند نے اس فتنے کا قلع قمع کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ہندوؤں کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ لوگ ہمارے ساتھ مناظرہ کر لیں تاکہ حق و ضح ہو جائے۔ سادہ لوح مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرنے اور مختلف جھگڑندوں سے انہیں دین سے ہٹانے کا کیا مطلب؟ ہندو پنڈتوں نے مناظرے کا چیلنج قبول کر لیا لیکن ایک شرط بھی ساتھ رکھی کہ جب

مناظرہ شروع ہو گا تو ان کے گرد اور پنڈت مجمع میں سب سے پہلی قطار میں بیٹھیں گے۔ مسلمان علماء نے اس شرط کو تسلیم کر لیا۔ مناظرے کے دن اتنے لوگ جمع ہو گئے کہ تل دھرنے کی جگہ بھی خالی نہ رہی۔ جب مناظرہ شروع ہوا تو ہندو مقرر نے اپنے مذہب کی تائید میں بڑی دھواں دھار اور لچھے دار تقریر کی۔ جب مسلمان مقرر نے جوابی تقریر شروع کی تو گھبرائے ہوئے انداز میں بے ربط سی باتیں کہیں۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کے دل و دماغ پر کوئی رعب طاری ہے۔ ہندو سامعین نے جب یہ حالت دیکھی تو بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ حاضرین میں سے ایک آدمی اٹھ کر سٹیج کے پیچھے گیا جہاں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ تشریف فرما تھے۔ ارد گرد کتابوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے تاکہ اگر کوئی حوالہ بتانا پڑے تو فوراً کتاب نکال کر پیش کر دی جائے۔ اس نے حضرتؒ کو بتایا کہ مسلمان مناظرہ تو ایسے لگ رہے ہیں جیسے شیر کے سامنے ڈری اور سہمی ہوئی گائے کھڑی ہوتی ہے۔ حضرت سہارنپوریؒ نے وہیں بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا تو آپ کو بذریعہ کشف معلوم ہوا کہ سامعین کی پہلی قطار میں بیٹھے ہوئے ہندو پنڈت مسلمان مناظرہ پر تصرف کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان سادھو نے گیر و رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ وہ اس کام میں پیش پیش تھا۔ حضرتؒ نے اس سادھو کے دل پر توجہ ڈالی تو اس سادھو کو ایسے محسوس ہوا جیسے اس کے بدن میں آگ لگ گئی ہے۔ چنانچہ وہ اضطراب اور بے قراری کے عالم میں اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی مسلمان عالم دین کی کیفیت حال ہو گئی۔ انہوں نے اتنی مدلل اور مؤثر تقریر کی کہ ہندوؤں کو اپنی شکست کا اعتراف کرنا پڑا۔ محفل کے اختتام پر سب سادھو منہ لٹکائے گھروں کی طرف چل پڑے۔ اس کے بعد ہندو پنڈتوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ اور آریہ سماج کی تحریک اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں۔

بل نقدف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو ذاهق

(بلکہ ہم باطل کو حق پر پھینک مارتے ہیں سودہ اس کا سر

پھوڑ دیتا ہے، پھر وہ چلا جاتا ہے)

دین اسلام کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں ہونی ہے کہ باطل مذاہب کے لوگ اہل حق کا سامنا نہیں کر سکتے۔ مومن کی ایک لمحہ کی توجہ باطل کے خرمن پر چلی بن کر گرتی ہے۔ فقیر حیران ہوتا ہے کہ ایک سالک کی توجہات سادھوؤں کی سالہا سال کی محنتوں پر پانی پھیر دیتی ہیں اور ان کے دل کی دنیا کو بدل دیتی ہیں۔

اغیار کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا

ٹوٹے جو ستارہ تو زمین پر نہیں گرتا

گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا

لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

تاریخی مسجد کا تاریخی خطبہ :

سادھو کے اسلام قبول کرنے پر مولانا عبداللہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ انہوں نے تاریخی مسجد کے خطیب حضرت محمود کو ساری تفصیلات بتائیں اور سرقد و خارا کے حالات بھی چسکے لے لے کر سنائے۔ حضرت محمود نے فقیر کو حکم دیا کہ کل جمعہ کا خطبہ آپ نے دینا ہے۔ فقیر نے سر تسلیم خم کر دیا۔ جمعہ کے دن تاریخی مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ فقیر نے عظمت قرآن مجید کے موضوع پر بیان کیا جس کا ترجمہ حضرت محمود نے کیا۔ عربی خطبہ دیتے وقت سامعین کے دلوں پر عظمت الہی کی عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ حضرت محمود نے توبلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد بیعت کا عمل ہوا۔ مراقبہ اور دعا کے بعد حضرت محمود فقیر سے گلے

مل کر کہنے لگے کہ آج تو آپ نے تاریخی مسجد میں تاریخی خطبہ دیا ہے، کاش کہ بڑے بڑے سپیکر لگے ہوتے تو آواز کر یملین تک پہنچتی۔

ارباب کر یملین پر توجہ :

حضرت محمود نے بتایا کہ تاریخی مسجد سے تھوڑے ہی فاصلے پر روسی حکومت کا پایہء تخت ہے۔ اس عمارت کو کر یملین کہتے ہیں۔ لوگ اسے دیکھنے کو دور دراز کا سفر کر کے آتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو بھی وہ عمارت دکھائی جاسکتی ہے۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا، ضرور چلیں گے۔ چنانچہ نماز جمعہ کے بعد کھانا کھا کر ہم لوگ کر یملین دیکھنے کے لئے گئے۔ ظلمت کا ماحول اور سیاحوں کی بھیر اس قدر تھی کہ اللہ کی پناہ۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ آپ لوگ یہاں ایک جگہ کھڑے ہو کر اس طرح باتیں کریں کہ جیسے خوش گپیوں میں مصروف ہوں اور فقیر آپ لوگوں کی اوٹ میں بیٹھ کر مراقبہ کرے گا اور یہاں کے ارباب اقتدار کے دلوں پر توجہ ڈالے گا تاکہ ان کے دلوں پر اسلام کی عظمت بیٹھے اور وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں نہ کیا کریں۔ مولانا عبد اللہ نے اس بات پر مسکرا کر کہا کہ حضرت! یہاں اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، یہی اصلی تصوف ہے۔ فقیر جب مراقبہ کر رہا تھا تو ایک ہندو کرشنا دھر آنکلا اور اس نے مولانا عبد اللہ سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔ جب فقیر نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو کرشنا فقیر کا چہرہ دیکھتے ہی رنؤ چکر ہو گیا۔ مولانا عبد اللہ نے اسے کہا کہ ہمارے شیخ سے ملتے تو جاؤ۔ اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر کہا کہ نہیں تمہارا گرو بہت زبردست ہے۔ مولانا عبد اللہ نے قہقہہ بلند کیا اور فقیر نے بارگاہ رب العزت میں شکر ادا کیا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا نصرت بالربعب (میری مدد کی گئی ساتھ ربعب کے) چنانچہ نبی علیہ السلام کا ربعب آپ سے

ایک مینے کی مسافت آگے چلا کر تا تھا۔ اتباع سنت کی برکات میں سے ایک برکت یہ بھی ہے کہ قبیح سنت انسان کی شخصیت میں ایک رعب اور دبدبہ ہوتا ہے۔ اسی لئے کسی شاعر نے کہا

نہ تاج و تخت میں نے شکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ جس مرکز و عمارت سے ستر سال تک وجود باری تعالیٰ کی نفی ہوتی رہی۔ آج حالات نے ایسا پلٹا کھایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ایک ادنیٰ غلام اس عمارت میں بیٹھا لوگوں کے دلوں پر توجہ ڈال رہا تھا۔

پانچویں ہیرے کی دریافت :

کریملین کے دروازے کے بالکل سامنے ایک گر جاہنا ہوا ہے جس کی عمارت فن تعمیر کا شاہکار سمجھی جاتی ہے۔ اکثر تصاویر میں اس کو نمایاں طور پر دکھایا جاتا ہے۔ ہم لوگ اس گرجے کے قریب پہنچے تو ایک خوبصورت نوجوان نے فقیر سے مصافحہ کیا اور پوچھا کہ آپ یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟ فقیر نے کہا، پہلے آپ اپنا تعارف تو کروائیں۔ اس نے بتایا کہ میرا نام ودھم ہے، میں یوکرین کا رہنے والا ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے سے ماسکو میں آیا ہوا ہوں۔ آپ کو یہاں بیٹھے دیکھ کر تھوڑی دیر دور کھڑا دیکھتا رہا، پھر دل نے کہا کہ یہ شخص اپنے اندر کشش و جاذبیت رکھتا ہے اس سے ملاقات کرنی چاہئے۔ فقیر نے بتایا کہ میں خاندان نقشبندیہ کا غلام ہوں۔ اللہ اللہ کرتا بھی ہوں، کرواتا بھی ہوں۔ ودھم نے کہا مجھے بھی سکھا دیجئے۔ فقیر نے کہا کہ چند دن ہمارے ساتھ رہیں، سیکھ جائیں گے۔ اس نے رضامندی کا اظہار کیا۔ چنانچہ مسجد میں پہنچ کر ودھم نے بیعت کی۔ فقیر نے اس کا نام بدل کر ابراہیم ادھم رکھ دیا۔ ابراہیم

اودھم روسی النسل ہونے کے باوجود پکا مسلمان بن گیا اور درجنوں لڑکے لڑکیوں کی کامیابی و کامرانی کا ذریعہ بنا۔ ابراہیم اودھم ایک دن جوش میں آکر فقیر سے کہنے لگا کہ حضرت! آپ ارباب کریمین پر ایسی توجہ ڈالیں کہ یہ سب مسلمان ہو جائیں حتیٰ کہ لینن گراڈ کا نام بدل کر اسلام آباد رکھ دیا جائے۔ فقیر نے کہا اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کام کوئی مشکل نہیں ہے۔

لینن گراڈ روانگی :

مورخہ 20 جولائی رات گیارہ بجے ماسکو سے لینن گراڈ جانے والی ریل پر سوار ہوئے۔ رشتیا میں لمبے سفر کے لئے ریل گاڑیوں کا نظام بہت مقبول ہے۔ مسافروں کے لئے ریل گاڑی میں ہر سہولت موجود ہوتی ہے۔ سیٹیں نہایت آرام دہ اور صاف ستھری ہوتی ہیں۔ ہر یوگی کے مسافروں کی دیکھ بھال کے لئے ایک نگران متعین ہوتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ کسی جہاز میں سفر کر رہے ہیں۔ ہر سیٹ کی ریزویشن ہوتی ہے، بھید بھاڑ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ گاڑی اپنے مقررہ وقت پر رکتی اور چلتی ہے حتیٰ کہ چند منٹ کی تاخیر بھی نہیں ہوتی۔

ہم لوگ ساری رات سفر کرنے کے بعد دوسرے دن صبح آٹھ بجے لینن گراڈ پہنچے۔ عمارات، شاہراہوں اور دفاتر کے نکتہء نظر سے ہمیں ماسکو اور لینن گراڈ میں کوئی فرق نظر نہ آیا۔ ہمارے دوست محمد اشرف صاحب ہمیں اسٹیشن سے شہر کی مرکزی مسجد میں لے آئے، مرکزی مسجد کی عمارت فن تعمیر کا شاہکار تھی۔ جب ہم لوگ تحیۃ المسجد پڑھ کر فارغ ہوئے تو مولانا عبداللہ کو بھیجا کہ خطیب صاحب سے ملاقات کریں۔ انہوں نے واپسی پر بتایا کہ خطیب صاحب حکومت کے پروردہ نظر آتے ہیں۔ یہاں پر مسجد فقط ظہر اور عصر کے لئے کھولی جاتی ہے۔ خطیب صاحب کا گھر

مسجد سے چند فٹ کے فاصلے پر ہے مگر وہ دوسری نمازوں کے لئے مسجد کھولنے کی اجازت نہیں دیتے۔ مولانا عبداللہ نے یہ بھی بتایا کہ میں نے انہیں آپ کا غائبانہ تعارف کروا دیا ہے۔ سرقد اور خٹار کے حالات سنائے ہیں مگر خطیب صاحب نے ذرہ بذر الفت و محبت کا اظہار نہیں کیا۔ اتنا کہہ دیا ہے کہ آپ حضرات مسجد میں نہیں ٹھہر سکتے البتہ میں مؤذن کو کہہ دیتا ہوں کہ آپ کے لئے مہمان خانہ کھول دے۔ ہم لوگ مسجد سے مہمان خانے میں منتقل ہو گئے۔ ظہر کی نماز نائب خطیب نے پڑھائی۔ نماز کے بعد نمازیوں نے فقیر کو دیکھ کر مطالبہ کیا کہ کچھ وعظ و نصیحت کی جائے۔ فقیر نے مختصر بیان کیا تو شروع میں دو حضرات بیعت کے لئے تیار ہو گئے۔ جب خطبہ پڑھ کر کلمات پڑھانے کا وقت آیا تو مسجد میں موجود سب نمازیوں نے چادر پکڑ کر کلمات پڑھ لئے۔ فقیر کو بیعت کے وقت یہ خیال بار بار دل میں آ رہا تھا کہ یہ شر لینن کے نام پر مشہور ہے، چند سال پہلے تک دہریت کا مرکز رہا ہے اور آج الحمد للہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا ایک ادنیٰ غلام اس شر کی فضا میں توبہ کے کلمات پڑھا رہا ہے۔ مراقبہ اور دعائے فراغت پر محفل کا اختتام ہوا۔ امیر اہم ادھم اور مولانا عبداللہ کو کھانا لانے کے لئے بھیجا گیا۔ پورے شہر میں کسی مسلمان کی دکان نہیں تھی۔ فقیر نے مشورہ دیا کہ پھل خرید کر کھائے جائیں۔ یہ دونوں حضرات بازار سے ڈبل روٹی اور مکھن خرید کر لائے جسے سب نے مزے لے لے کر کھایا۔

لینن گراڈ میں جنسی بے راہروی ماسکو سے بھی زیادہ ہے۔ یہ جگہ خدا بیز انسانوں کا مرکز ہے۔ ہر طرف ظلمت ہی ظلمت دکھائی دیتی ہے۔ فقیر نے اپنے مشائخ کے طریقہ پر یہاں باطنی توجہات کے لئے خوب زور لگایا۔ فجر مغرب اور عشاء کی نماز کے وقت مسجد بند ہو جاتی تھی ہم لوگ سخت سردی میں مسجد کے بیرونی دروازے کے سامنے کپڑے پھا کر نماز پڑھتے اور رورو کر دعائیں مانگتے۔ ایک مرتبہ ایک مسلمان

نوجوان نے سڑک سے گزرتے ہوئے ہمیں دیکھا تو قریب آکر پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں؟ مولانا عبداللہ نے اس سے تفصیلی تعارف کیا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ فقیر اللہ اللہ سکھاتا ہے تو اس نے سلسلہ عالیہ میں شمولیت کے لئے خواہش ظاہر کی۔ فقیر نے اسے توبہ کے کلمات پڑھائے۔ اس نوجوان پر اس قدر گریہ طاری ہوا کہ محفل سے اٹھ کر مسجد کے دروازے پر گیا اور چوکھٹ پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ اس نوجوان کی اس عاجزی نے ہمارے دلوں کو بھی تڑپا کر رکھ دیا۔ بہت دیر تک ہم سب لوگ روتے رہے۔ فقیر اس نوجوان کے وسیلے سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا رہا۔ یہ وقت فقیر کی زندگی کے حسین ترین لمحات میں سے تھا۔

شاہاں چہ عجب گر ہوا زند گدارا

{بادشاہوں کے لئے کوئی مشکل نہیں اگر فقیروں کو نوازیں}

لینن گراڈ کی راتیں :

جب مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو سردی نے ہمیں مہمان خانے کے اندر دھکیل دیا۔ ٹھنڈی ہوا ایسی چلی کہ باہر نکلتے ہی دانت جھنکے۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر عشا کی نماز پڑھی اور سو گئے۔ فقیر کی آنکھ تین گھنٹے کے بعد کھلی تو باہر جھانک کر آسمان کی طرف دیکھا تا کہ وقت کا اندازہ ہو سکے۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اسفار کا وقت ہو چکا ہے، اگر جلدی سے فجر کی نماز نہ پڑھی تو قضا ہونے کا اندیشہ ہے۔ فقیر نے وضو کیا اور ساتھیوں کو جگایا۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! یہاں کے اوقات نماز کے مطابق تو فجر ہونے میں ابھی سات گھنٹے باقی ہیں۔ فقیر نے کہا مولانا! باہر اس قدر روشنی ہو چکی ہے کہ باریک لکھائی والی کتاب کو بھی آسانی سے پڑھا جاسکتا ہے۔ مولانا نے کہا، حضرت! یہاں پر تاریک رات نہیں ہو ا کرتی۔ سورج اس حساب

سے پچھتا ہے کہ کچھ نہ کچھ روشنی رہتی ہے۔ فقیر نے کہا کہ فقہاء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ عشا کی نماز کا وقت ہونے کی علامات یہ ہیں کہ ستارے آسمان پر چھٹک جائیں۔ مولانا نے کہا کہ حضرت! لینن گراؤ میں یہ علامت پوری نہیں ہوتی۔ یہاں پر مغرب ہوتے ہی صبح صادق کا وقت ہو جاتا ہے۔ سال میں کچھ مہینے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اصولاً عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ فقیر نے کہا کہ واقعی علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ مولانا نے کہا، جی ہاں۔ راول تاج الدین بول اٹھے کہ پھر تو عشا کی نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں۔ فقیر نے کہا کہ جب پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو چکا ہے تو تعداد پوری کرنا بھی ضروری ہے۔ اگر کسی نماز کا وقت داخل نہ بھی ہو تو اندازہ کر کے اگلی نماز کے وقت میں اسکو ادا کر لینا چاہئے تاکہ تعداد پوری ہو سکے۔ راول تاج الدین کو یہ بات سمجھنے میں دقت پیش آئی۔ تو فقیر نے اس کی تفصیل بیان کی۔

اوقات نماز کی تفصیل :

ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا

(بے شک مؤمنین پر اپنے وقت پر نماز فرض کی گئی ہے)

پوری دنیا میں اوقات کی تین صورتیں ممکن ہیں

[1]۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دن رات میں پانچوں نمازوں کا وقت داخل ہو تو ایسی

صورت میں ہر نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا فرض ہے۔ دن اور رات کے چھوٹا بڑا

ہونے کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بالفرض دن بیس گھنٹے کا ہو اور رات چار گھنٹے کی ہو یا

دن چار گھنٹے کا ہو اور رات بیس گھنٹے کی ہو۔ اگر وقت بدل رہا ہے اور نمازوں کے

اوقات داخل ہو رہے ہیں تو اپنے اپنے وقت پر نماز پڑھنا ضروری ہے۔

[2] - دوسری صورت یہ ممکن ہے کہ دن رات کی تقسیم اس طرح ہے کہ کسی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ مثلاً سورج غروب ہوا اور ایک گھنٹے کے بعد صبح صادق ہو گئی تو ایسی صورت میں عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوا۔ مثلاً بلغار کے رہنے والے جو قطب شمالی میں ملک ناروے کا ایک نہایت سرد شہر ہے۔ وہاں چھوٹی راتوں والے دنوں میں حتیٰ گھنٹے کا دن ہوتا ہے اور ایک گھنٹہ کے لئے سورج غروب ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں عشا کی نماز کا وقت داخل ہی نہیں ہوتا۔ اس میں اکابر علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ چونکہ قرآنی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز اپنے وقت پر فرض کی گئی ہے۔ پس اگر کسی نماز کا وقت ہی نہیں ہوا تو وہ نماز فرض ہی نہیں ہوئی۔ وہاں کے لوگوں کو چار نمازیں پڑھنی فرض ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت کٹے ہوئے ہوں تو اس کے لئے وضو میں تین فرض ہیں۔ چوتھا فرض پاؤں نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص طلوع آفتاب کے بعد اسلام لایا، یا نابالغ لڑکا بالغ ہوا، یا حائضہ عورت حیض سے پاک ہوئی تو ان سب پر اس روز کی چار نمازیں فرض ہوں گی۔ اسی قول کو اکثر فقہاء نے ترجیح دی ہے۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں۔

فقہاء کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ چونکہ پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن مجید میں ہو چکا ہے اس لئے کوئی بھی نماز چھوڑنی نہیں چاہئے۔ پس اگر کہیں عشا کا وقت نہیں بھی ہوتا تو بھی ان لوگوں کو وقت کا رازہ کر لینا چاہئے اور مغرب کی نماز کے اتنی دیر بعد نماز پڑھ لینی چاہئے۔ احتیاط اسی میں معلوم ہوتی ہے کہ عشا کی نماز کو فجر سے

پہلے اسی دن کی عشا کی نیت سے پڑھ لے۔

[3]- تیسری صورت یہ ممکن ہے کہ کئی کئی مہینے تک دن یا رات رہے مثلاً ناروے میں قطب شمالی کے قریب دن اور رات چھ مہینے کے ہوتے ہیں۔ اسی طرح قطب جنوبی میں بھی چھ مہینے کے دن رات ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ لوگ اپنے دفتروں کے اوقات یا سونے جاگنے کے اوقات یا کھانے پینے کے اوقات کو اندازے سے تقسیم کر لیتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کو چوبیس گھنٹوں کے دن رات کا لحاظ رکھتے ہوئے نمازوں کے اوقات کو تقسیم کر لینا چاہئے۔ اور اسی قدر فاصلہ سے نماز ادا کریں جیسا کہ عام حالات میں نمازوں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے کہ جس میں بتایا گیا کہ دجال اکبر کے فتنہ کے چالیس دنوں میں سے ایک دن ایک سال بھر کا ہوگا، ایک دن ایک مہینے کے برابر اور ایک دن، ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی دن عام دنوں کی طرح ہوں گے۔ صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کہ نمازوں کا کیا سنے گا؟ یعنی سال بھر کے دن میں پانچ نمازیں کافی ہوں گی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بلکہ اندازہ کر کے نمازیں پڑھنا۔

مولانا عبد اللہ نے آگے بڑھ کر فقیر کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا کہ حضرت! آپ نے بڑے آسان الفاظ میں بڑے پیچیدہ مسئلے کو میان کر دیا۔ فقیر نے کہا، مولانا! ابھی صبح صادق طلوع ہو چکی ہے، ہمیں نماز فجر ادا کر لینی چاہئے تاکہ اطمینان سے سو سکیں۔ سب نے وضو کر کے فجر کی نماز ادا کی اور تھوڑی دیر ذکر مراقبہ کر کے سو گئے۔ تقریباً چار گھنٹے کے بعد آنکھ کھلی تو باہر ابھی اسفار کا وقت تھا۔ چنانچہ وضو کر کے تلاوت قرآن سے دن کا آغاز کیا، پھر ناشتے سے فارغ ہوئے، تب جا کر سورج طلوع ہوا۔ ہم لوگوں

نے سورج کو اس طرح شوق و ذوق سے دیکھا جس طرح دولہا اپنی دلہن کے چہرے کو شوق و رغبت کے ساتھ دیکھتا ہے۔

بحری جہاز کی سیر :

مولانا عبد اللہ کہنے لگے کہ حضرت! مسجد کا دروازہ تو ظہر کے وقت کھلے گا۔ ہمارے پاس کافی وقت ہے اگر آپ اجازت دیں تو ہم لوگ بحری جہاز کے ذریعے لینن گراڈ کے بعض علاقوں کی سیر کر لیں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ زمین پر بیٹھ کر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے، چلیں پانی کی سطح پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے۔ چنانچہ سب لوگ قریبی بندرگاہ پر پہنچے تو جہاز سیاحوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہم نے نمکیش خریدیں اور جہاز میں داخل ہوئے تو ساتھ ہی دروازے بند کر دیئے گئے۔ مولانا عبد اللہ کہنے لگے کہ حضرت! یہ لوگ ہمارا ہی انتظار کر رہے تھے۔ فقیر نے کہا، مولانا!

دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

ہم لوگ جہاز کی نشستوں پر بیٹھے تو ساتھ والی نشستوں پر روسی النسل لوگ بیٹھے تھے وہ ہماری طرف نکلنکی باندھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کہ ہم کوئی عجوبہ ہوں۔ جہاز چلے تھوڑی دیر گزری تھی کہ کپتان نے اعلان کر کے بتایا کہ آج روسی بحر یہ کا کوئی خصوصی دن ہے۔ بحر یہ فوج نے نمائش کے لئے اپنی بحر یہ کا ایک یونٹ کھڑا کیا ہے ہم اس کے قریب سے گذریں گے۔ اگر مسافر حضرات نمائش دیکھنا چاہتے ہیں تو جہاز کے عرشے پر آجائیں۔ یہ اعلان سنتے ہی سب مسافر حضرات کمروں سے نکل کر جہاز کے عرشے پر پہنچ گئے۔ نیچے نظر پڑتی تو ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، اوپر نظر پڑتی تو ابر آلود آسمان اور دائیں بائیں روسی بحر یہ کے جہاز کھڑے نظر آرہے تھے۔ فقیر نے اس دن بحری میزاق قریب سے دیکھا۔ میزائل بردار جہاز دیکھا، تارپیڈو کی لمبی قطار

دیکھی۔ فقیر کے لئے یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ فقیر اپنی سوچوں میں گم ہو کر ماضی کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے لگا تو نبی علیہ السلام کی ایک حدیث مبارکہ یاد آئی جس میں فرمایا گیا کہ امت مسلمہ میں سے جو لوگ پہلا بحری جہاد کریں گے ان کے لئے جنت کی بھارت ہو اور انہیں زمینی جہاد کر۔ نے والوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سیدنا امیر معاویہؓ کے دور میں مسلمان فوج نے پہلی مرتبہ بحری جہاد کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔

جنرل طارق بن زیاد نے بھی افریقہ سے چل کر جبر الٹر کے قریب صلیبی فوج کا مقابلہ کیا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ شیر چٹان کے قریب پہنچ کر جب مسلمان فوج نے زمین پر قدم رکھا تو پہ سالار نے حکم دیا کہ سب کشتیوں کو آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ سب کشتیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ پہ سالار نے تقریر کی کہ پیچھے بھاگنا ممکن نہیں رہا۔ اب یا تو فتح حاصل کریں گے ورنہ موت ضرور آئے گی۔ مسلمان فوج میں جوش جہاد اتنا بڑھا کہ انہوں نے آگے بڑھ کر دشمن کو مولیٰ گاجر کی طرح کتر کتر کر رکھ دیا۔ یہ جنگ خلافت سپانیہ کا پیش خیمہ بنی۔ جنگ کے بعد کسی نے کشتیاں جلانے کی بات کرتے ہوئے طارق بن زیاد سے کہا تھا کہ تمہیں اپنے وطن لوٹنے کا قطعاً خیال ہی نہیں تھا۔ اس نے جواب دیا

ہر ملک ملک ما ست کہ ملک خدائے ما ست

(جو ملک بھی میرے خدا کا ہے وہ میرا ملک ہے)

نوخیز لڑکی کی ان ہونی تمنا :

فقیر انہی خیالات کا تانا بانا بن رہا تھا کہ مولانا عبد اللہ نے قریب آکر متوجہ کیا اور کہا کہ حضرت! آپ کے قریب ایک پندرہ سالہ روسی لڑکی کھڑی ہے۔ اس نے مجھے کہا ہے کہ اس شخص میں کوئی مقناطیسیات ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اسے دیکھتی

رہوں۔ میں نے اس لڑکی کو آپ کا تعارف کروایا ہے اور کہا ہے کہ ان کی شاگرد بن جاؤ۔ اس نے کہا ہے کہ میں تو بیوی بننا چاہتی ہوں۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ ان کفار کے نزدیک تو مرد عورت کا تعلق وقت گزاری کا دوسرا نام ہے، مگر اسلام نے تو اسے ”جیون ساتھی“ کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس لڑکی کو دین کی دعوت دیں فقیر دعا کرے گا، کیا پتہ اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو نور ایمان سے روشن کر دے۔ مولانا عبد اللہ نے اس لڑکی کو تھوڑی دیر و عطا و نصیحت کی تو اس نے کہا کہ مجھے اس شخص نے اسلام کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر میں اکیلی ہوں میرے سارے عزیزو اقارب دہریہ اور کمیونسٹ ہیں، میں ان کے سامنے اپنے آپ کو کیسے مسلمان کہلاوا سکتی ہوں؟ ابھی تو میں بہت چھوٹی ہوں، ہائی اسکول میں پڑھتی ہوں۔ فقیر نے کہا، مولانا! اسے کہو کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اور اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، انشاء اللہ یہ ضائع نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی حفاظت فرمائیں گے۔ لڑکی نے فقیر کے قریب ہو کر آہستہ آواز میں کہا، میرے سارے رشتے دار یہاں موجود ہیں، میں مسلمان بننا چاہتی ہوں، کیا کروں؟ فقیر نے اسے کلمہ شہادت پڑھا دیا اور کہا کہ مولانا عبد اللہ سے رابطہ رکھنا۔ باقی تفصیلات خط و کتابت کے ذریعے طے کر لینا۔ لڑکی نے فوراً اپنا ایڈریس لکھ کر دے دیا۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ کوشش کرنا کہ کوئی نوجوان مسلمان لڑکا اس سچی سے شادی کر لے۔ مولانا نے اس لڑکی کو بتایا کہ تمہارے اسلام قبول کرنے سے ہمارے شیخ کو دلی خوشی نصیب ہوئی ہے۔ وہ تڑخ کر بولی کہ انہیں کہو کہ مجھے اپنی بیوی بنا کر میری دلی چاہت کو بھی پورا کر دیں۔ فقیر نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تمہارا جیون ساتھی مجھ سے کئی گنا زیادہ بہتر ہو، لہذا ابھی اپنی توجہ پڑھائی کی طرف مرکوز رکھو، پھر دیکھنا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کیا سبیل پیدا فرماتا ہے، چلو، فقیر تمہارے لئے دعا کرتا ہے۔ یہ کہہ کر فقیر نے ہاتھ اٹھا

لئے اور اس لڑکی کے ایمان کی حفاظت کے لئے رو رو کر دعا مانگی۔ دعا کے بعد لڑکی نے مولانا عبد اللہ سے پوچھا کہ اس شیخ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی کیوں گر رہے تھے۔ مولانا نے کہا کہ وہ آپ کے اچھے مستقبل کے لئے دعا مانگ رہے تھے۔ لڑکی نے یہ سن کر ٹھنڈی سانس لی اور کہا، کاش میں لڑکا ہوتی تو ساری زندگی ان کے قدموں سے لپٹی رہتی۔ فقیر نے کہا، اس ان ہونی تمنا کو دل سے نکالو اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرو، اس کی یاد میں زندگی گزارو۔ وہ لڑکی کہنے لگی کہ آپ کی باتوں نے میرے دل کو پر سکون بنا دیا ہے۔

اتنے میں جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ مسافر حضرات اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔ چنانچہ ہم اپنی نشستوں پر آکر بیٹھ گئے۔ ابو عثمان نے کہا کہ حضرت! اگر آپ روس میں زیادہ قیام کریں تو بہت سارے لوگ مسلمان ہو جائیں۔ فقیر نے کہا کہ وسط ایشیا کے جن حضرات کو فقیر نے اجازت و خلافت دی ہے اس کا منشا یہی ہے کہ وہ حضرات یہاں پر نسبت کا نور پھیلائیں۔ جو پروردگار عالم مکڑی اور مچھر سے کام لے سکتا ہے وہ ہم عاجز مسکینوں کو بھی اشاعت دین کے لئے قبول کر سکتا ہے۔

مغرب کی کھڑکی :

جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ اب آپ کو لینن گراؤں سے متعلق چند معلومات پیش کی جائیں گی۔ اس شہر میں ایک سو عجائب گھر ہیں، اس میں زیر زمین ریل گاڑی کا نظام دنیا کا سب سے بہترین نظام ہے، ایٹمی حملوں سے بچنے کے لئے زیر زمین شہر بسائے گئے ہیں۔ اس شہر کو ”مغرب کی کھڑکی“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگر چند گھنٹے اسی سمندر میں جہاز چلتا رہے تو بالکل سامنے شاک ہام سویڈن کی بندرگاہ ہے۔ ابو عثمان نے فقیر سے پوچھا کہ حضرت! آپ نے شاک ہام دیکھا ہے؟ فقیر نے کہا، جی ہاں کئی بار

جانے کا موقع ملا ہے۔ راول تاج الدین مسکرائے اور معنی خیز نگاہوں سے فقیر کی طرف دیکھنے لگے۔ فقیر نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ کہنے لگے کہ حضرت! آپ شیخ العالم ہیں۔ آپ نے پاکستان سے مغرب کی طرف سفر کیا تو سویڈن پہنچے۔ جب مشرق کی طرف سفر کیا تو لینن گراڈ پہنچے۔ یہ دونوں ملک آمنے سامنے ہیں گویا آپ نے دین کی خاطر ساری دنیا کا چکر لگالیا۔ مولانا عبداللہ نے اس پر زور سے اللہ اکبر کہا۔

لینن کی اصلیت :

جہاز کے کپتان نے اعلان کیا کہ ہمارے دائیں جانب لینن کا محل واقع ہے۔ تو سب مسافروں نے اس طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ فقیر نے دیکھا کہ سمندر کے کنارے اتنا وسیع و عریض اور عالیشان محل بنا ہوا تھا کہ انسان حیرت سے ہکتا رہ جائے۔ مولانا عبداللہ نے بتایا کہ یہ محل اندر سے بہت زیادہ خوبصورت ہے۔ اس کے ستونوں اور چھتوں پر سونے کے پانی سے مینا کاری کی گئی ہے۔ یہ محل لینن لعین نے اپنی رہائش کے لئے بنوایا تھا۔

فقیر نے پوچھا کہ مولانا! یہاں کے عام لوگ تو ایک کمرے اور دو کمروں کے مکان میں زندگی گزار رہے ہیں اور مساوات کا درس دینے والے اتنے عالیشان محلات میں رہنے کے مزے لوٹتے رہے تو کیا یہ صحیح مساوات تھی؟ مولانا نے کہا، ہرگز نہیں۔ فقیر نے کہا کہ اگر دنیا نے مساوات کا درس لینا ہے تو اسے میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی چوکھٹ پر آنا پڑے گا۔ معصیت زدہ انسانیت کو در رسول ﷺ ہی سے سکون کی خیرات ملے گی۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو تیرے تنو بندہ نواز میں

جنگ خندق میں ایک صحابی نے بھوک کی شدت سے تنگ آکر ایک پتھر پیٹ پر باندھ لیا۔ تو میرے آقا ﷺ نے اپنے مبارک پیٹ پر دو پتھر باندھے۔ مسلمان مجاہدین نے خندق کھودنے میں حصہ لیا، ایک چٹان نہیں ٹوٹی تھی تو اسے میرے آقا ﷺ نے اپنے کدال سے توڑا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خلیفہ بنے تو بیت المال سے اتنا مشاہرہ لیا جتنا کہ ہر مسلمان کو وظیفہ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ پینے کے لئے شرمٹ پیش کیا گیا، آپؓ نے پوچھا کہ کیا ہر مسلمان اس کو پی سکتا ہے؟ لوگوں نے کہا، نہیں۔ آپؓ نے اس کو پینے سے انکار کر دیا۔ کیونستوں کی مساوات عجیب تھی کہ لوگو! تم ہمیشہ کے لئے محکوم اور ہم ہمیشہ کے لئے حاکم۔ اسی کو کہتے ہیں کہ ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہوتے ہیں اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔ اسی نا انصافی کی وجہ سے ستر سال کے بعد وہ وقت بھی آیا کہ لینن گراڈ کے شہریوں نے لینن کے مجسمے کو رسیوں سے باندھ کر سڑکوں پر گھسیٹا۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے
چند دن لینن گراڈ میں قیام کے بعد ہم اگلی منزل پر روانہ ہوئے۔

کشا مشکا کا دورہ :

کشا مشکا لینن گراڈ سے آگے روس کی سرحد پر آخری شہر ہے۔ کسی زمانے میں یہ فن لینڈ کا حصہ تھا۔ مگر دوسری جنگ عظیم میں روس نے اس پر قبضہ کر کے اپنی سرحد کو آگے بڑھا دیا۔ یہاں کے لوگ اپنی نسل کے اعتبار سے فن لینڈ کے ہیں تاہم اب روس کے شہری کہلاتے ہیں۔ اس شہر میں کوئی بھی مسلمان نہیں تھا۔ یہاں پر کچھ مردوں عورتوں نے مل کر ایک کلب کی بنیاد ڈالی تھی۔ وہ ہفتے میں ایک دن کسی ہال میں ملتے اور خورد و نوش یا خوش گپیوں کے بعد اپنی اپنی راہ لگتے۔ ان میں سے اکثر لوگ

اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ ان میں سے ایک عورت نوریا نے خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ اسے کہہ رہے ہیں کہ تم اسلام کے بارے میں بھی سوچو۔ اس عورت نے یہ خواب اپنے کلب ممبران کو بھی سنایا۔ سب نے مشورے میں طے کیا کہ ہمیں اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہیں۔ دو عورتیں ایسی بھی تھیں جو اسلام کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے اس تجویز کی پر زور مخالفت کی۔ چونکہ اکثریت کی رائے تھی کہ اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنی چاہئیں، لہذا فیصلہ یہی ہوا کہ ہم کسی مسلمان کو دعوت دیں گے تاکہ وہ ہمیں اسلام کے بارے میں معلومات فراہم کرے۔ اس کلب کا ایک آدمی اپنے کسی کام کے لئے ماسکو آیا تو اس کی ملاقات راویل تاج الدین سے ہوئی۔ اس شخص نے راویل تاج الدین کو دعوت دی کہ آپ کشامشا تشریف لا کر ہمیں دین اسلام کے بارے میں بتائیں۔

راویل تاج الدین نے فقیر کو صورتحال سے آگاہ کیا تو فقیر نے اسی وقت نیت کر لی، چنانچہ لینن گراؤ سے 8 گھنٹے ریل گاڑی کا سفر کرنے کے بعد کشامشا پہنچے۔ رات کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم نے وہاں پر عشا کی نماز ادا کی۔ ہم لوگوں نے اپنے کھانے پینے کا کافی سامان ساتھ رکھ لیا تھا مگر میزبان نے اہلی ہوئی سبزیاں پیش کیں۔ سب نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور جلد سو گئے۔

اگلے دن دس بجے مقامی ہوٹل کے کسی ہال میں محفل منعقد ہونی تھی۔ جب ہم لوگ وہاں پہنچے تو کلب کے سب ممبران کو منتظر پایا۔ نوریا چونکہ کلب کی پریزیڈنٹ تھی لہذا اس نے فقیر کا تعارف کروایا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم معزز مہمان سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اسلام کے متعلق کچھ بتائیں۔ فقیر نے ایک گھنٹہ اسلام کے عنوان پر روشنی ڈالی۔ پھر سوال و جواب کا سلسلہ ایک گھنٹے تک چلتا رہا۔ نوریا نے سٹیج پر آکر کہا کہ معزز مہمان کی باتوں نے ہمارے دل کی دنیا کو بدل کے رکھ دیا ہے۔ ہم

سب کے سب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ راویل تاج الدین نے زور سے اللہ اکبر کہا۔ فقیر نے سب کو کلمہ شہادت پڑھایا اور ان کے نئے مسلمانوں والے نام تجویز کئے۔ اس کے بعد دو گھنٹے ضروریات دین کے بارے میں وضاحت کی۔ نوریانے کہا کہ آپ لوگ جب نماز پڑھیں گے تو ہم اس کی تصاویر اتاریں گے تاکہ آپ کے جانے کے بعد بھی رکوع و سجود وغیرہ کو سمجھنا آسان ہو۔

جب انہوں نے فوٹو گرافر کو بلایا تو اس شخص نے دروازے سے داخل ہوتے ہی فقیر کو دیکھا تو چیخ کر کہا ”میں نے آپ کو رات خواب میں دیکھا ہے۔ آپ ہو بہو انہی کپڑوں میں تھے۔“ نوریانے بتایا کہ یہ ہمارے شیخ ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ آپ پہلے مجھے مسلمان بنائیے، پھر میں کوئی اور کام کروں گا۔ چنانچہ فقیر نے اسے بھی کلمہ شہادت پڑھایا۔ پروگرام کے مطابق اسی دن ہماری دابھی تھی۔ شام چار بجے کلب کے سب ممبران ہمیں الوداع کرنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر آئے۔ جب ٹرین چلنے کا وقت آیا تو سب لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ راویل تاج الدین اور مولانا عبد اللہ کی آنکھوں سے بھی رم جھم آنسو برسنے لگے۔ نوریانے فقیر کے قریب آکر کہا کہ شیخ! آپ ہمارے دلوں کو اپنے ساتھ لئے جا رہے ہیں، اس پلیٹ فارم پر آج تک کسی نے اس طرح رورو کر اپنے کسی عزیز کو رخصت نہیں کیا ہو گا جس طرح ہم آپ کو کر رہے ہیں، ہمیں آپ سے اتنی محبت کیسے ہو گئی؟ فقیر نے کہا، یہ اسلام کی مقناطیسیت ہے جو دلوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

ان الذین امنوا و عملوا الصلحت سیجعل لهم الرحمن ودا

(پیٹک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے عنقریب رحمن ان کے لئے

محبت پیدا کر دے گا)

فقیر نے ریل گاڑی کے روانہ ہونے سے چند منٹ پہلے دعا کروائی اور حاضرین کو

بتایا کہ ہمارے مشائخ ایک دوسرے سے رخصت ہوتے ہوئے سورۃ العصر کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ فقیر بھی ان کی اتباع میں یہ سورۃ پڑھ کر آپ کو سنارہا ہے۔ اس کے بعد فقیر نے اس سورۃ کا ترجمہ سنایا، یہ بھی کہا کہ اگر ہم زندہ رہے تو انشاء اللہ پھر ایک دوسرے سے ملیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کا وقت آگیا تو پھر قیامت کے دن ہماری ملاقات ہوگی۔ فقیر آپ سب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے سیرد کرتا ہے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ

(پس اللہ تعالیٰ بہترین محافظ ہے اور سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے)

فقیر کے یہ الفاظ حاضرین کے دلوں پر چلی بن کر گرے۔ آنکھوں نے ساون بھادوں کی برسات برسانی شروع کر دی۔ فقیر پر بھی گریہ کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ بہر حال اس دلوں اور پر نم آنکھوں کے ساتھ ہم ایک دوسرے سے جدا ہو کر گاڑی میں آئے اور ماسکو کی طرف روانہ ہو گئے۔ کلب ممبران کی محبت بھری نگاہیں سلام کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

وہ آئے، پیٹھے، اٹھے تو اٹھ کے کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈتا تیری محفل میں رہ گیا



باب 7

یوکرائن کا سفر

مورخہ 24 جولائی بروز جمعہ رات گیارہ بجے ماسکو سے کیف روانگی ہوئی۔ یوکرائن پہلے روس کا ہی ایک حصہ تھا۔ اب مستقل ملک کی حیثیت رکھتا ہے۔ روس کے بعد سب سے بڑی فوجی طاقت اسی کے پاس ہے۔ روس کی اکثر ریسرچ لیبارٹریز اسی ملک کے مختلف شہروں میں بنی ہوئی تھیں۔ کئی سو سال پہلے اس ملک میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ایک عیسائی بادشاہ برسر اقتدار آیا تو اس نے عوام الناس کو زبردستی عیسائی بنایا اور ان کے نام بدل ڈالے۔ جو لوگ عیسائی نہیں بننا چاہتے تھے ان کو تہ تیغ کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ ملک عیسائیوں کا ملک بن گیا۔ کیمونزم کی سرخ آندھی نے آکر یہاں کے اکثر لوگوں کو دہریہ بنا دیا۔ لیکن کیمونزم کا سحر ٹوٹتے ہی لوگ پھر عیسائیت کی طرف مائل ہو گئے۔ یہاں مسلمانوں کی آبادی آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہے۔ یوکرائن کا دار الخلافہ کیف بہت بڑا شہر ہے مگر اس میں بھی کوئی مسجد نہیں ہے۔

ہم لوگ دن کے گیارہ بجے کیف پہنچے۔ یہ علاقہ اپنی سرسبزی اور شادابی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ وسیع و عریض سڑکیں، عالیشان عمارات اور راستے کے

دونوں طرف پھارے سے لدے ہوئے درخت عجیب نظارہ پیش کرتے ہیں۔ بعض جگہوں پر تو درختوں سے خوبانی اور سیب اس قدر گرے ہوئے دیکھے کہ سڑک پر چادر بھی محسوس ہوتی تھی۔ گاڑیاں اوپر سے ہی گزرتی جا رہی تھیں۔ ابراہیم ادھم نے بتایا کہ پھلوں کی بہتات کی وجہ سے لوگ ان کے ضائع ہونے کا اتنا افسوس نہیں کرتے۔ کیف میں ہماری واقفیت تو کسی سے نہیں تھی۔ نہ ہی کوئی مسجد تھی کہ جس میں جا کر ڈیرے لگاتے۔ ابراہیم ادھم کی واقفیت ایک لبنانی عالم حضرت تمیم سے تھی۔ ان کا ایڈریس معلوم کر کے ہم وہاں پہنچے۔ حضرت تمیم پہلے تو ہمیں دیکھ کر حیران ہوئے کہ یہ لوگ کہاں سے ٹپک پڑے۔ پھر فقیر سے پوچھا کہ آپ عربی زبان بول سکتے ہیں۔ فقیر نے کہا، ٹوٹی پھوٹی زبان میں مافی الضمیر بیان کر سکتا ہوں۔ چنانچہ گفتگو کا سلسلہ چل نکلا۔ حضرت تمیم نے ایک گھنٹہ تک فقیر کے متعلق معلومات حاصل کیں۔ یہاں کیوں آئے ہیں؟ کس مکتب فکر سے تعلق ہے؟ تعلیم کہاں حاصل کی؟ کس یورگ سے اجازت ملی ہے؟ سلسلہ عالیہ کس طرح نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے؟ کسی بدعتی فرقے سے تعلق تو نہیں ہے؟ غرض یہ دلچسپ باتیں بھی ہوتی رہیں اور چائے کا دور بھی چلتا رہا۔ جب حضرت تمیم کو پوری طرح تسلی ہو گئی تو انہوں نے فون کر کے اپنے دو بھائیوں کو بھی بلوایا۔ ظہر کے بعد ہم نے قیلولہ کیا۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد دوسری محفل منعقد ہوئی۔ حضرت تمیم نے سوال پوچھا کہ آپ ہمیں تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے بارے میں کچھ بتائیں۔ فقیر کے لئے اس سے بہتر موضوع اور کیا ہو سکتا تھا۔ بس آیات قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ میں سے جو کچھ اپنے مشائخ سے سن رکھا تھا وہ بیان کر دیا۔ سامعین پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو گئی۔ بیان کے بعد حضرت تمیم نے فرمایا کہ آپ ہم سب اہل خانہ کو بیعت کریں۔ چنانچہ حضرت تمیم، ان کے بھائیوں اور ان کے بیوی بچوں سب نے بیعت کی۔ ابراہیم ادھم اس پر اتنا

خوش ہوا کہ کہنے لگا، حضرت! آپ نے اس ملک میں خاندان نقشبندیہ کا ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔ حضرت تمیم کے دونوں بھائی عالم تھے اور مختلف جگہوں پر درس قرآن کی محفلیں منعقد کرتے تھے۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارے شاگردوں کو بھی بیعت کر کے ذکر و مراقبہ سکھائیں۔ فقیر نے انہیں مشورہ دیا کہ ہمارے پاس صرف دو دن ہیں آپ کل سب لوگوں کو ایک جگہ پر جمع کر لیجئے۔ انشاء اللہ فقیر میان کرے گا اور ذکر و مراقبہ کی محفل منعقد کروائے گا۔ حضرت تمیم نے کہا کہ آپ ہمیں تو مراقبہ کروادیں۔ فقیر نے سب کے لطائف کھولے اور مراقبہ کروایا۔ حضرت تمیم پر ایسا جذبہ طاری ہوا کہ دعا کے بعد فرمانے لگے، حضرت، ابھی سے ذکر کی مستی کا یہ عالم ہے، آگے کیا بنے گا؟ فقیر نے کہا

ۛ ابدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھے ہوتا ہے کیا

فیضان حبیب کے کرشمے :

جب ہم ماسکو سے چلے تھے تو پروگرام کے مطابق راول تاج الدین نے ہمارے ساتھ یوکرائن کا سفر کرنا تھا۔ وقت مقررہ پر گاڑی چل پڑی مگر راول تاج الدین نہ پہنچے۔ ہم لوگ حیران تھے کہ انہوں نے ٹکٹ خرید کر ریزرویشن کروائی ہوئی تھی، پھر کیوں نہ آئے؟ ساتھ ہی یہ تشویش بھی لاحق تھی کہ ہمیں خود اپنی منزل کا نہیں پتہ تو راول ہمارے پیچھے بھی نہیں آسکتے۔ گاڑی چلنے کے آدھے گھنٹے بعد ٹکٹ چیکر فقیر کے پاس آیا اور ایک کاغذ ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا کہ یہ آپ کے لئے پیغام ہے۔ جب فقیر نے پڑھا تو وہ راول تاج الدین کی طرف سے ٹیلیگرام تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ مجھے آنے میں تاخیر ہوئی، گاڑی نکل گئی تھی، میں دوسری گاڑی کی ٹکٹ خرید کر آپ کے

پیچھے آرہا ہوں، آپ کیف کے ریلوے اسٹیشن پر میرا انتظار کریں، میں آپ سے دو گھنٹے کے بعد پہنچوں گا۔ چنانچہ فقیر نے مولانا عبداللہ اور امیر ایم اوہم کے ذمے لگایا کہ وہ راول میں ریلوے اسٹیشن سے لے آئیں۔ دونوں حضرات تین گھنٹے تک انتظار کرتے رہے۔ جس گاڑی میں راول نے آنا تھا وہ آ بھی گئی۔ مسافر اتر کر گھروں کو چلے بھی گئے مگر راول کیس نظر نہ آئے۔ چنانچہ تھک ہار کر یہ لوگ واپس آ گئے۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ راول کو نہیں لائے تو وہ کہنے لگے کہ تلاش بسیار کے باوجود اس سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ فقیر کو بہت افسوس ہوا کہ اس بچارے نے سفر بھی کیا اور ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ رات تہجد میں فقیر نے دعا مانگی کہ اے اللہ! ہمیں جلدی آپس میں ملا دے۔ اگلے دن جب بیان کے لئے حضرت تمیم کے ساتھ شہر میں گئے تو دیکھا کہ ہال کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ جب سٹیج کے قریب پہنچے تو راول تاج الدین نے مسکراتے ہوئے کہا، حضرت جی! السلام علیکم، فقیر اپنے سامنے راول کو دیکھ کر اس طرح ملا جس طرح سالوں پرانے دوست ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟ راول نے کہا کہ حضرت! آپ ابھی بیان فرمائیں، محفل کے بعد آپ کو تفصیل بتاؤں گا۔ فقیر نے ایک گھنٹہ بیان کیا اور حضرت تمیم نے ترجمانی کی۔ اس کے بعد کئی عمامے ایک دوسرے سے باندھ کر حاضرین کو بیعت کے کلمات پڑھائے گئے۔ جب مراقبہ اور دعا سے فارغ ہوئے تو سوال و جواب کا سلسلہ چل نکلا، حاضرین نے بہت دلچسپ سوال پوچھے، ایک نوجوان لڑکی یونیورسٹی میں ایکسٹرا سائنس کی سٹوڈنٹ تھی۔ اس نے حضرت تمیم کو بتایا کہ میں دو سال سے میڈیٹیشن کر رہی ہوں، ابھی جب میں نے مراقبہ کیا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک نور اس شیخ کے سینے سے نکل کر میرے سینے میں منتقل ہو گیا ہے، آپ انہیں کہیں کہ میں ان کے ہاتھ پر بک چکی ہوں، اپنی زندگی کا سودا کر چکی ہوں، یہ جس طرح کہیں گے میں اسی طرح زندگی

گزاروں گی۔ فقیر نے کہا کہ اپنے ظاہر کو سنت نبوی ﷺ سے آراستہ کریں اور اپنے باطن کو یاد الہی میں مشغول رکھیں حتیٰ کہ ایک لمحہ بھی غفلت میں نہ گزرے۔ حضرت اقدس تھانویؒ سے علامہ سلیمان ندویؒ نے پوچھا تھا کہ حضرت! تصوف کا مقصود کیا ہے؟ فرمایا کہ اتنا ذکر کیا جائے کہ رگ رگ اور ریشہ ریشہ سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ حضرت تمیم اس جواب پر بہت خوش ہوئے۔ حاضرین نے حضرت تمیم کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے ایک شیخِ کامل سے ہماری ملاقات کروائی۔

اگر کوئی شعیب آئے میر
شانی سے کلیسی دو قدم ہے

راویل کی کہانی خود ان کی زبانی :

جب مراقبہ وغیرہ سے فراغت پر لوگوں سے ملاقات ہوئی تو راویل تاج الدین بھی قریب آگئے۔ فقیر نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟ کہنے لگے کہ بس آپ کے وسیلے سے دعا مانگی تھی قبول ہو گئی۔ جب میں آپ کے ساتھ سفر کی تیاری کر کے گھر سے نکلا تو اسٹیشن پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ میں پلیٹ فارم پر پہنچا تو ریل گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ میں چند میٹر پیچھے تھا اور گاڑی کو روانہ ہوتے دیکھ رہا تھا۔ میرے دل کی حسرت کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔ میں نے معلومات والے دفتر سے رجوع کیا تو پتہ چلا کہ دو گھنٹے بعد دوسری ریل گاڑی ماسکو سے کیف جائے گی۔ میں نے اس پر سیٹ کی بنگ کروالی اور ٹیلیگرام کے ذریعے آپ کو اطلاع کر دی۔ جب کیف کے اسٹیشن پر اترا تو آپ لوگوں میں سے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تقریباً ایک گھنٹے تک تلاش کرنے کے بعد مایوس ہو گیا کہ اب اس سفر کی بدکات سے میں محروم ہو گیا ہوں۔ کیف کاریلوے اسٹیشن اتنا بڑا ہے کہ عام مددہ تو بھول بھلیوں میں پڑ جائے۔ میں نے سوچا کہ آپ لوگ

کسی اور پلیٹ فارم پر انتظار کر رہے ہوں گے اور میں کسی دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑا راہیں تک رہا ہوں۔ تھک ہار کر میں نے ایک ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لیا۔ رات کو تہجد کی نماز پڑھ کر خوب گڑگڑا کر آپ کے وسیلے سے دعا مانگی۔

صبح ناشتے کے بعد مجھے واپس ریل گاڑی کے ذریعے ماسکو جانا تھا۔ میں ایک بس میں بیٹھ گیا۔ جب ٹکٹ لینے لگا تو ڈرائیور نے بتایا کہ یہ گاڑی توریلوے اسٹیشن نہیں جائے گی۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا، میں نے سوچا کہ اگلے سٹاپ پر اتر جاؤں گا۔ جب گاڑی رکی تو محمد اشرف صاحب بس میں سوار ہوئے۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے مل کر حیران ہوئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے؟ اس نے کہا کہ حضرت سے ملنے کے لئے آیا ہوں مگر پتہ نہیں کہ وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ میں بھی ان سے ملنے آیا ہوں مگر مجھے بھی ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہم دونوں نے مشورہ کیا کہ اگلے اسٹاپ پر اتر جائیں اور صحیح بس پر سوار ہو کر ریلوے اسٹیشن پہنچیں۔ جب اگلے سٹاپ پر اترے تو ایک آدمی سر پر ٹوپی پہنے جا رہا تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہاں قریب ہی ایک عمارت میں کسی مسلمان عالم کا بیان ہے میں اس محفل میں شرکت کے لئے جا رہا ہوں۔ ہم نے دل میں سوچا کہ ہونہ ہو یہ بیان آپ ہی کا ہو گا۔ جب یہاں پہنچے تو پتہ چلا کہ واقعی آپ نے آنا ہے۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہاء نہ رہی۔ جب آپ کو دیکھا تو دل نے کہا کہ یہ شیخ کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعا کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بس ملا دیا۔ فقیر نے کہا کہ دراصل یہ آپ کا خلوص ہے جس نے منزل پر پہنچنا آسان کر دیا۔

مسجد کیف کا سنگ بنیاد :

جب راول تاج الدین نے اپنی بات مکمل کی تو حضرت حمیم نے فرمایا کہ اس شہر

میں مسلمانوں کی کوئی مسجد نہیں ہے۔ ہم نے کرائے پر جگہیں لے کر تعلیمی سلسلہ شروع کیا ہے لیکن جیسے ہی عیسائیوں کو پتہ چلتا ہے کہ ہم یہاں دین کی تعلیم دیتے ہیں تو وہ ہمیں نکال دیتے ہیں۔ ہم اب تک تین چار جگہیں بدل چکے ہیں۔ اب ہم نے حکومت سے مسجد بنانے کے لئے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا ہے۔ آپ دعا فرمائیں کہ ہمارے لئے تعمیری کام مکمل کرنے میں آسانی ہو۔ فقیر نے کہا، چلو مسجد کی جگہ بھی دیکھیں گے اور دعا بھی کریں گے۔ یہ سن کر سب دوستوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ ہم کئی گاڑیوں میں سوار ہو کر اس جگہ پر پہنچے۔ راستے میں ابراہیم ادھم نے کہا کہ حضرت! کل جب ہم یہاں شہر میں داخل ہوئے تھے تو کوئی آدمی بھی ہمارا واقف نہیں تھا اور آج چوبیس گھنٹوں کے اندر ہمارا قافلہ اس طرح جا رہا ہے جیسے کہ کسی دولہے کی بارات جا رہی ہو۔ مولانا عبد اللہ نے کہا، بالکل سچ کہا، ہمارے حضرت تو ہر وقت دولہے کی طرح بچے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فقیر نے کہا، مولانا! بس کریں ایسی باتیں نہ کریں۔ مولانا نے کہا حضرت، آپ تو الذین اذا ذکروا اللہ میں شامل ہیں۔ فقیر نے بات کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے کہا کہ ہم اس جگہ پر ختم خواجگان پڑھیں گے اور محفل مراقبہ منعقد کریں گے تاکہ اس کی برکت سے یہ جگہ جلد از جلد آباد ہو جائے۔ مسجد کیف کی جگہ پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ یہاں بیٹھ کر پورے شہر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ فقیر نے مراقبہ میں پورے شہر کے لوگوں پر توجہات ڈالیں۔ محفل کے اختتام پر سب حاضرین نے رورو کر مسجد کی تعمیر کے لئے دعائیں مانگیں۔ حضرت حمیم نے فرمایا کہ حضرت! میرے دل کو تسلی ہو گئی ہے کہ اب یہ مسجد بہت جلد تعمیر ہو جائے گی۔ میرا تو خیال تھا کہ ہم اس مسجد کا کام آئندہ سال سے شروع کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے تو آج سے ہی شروع کر دیا۔ فقیر نے کہا کہ حضرت! ہمارے مشائخ نے فرمایا ہے کہ مسجد کی تعمیر اور بیٹی کی شادی

ایسے کام ہیں کہ بغیر تیاری کے تاریخ متعین کر دو تو بھی اللہ تعالیٰ احسن طریقے سے نبھانے کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ ان دو کاموں میں کبھی کسی کو شرمندگی نہیں اٹھانا پڑی۔ یہ سن کر حضرت تمیم دیوانہ وار فقیر سے لپٹ گئے۔ ابو اہیم ادھم نے کہا کہ آپ میرے حضرت کو زیادہ زور سے نہ دبانا۔ انہوں نے کہا کہ میاں تم اکیلے کے نہیں، میرے بھی تو ہیں۔

خرکوف روانگی :

یوکرائن کا دوسرا بڑا شہر خرکوف ہے۔ اس شہر کے گرد و نواح میں فوجی ساز و سامان بنانے کی فیکٹریاں لگی ہوئی ہیں۔ ریشیا کے پہلے ایٹم بم کی تیاری بھی اسی شہر میں ہوئی اور ریشیا کا پہلا ٹینک بھی اسی شہر میں بنایا گیا۔ اس شہر میں محمد رفیق تاتار کا گھر تھا۔ راول تاج الدین سے اس کا بچپن کا دوستانہ تھا۔ راول نے مشورہ دیا تھا کہ ہم ایک دن کے لئے اس کے گھر جائیں۔ چنانچہ ہم رات بارہ بجے کیف سے چلے اور دن کے گیارہ بجے خرکوف پہنچے۔ محمد رفیق صاحب ہمیں لینے کے لئے اسٹیشن پر آئے ہوئے تھے، اسٹیشن سے سیدھا ان کے گھر پہنچے۔ مسلسل سفر کی وجہ سے سب لوگ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ کھانا کھائے بغیر گہری نیند سو گئے۔ ظہر کی نماز آخری وقت میں ادا کی۔ تھوڑی دیر رفیق صاحب سے بات چیت ہوتی رہی، اتنی دیر میں عصر کا وقت ہو گیا تو عصر کی نماز پڑھی۔ عصر کے بعد سب نے کھانا کھایا۔ فراغت پر محمد رفیق نے اپنے آپ کو بیعت کے لئے پیش کیا۔ بیعت کے کلمات پڑھا کر مختصر مراقبہ کروایا گیا۔ محمد رفیق صاحب نے ارادہ ظاہر کیا کہ میں حضرت کے ساتھ سفر میں شریک رہنا چاہتا ہوں۔ فقیر نے کہا، بہت اچھا۔ چنانچہ ہم سب نے سفر کی تیاری کی اور مغرب کے بعد اسٹیشن پہنچ گئے۔ ہمیں یہاں سے ماسکو جانا تھا لیکن سیٹوں کی ریزرویشن نہیں تھی اس لئے

احباب پریشان تھے کہ شاید سیٹیں نہیں ملیں گی، مگر فقیر کا دل مطمئن تھا۔ اسٹیشن پر مظفر عمر افغانی سے ملاقات ہوئی۔ اس نے ملے ہی کہا کہ میرا آپ سے تعارف نہیں ہے اور آپ کسی تعارف کے محتاج بھی نہیں ہیں۔ میں آپ کا سر ہاں دیکھ کر پہچان گیا ہوں کہ آپ کوئی شیخ ہیں۔ میرے لئے دعا فرمائیں اور میرے گھر پر حلال گوشت کے چمپی کباب تیار ہیں آپ تشریف لے چلیں۔ فقیر نے ان سے معذرت کی کہ ہمارے پاس وقت کی کمی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج رات سفر کر کے ماسکو پہنچ جائیں تاکہ وہاں سے آگے بشیرستان کا سفر کر سکیں۔ اسی بات چیت کے دوران عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا تو ہم سب نے ریلوے اسٹیشن پر باجماعت نماز ادا کی۔

پاسبان ملے گئے :

نماز سے فراغت پر راول تاج الدین نے بتایا کہ ریل گاڑی اپنے پلیٹ فارم پر آچکی ہے۔ فقیر نے کہا، چلو میں اور آپ جا کر کنڈکٹر گارڈ سے بات کرتے ہیں کہ ہمیں ماسکو جانے کے لئے سیٹیں دے دے۔ کنڈکٹر گارڈ ایک بڑی عمر کی روسی زہاد عورت تھی۔ راول نے اسے بتایا کہ ہمیں سیٹوں کی ضرورت ہے۔ اس نے ٹکا سا جواب دے دیا کہ ایک سیٹ بھی خالی نہیں ہے۔ راول نے فقیر کی طرف دیکھا تو فقیر نے کہا کہ اسے بتاؤ کہ ہمارے ساتھ ایک مہمان ہیں، ہمیں ضرور جانا ہے۔ اس عورت نے پھر انکار کر دیا۔ اس کے قریب ہی ایک نوجوان روسی لڑکی کھڑی ہوئی ہماری باتیں سن رہی تھی۔ وہ آگے بڑھی اور کنڈکٹر گارڈ سے کہا کہ آپ اس شخص کو انکار نہ کریں۔ کنڈکٹر گارڈ نے پھر کہا کہ میرے پاس ایک سیٹ بھی نہیں ہے۔ اس لڑکی نے پوچھا کہ اچھا بتاؤ کہ اس کی کوئی صورت ممکن ہے۔ گارڈ نے کہا کہ ریل گاڑی کے اگلے ڈبے میں میرا سینئر افسر موجود ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس سیٹیں ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ

اچھا آپ مجھے ایک رقعہ پر دستخط کر دیں میں جا کر اس سے بات کرتی ہوں۔ کنڈ کٹر گارڈ نے اسے چھوٹی سی پرچی پر دستخط کر دیئے۔ وہ اس پرچی کو لے کر بھاگی اور اگلے ڈبے تک پہنچ کر دم لیا۔ راویل نے فقیر کی طرف دیکھ کر کہا کہ شیخ اس گاڑی میں سیٹیں نہیں تو ہمیں اگلی گاڑی پر جانا پڑے گا۔ فقیر نے کہا کہ ہمارا کام دعا کرنا اور توجہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ ضرور راستہ کھولیں گے۔

اتنے میں وہ نوجوان لڑکی بھاگتی ہوئی واپس آئی اور راویل کے ہاتھ میں ایک پرچی دیکر کہنے لگی کہ آپ لوگوں کے لئے چار سیٹیں میں لے کر آئی ہوں۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ پہلے والی کنڈ کٹر گارڈ نے کہا کہ تم نے ان کی خاطر ایسا کیوں کیا؟ وہ کہنے لگی کہ میں اس مہمان سے دعائیں لینا چاہتی ہوں۔ فقیر نے راویل سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ اصل بات بتائے۔ وہ لڑکی بڑی حیران ہوئی اور کہنے لگی کہ میں نے کل رات خواب میں دیکھا کہ میں ایک اسٹیشن پر ہوں اور آپ کھڑے ہو کے میرے لئے کوئی خاص دعا کر رہے ہیں۔ میں یہاں سے ساٹھ کلومیٹر کے فاصلے سے آئی ہوں۔ پورے اسٹیشن پر مجھے آپ لوگ ہی اس وضع قطع کے ملے ہیں۔ میں آپ سے دعاؤں کی درخواست کرنا چاہتی تھی مگر طبیعت میں جھجک سی تھی۔ جب کنڈ کٹر گارڈ نے آپ کو سیٹیں دینے سے انکار کیا تو میں نے سوچا اچھا موقعہ ہے میں آپ کی مدد کروں تاکہ آپ میرے لئے دعا کریں۔ اب میں نے چار سیٹیں آپ کو دلا دی ہیں۔ اس بزرگ سے کہیں کہ میرے لئے دعا کریں۔ فقیر نے اس کی ہدایت کے لئے دعا کی اور زندگی کی مشکلات آسان ہونے کی دعا کی۔ اس نے فقیر کو عقیدت سے سلام کیا۔ اتنے میں گاڑی نے پہلی سیٹی جائی۔ مولانا عبد اللہ نے کہا کہ حضرت! آپ گاڑی پر چلے جائیں، ہم بعد میں آجائیں گے۔ فقیر نے کہا، مولانا! مجھے تو بعد میں بھی سیٹ مل جائے گی، آپ لوگ جائیں۔ اگر مجھے رخصت کیا تو ہو سکتا ہے کہ آپ کو کل تک سیٹ نہ ملے۔ راویل

تاج الدین نے کہا کہ حضرت! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم نے چار احباب کو گاڑی پر بٹھادیا۔ فقیر، مولانا عبداللہ اور راول تاج الدین پیچھے رہ گئے کہ دوسری گاڑی پر آجائیں گے۔ گاڑی نے دوسری سیٹی جانی تو ہمارے دوست بھی سوار ہو چکے تھے اور وہ روسی لڑکی بھی دروازے پہ کھڑی فقیر کو ٹھٹکی باندھ کے دیکھ رہی تھی۔ جب تیسری سیٹی جی تو گاڑی نے چلنا شروع کر دیا۔ راول نے بتایا کہ وہ لڑکی بہت دور تک ہاتھ ہلا ہلا کر سلام کرتی رہی۔ فقیر نے پوچھا کہ راول تاج الدین! کیا آپ کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ ناواقف غیر مسلم نے آپ کے کام میں مدد کی ہو؟ اس نے کہا، نہیں۔ فقیر نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت ہے کہ موقع محل کے مطابق کام کرنے والے مل جاتے ہیں۔

ہے عیاں آج بھی یورش تاتار کے افسانے سے

پاساں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

دو گھنٹے کے بعد دوسری گاڑی آئی۔ راول نے بھاگ کر کنڈکٹر گاڑ سے کہا کہ ہمیں تین سیٹوں کی ضرورت ہے اس نے کہا کہ میرے پاس نہیں ہیں۔ فقیر نے کہا کہ مجھے آج ضرور جانا ہے آپ سیٹیں دیکھیں پھر جواب دیں۔ اتنے میں ڈبے کے اندر سے دو عورتیں باہر نکلیں اور کہنے لگیں کہ ہم نیچے اتر رہی ہیں۔ راول نے کہا کہ دو سیٹیں تو مل گئیں تیسری کا کیا ہے گا؟ اس نے پوچھا کہ تیسرا کون؟ راول نے فقیر کی طرف اشارہ کیا۔ کنڈکٹر گاڑ تھوڑی دیر فقیر کی طرف دیکھتی رہی پھر کہنے لگی کہ ان کو میں اپنے کمرے میں سلا دوں گی۔ ہم لوگ گاڑی پر سوار ہوئے۔ کنڈکٹر گاڑ نے فقیر کو اپنے بستر پر سلا دیا اور خود کرسی پر بیٹھ کر رات گزار دی۔ اگلے دن 10 بجے ماسکو پہنچے۔ جب پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم سے پہلے چلی ہوئی گاڑی راستے میں جگہ جگہ رکنے کی وجہ سے دیر سے آئے گی اور 10 منٹ کے بعد اسی پلیٹ فارم پر پہنچے گی۔ ہم تینوں نے اپنا

سامان ایک جگہ رکھا اور دوسری گاڑی کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ جب گاڑی آئی اور ابراہیم احمدم وغیرہ نے ہمیں پلیٹ فارم پر کھڑے دیکھا تو حیران رہ گئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت! کیا آپ ہوائی جہاز سے آئے ہیں؟ فقیر نے کہا نہیں آئے تو گاڑی میں ہی ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے جلدی پہنچا دیا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جس نے تھوڑے وقت میں اتنا لمبا سفر طے کرنا ہمارے لئے آسان بنا دیا۔ الحمد للہ علی ذلک

ماسکو میں ٹرانزٹ :

خرکوف سے واپسی پر دن کے نو بجے ماسکوریلوے اسٹیشن پر پہنچے۔ فقیر نے مولانا عبداللہ سے کہا کہ ہم نے تاتارستان کے دورے پر آج رات کو روانہ ہونا ہے بہتر ہے کہ تاریخی مسجد میں جانے سے پہلے ہم اپنی تکلیفیں یہاں سے خرید لیں۔ چنانچہ مولانا عبداللہ اور روائیل تاج الدین اس کام کے لئے چلے گئے۔ فقیر باقی احباب سمیت ایک کونے میں سامان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ دو روسی نژاد لڑکیاں ہمارے قریب آکر کھڑی ہو گئیں۔ فقیر نے اپنی آنکھیں بند کر کے کھڑے کھڑے مراقبہ کرنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد امیر تیمور کے کھل کھلا کر ہنسنے کی آواز آئی تو فقیر نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو امیر تیمور نے ان لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ دونوں پہلے آپ کو دیکھتی رہی ہیں، ایک دوسرے سے کھسر پھسر کرتی رہی ہیں، پھر ان میں سے ایک نے کہا ہے کہ یہ شخص کتنا حسین ہے؟ اس میں کتنی کشش ہے، اسے کہیں کہ ہم دو میں سے ایک سے شادی کر لے۔ فقیر نے جواب دیا کہ ان دونوں سے کہو کہ اصل کشش اسلام میں ہے، دین میں ہے، میرے محبوب ﷺ کی پیاری سنتوں میں ہے، آپ دونوں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائیں تو آپ سے پروردگار

عالم محبت کرنے لگ جائیں گے۔ آپ کی زندگی میں برکت ہی برکت ہوگی۔ ان دونوں نے جواب دیا کہ ہم نے دین اسلام کے بارے میں پہلی دفعہ سنا ہے۔ فقیر نے کہا کہ آپ دونوں تاریخی مسجد کے امام صاحب سے رابطہ کر کے اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کریں۔ وہ کہنے لگیں کہ ہم دل سے متاثر ہوئی ہیں اور مسلمان بننے کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ پھر کلمہ شہادت پڑھ لو۔ انہوں نے کہا پڑھا دو۔ فقیر نے کلمہ شہادت پڑھایا ہی تھا کہ ریل گاڑی نے سیٹی جائی۔ وہ دونوں کہنے لگیں کہ ہماری گاڑی چند لمحوں میں چل پڑے گی۔ ہم امام صاحب سے رابطہ کریں گی مگر آپ سے رابطہ کیسے ہوگا؟ فقیر نے روائیل تاج الدین کی طرف اشارہ کیا کہ ان کا فون نمبر لے لو یہ ماسکو ہی میں رہتے ہیں۔ امیر تیمور نے جلدی سے ایک کاغذ پر فون نمبر لکھ دیا اور وہ دونوں لڑکیاں بھاگتی ہوئی دوسرے پلیٹ فارم پر چلی گئیں۔ امیر تیمور فقیر کے قریب آکر کہنے لگے کہ حضرت! اس قدر خوبصورت دو شیزاؤں کے پیچھے تو یہاں کے نوجوان دیوانے بنے پھرتے ہیں۔ عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ یہ آپ کے قدموں میں گرتی پھر رہی تھیں۔ فقیر نے کہا کہ ایک شعر سنو اور اس کا روسی زبان میں ترجمہ کر کے باقی لوگوں کو سنا دینا۔

و دکانی ہاں حیڈے نام پچھوں

تمیں تے کون کینی نوں جاندا ہائی

میڈے گل پٹہ حیڈے نام والا

حیڈے نام کوں جگ سبجاندا ہائی

مولانا عبد اللہ اور روائیل تاج الدین کے آنے پر ہم لوگ تاریخی مسجد میں آگئے۔

امیر تیمور نے چسکے لے لے کر ان کو دو لڑکیوں کا واقعہ سنایا۔

ابراہیم اودھم نے واقعہ سنایا کہ جب ہم لوگ لینن گراؤڈ میں زار روس کا عجائب گھر

دیکھ رہے تھے تو ایک عورت نے مجھ سے آکر پوچھا کہ یہ آدمی کسی ملک کا بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں یہ روحانی دنیا کا بادشاہ ہے۔ اس کے خاوند نے کہا کہ اس کی حفاظت کے لئے اس کے ساتھ کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ہم چھ مددے ہیں۔ کہنے لگا پھر ٹھیک ہے۔ ایسے لوگ ہمارے ملک کے لئے تحفہ ہیں ان کی قدر کرنی چاہئے۔



باب 8

تاتارستان کا سفر

رات دس بجے ماسکو سے ریل گاڑی کے ذریعے گور کی کا سفر شروع ہوا۔ رشتیا کے اس علاقے میں تاتار نسل کے لوگ اکثریت سے آباد ہیں۔ یہ علاقہ کسی دور میں اسلامی تعلیمات کا مرکز رہا ہے لیکن سرخ انقلاب نے اکثر نوجوانوں کو ہر یہ بنادیا ہے اور خواہشات کا غلام بنا کر دین سے دور کر دیا ہے۔ تاتارستان کا پہلا بڑا شہر گور کی ہے۔ لہذا اس گھنٹے کے سفر کے بعد منزل مقصود پر پہنچے۔

گور کی کا سفر :

جب ریل گاڑی سے نیچے اترے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کریں؟ اس شہر میں کوئی آدمی بھی ہمارا واقف نہیں تھا۔ راول تاج الدین اور مولانا عبداللہ فقیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ فقیر نے پوچھا کہ بتائیں ہم کس کے مہمان ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ کے۔ فقیر نے پوچھا کہ بتائیں اللہ تعالیٰ کے گھر کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا مسجد۔ فقیر نے کہا کہ پھر ہمیں بغیر کسی جھجک اور ہچکچاہٹ کے مسجد میں جانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہماری میزبانی فرمائیں گے۔ یہ بات سب احباب کے دل کو لگی اور ہم سب خوشی خوشی مسجد جانے کے لئے تیار ہوئے۔ مولانا عبداللہ نے کہا کہ حضرت! ہمیں مسجد کا پتہ بھی تو نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کوئی بات نہیں۔ آپ

جا کر چند ایک ٹیکسی ڈرائیوروں سے معلوم کریں۔ کوئی نہ کوئی ہمیں ضرور مسجد تک پہنچا دے گا۔ چند منٹ میں راول تاج الدین نے ایسا ڈرائیور ڈھونڈ لیا جس نے آدھے گھنٹے میں ہمیں ایک عظیم الشان مسجد کے دروازے پر اتار دیا۔ ابراہیم اودھم جلدی سے سامان اٹھا کر مسجد کے دروازے پر پہنچے تو دروازے کو مقفل پایا۔ اب پھر سب لوگوں نے فقیر کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ فقیر نے کہا کہ دیکھیں یوں تصور کریں کہ ہم ایک شہنشاہ کے محل کے دروازے پر کھڑے ہوئے بھکاریوں کی مانند ہیں ہم صد لگائیں یعنی دل ہی دل میں دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ مسجد کھلنے کا بندوبست کر دے گا۔ گور کی کا شہر ساحل سمندر پر واقع ہے۔ یہاں اس قدر ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی کہ چند منٹ باہر کھڑے ہونے سے دانت جھنے لگے۔ سائبیریا سے آئی ہوئی بخارہ ہو اسینوں سے پار ہو رہی تھی۔ چند لمحوں کے بعد ایک آدمی مسجد کے اندر سے دروازے پر آیا اور پوچھنے لگا کہ آپ کون ہیں؟ اور کیا چاہتے ہیں؟ مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ ہم کاذان جا رہے تھے۔ چند گھنٹوں کے لئے یہاں اترے ہیں تاکہ مسلمان بھائیوں سے ملاقات ہو جائے۔ اس نے دروازہ کھول کر کہا کہ آپ اندر تشریف لائیں۔ ہم لوگ جس وقت مسجد کے اندر داخل ہوئے تو کمرے کی گرم فضا میں ہمیں ایسے سکون ملا جیسے کہ مچھلی کو پانی میں ملتا ہے۔ تھوڑی دیر گفت و شنید کے بعد ہم سب لوگ سو گئے اور دن کے بارہ بجے جا گئے۔ وضو کر کے فارغ ہوئے تو مسجد کے امام خطیب مولانا محمد عمر تشریف لائے۔ انہوں نے مدرسہ میر عرب خارا سے دورہ حدیث کیا تھا۔ لہذا ازبکستان کے علماء صلحاء کے ناموں سے واقف تھے۔ جب مولانا عبد اللہ نے بتایا کہ مفتی اعظم سمرقند، مفتی اعظم نرنگان، مفتی اعظم توقان اور مفتی اعظم جبول وغیرہم بیعت ہو چکے ہیں تو مولانا نے بے اختیار کہا کہ حضرت! پھر تو ہمیں بھی بیعت فرمائیں۔ فقیر نے کہا کہ ظہر کی نماز کے بعد تھوڑی دیر بیان کریں گے اور بیعت کے کلمات بھی پڑھائیں گے۔ مولانا محمد عمر نوجوان عالم دین تھے اور دل کا نور ان کے چہرے سے نظر آ رہا تھا۔ چند منٹ کے

تعارف کے بعد وہ اپنے گھر گئے اور تازہ پکا ہوا گرم گرم کھانا اٹھا کر لے آئے۔ ہم لوگ کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کوئی مجاہد دشمن پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ کھانے سے فراغت پر مسجد میں اذان ہوئی۔ مولانا محمد عمر نے بتایا کہ یہ مسجد 1905ء میں بنی تھی اس کا منارہ بہت خوبصورت اور بلند و بالا تھا۔ کیمونسٹوں نے اس مینار کو گرادیاد اور مسجد کو گودام میں بدل دیا۔ اب آزادی ملنے کے بعد از سر نو مینارے کی تعمیر کی گئی ہے اور مسجد کو پانچ وقت کی نماز کے لئے کھول دیا گیا ہے۔ مولانا محمد عمر مسجد کی ملحقہ زمین میں چوں کی دینی تعلیم کے لئے مدرسہ کھولنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ ظہر کی نماز کے بعد فقیر نے اشاعتِ دین کی اہمیت اور مدارسِ عربیہ کے قیام کے عنوان پر بیان کیا۔ مولانا کی حالت دیدنی تھی خوشی کے مارے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ نمازی حضرات بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ میان کے بعد مولانا محمد عمر نے ہی اعلان کیا کہ جو لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں وہ اس کپڑے کو پکڑ لیں۔ چنانچہ مسجد کے تمام نمازیوں نے اور مولانا محمد عمر نے بیعت کی۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ کے ذمے لگایا کہ وہ چھ معمولات کی تفصیل بتادیں۔ مولانا عبد اللہ نے جب اپنی بات مکمل کی تو مقامی لوگوں میں سے ایک تاتار نے ابراہیم ادھم سے پوچھا کہ تم روسی النسل نظر آتے ہو۔ اس نے کہا ہاں میں بھی حضرت کا دانی مرید ہوں۔ اس شخص نے فرمائش کی کہ آپ ہمیں اپنی بیعت اور شیخ سے ملاقات کا واقعہ تفصیل سے سنائیں۔ چنانچہ ابراہیم ادھم نے فقیر سے ملاقات اور سفر کے واقعات کو اتنے دلچسپ پیرائے میں سنایا کہ حاضرین جھوم اٹھے۔ محفل کے اختتام پر سب نمازیوں نے ابراہیم ادھم کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ فقیر کے متعلق ان کا یہ گمان تھا کہ اولیائے نقشبند کا یہ سچا نمائندہ ہے جس کے ہاتھ پر روسی النسل لوگ بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔

ابراہیم ادھم نے جب بتایا کہ میری ملاقات کی ابتداء اس وقت ہوئی جب حضرت صاحبِ کریمیلین کی عمارت کے سامنے بیٹھے اربابِ اقتدار کے دلوں پر توجہ ڈال رہے

تھے تو مولانا محمد عمر اس بات کو سن کر تڑپ اٹھے اور انہوں نے فرمائش ظاہر کی کہ آپ کو میں اپنی کار میں شہر لے چلتا ہوں۔ آپ ہمارے مقامی حکام کے دلوں پر توجہ ڈالتے جائیں۔ ہمیں اسٹیشن پہنچنے میں تین گھنٹے باقی تھے۔ لہذا ہم مولانا کے ساتھ شہر چلے گئے۔ مولانا نے بتایا کہ گور کی شہر میں اسلحہ ساز فیکٹریوں کی بہتات ہے۔ یہاں پر توپ، ٹینک اور ہوائی جہاز بنانے کے کارخانے موجود ہیں۔ تانار لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ گور کی میں پیسے بنتے ہیں اور ماسکولینن گراڈ میں خرچ ہوتے ہیں۔ فقیر نے اسلحہ سازی کا ایک عجائب گھر بھی دیکھا۔ گور کی کا شہر نہایت خوبصورت اور صاف ستھرا ہے۔ اس شہر کا حاکم یہودی تھا مگر اس شہر میں عیسائیوں کی مشنریاں خوب کام کر رہی تھیں۔

مولانا عبد اللہ نے مشورہ دیا کہ ہم لوگ شہر میں آہی چکے ہیں لہذا رات کے سفر کا کھانا یہاں سے خرید لینا چاہئے۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ اور مولانا عمر کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ چند لمحوں میں راہِ ہجرتوں نے فقیر کے گرد مجمع لگا لیا۔ ایک عورت نے امراہیم ادھم سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے بتایا کہ ہمارے شیخ ہیں۔ عورت نے کہا کہ میرے ذہن میں کچھ سوالات ہیں میں اس کا جواب معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ فقیر نے کہا کہ بہت اچھی بات ہے۔ عورت نے کہا کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں اور حضرت محمد ﷺ قبر میں مدفون ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں۔ فقیر نے کہا کہ دو باتیں ذہن نشین کر لو۔ پہلی یہ کہ ہمیشہ اوپر والی چیزیں افضل نہیں ہوتیں۔ کتنے پرندے درختوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ انسان ان سے افضل ہوتا ہے۔ مزید برآں سمندر کی سطح پر جھاگ ہوتی ہے اور نیچے ہیرے اور موتی ہوتے ہیں۔ لہذا آسمانوں پر ہونا فضیلت کی دلیل نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ عیسائی تو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا تھا۔ یہ تو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ

زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے۔ اگر آپ مسلمانوں کی یہ بات مانتی ہیں تو یہ بات بھی مان لیجئے کہ وہ قرب قیامت میں نازل ہوں گے اور ہمارے پیغمبر ﷺ کے امتی بن کر زندگی گزاریں گے۔ اس بات پر وہ عورت لاجواب ہو گئی اور کہنے لگی کہ آپ نے مجھے مطمئن کر دیا ہے۔

والپسی پر مولانا عمر ہمیں مسجد کے مینارے کے اوپر لے گئے۔ ہم نے پورے شہر کا نظارہ دیکھا۔ شہر کے ساتھ ہی ایک دریا بہہ رہا تھا۔ مولانا عمر نے بتایا کہ سردیوں میں اس دریا کے پانی پر برف جم جاتی ہے۔ چنانچہ اس دریا میں سکیکے وغیرہ کے لئے مخصوص جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ سیاح حضرات دور سے آکر ان جگہوں پر سکیکے کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد ہماری گاڑی نے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ ہم لوگ عصر کی نماز کے بعد سامان لے کر ریلوے اسٹیشن پر آ گئے۔

کاذان میں قیام :

مغرب کی نماز پلٹ فارم پر باجماعت پڑھی تو لوگ بڑے غور سے ہمیں دیکھنے لگ گئے۔ مقررہ وقت پر ہم لوگ گاڑی پر سوار ہوئے۔ ابراہیم ادھم ٹھنڈا پانی لینے کے لئے کمرہ سے باہر گیا تو بڑی دیر کے بعد واپس آیا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ ایک آدمی یہودی مذہب سے تعلق رکھنے والا میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تمہارے ساتھ یہ عصاد والا آدمی کون ہے؟ میں نے بتایا کہ میرے شیخ ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ ان کے ساتھ کیوں ہیں؟ میں نے بتایا کہ میں ان کا ترجمان ہوں۔ یہودی کہنے لگا کہ ہم اور آپ روسی نسل کے لوگ ہیں یہ مسلمان یہاں آکر اپنے دین کی اشاعت کر رہے ہیں۔ آپ کو چاہئے کہ انہیں غلط مشورے دیکر ان کا وقت اور مال ضائع کریں۔ میں نے بحث مباحثہ کرنے سے پرہیز کیا اور چپ چاپ واپس چلا آیا۔ فقیر نے بتایا کہ مسلمانوں کے بڑے دشمن یہود اور ہنود ہی ہیں۔ پھر قرآن مجید کی آیت پڑھی۔

اشد الناس عداوة للذين آمنوا اليهود والذين اشرکوا

(ایمان والوں سے دشمنی کرنے میں سب سے زیادہ سخت یہودی اور
مشرکین ہیں)

ابراہیم ادھم نے پوچھا کہ حضرت کوئی ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ ہم ان کے
ساتھ مل کے رہ سکیں۔ فقیر نے کہا ہاں یہ اس وقت ممکن ہے جب کہ ہم ان کی پیروی
کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ
(یہودی اور نصرانی تجھ سے ہر گز راضی نہیں ہو سکتے جب تک تو انکی ملت
کے تابع نہ ہو جائے)

مولانا عبد اللہ نے کہا کہ حضرت اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے۔
کاذان کا شرماضی بعید میں اسلام کا بڑا مرکز رہا ہے۔ اس شہر میں اتنے علماء کرام
رہتے تھے کہ ایک سال میں اسلام کے بارے میں تیس ہزار نئی کتابیں چھاپی جاتی
تھیں۔ اسی شہر کے ایک عالم حمزہ بے نے لینن گراڈ میں قرآن مجید کو چھاپے خانے پر
تیار کیا۔ یہاں کے لوگ طبعاً بڑے دیندار ہیں اور انہیں اپنے تاتار ہونے کا بڑا فخر
ہے۔

اس شہر میں ترکی کے علماء بہت بڑی تعداد میں مساجد و مدارس بنا رہے ہیں،
سعودی عرب کی طرف سے بھی بے تحاشہ مالی امداد ہو رہی ہے۔ ہم لوگ یہاں کی
مرکزی مسجد میں پہنچے تو امام خطیب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے بڑی
اجنبیت کا مظاہرہ کیا۔ شاید وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم لوگ بدعات پھیلانے کے لئے
وہاں پہنچے ہیں۔ مولانا عبد اللہ کے کہنے پر خطیب صاحب نے کہا صرف پندرہ منٹ
بیان کرنے کی اجازت ہے۔ بیان کا ترجمہ بھی میں خود کروں گا۔ جب بیان مکمل ہوا تو
لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ فقیر حیران تھا کہ پورے سفر میں یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی آدمی
بھی سلیطے میں داخل نہیں ہوا۔ خطیب صاحب نے فقیر سے مصافحہ کیا اور چلے گئے۔

مولانا عبد اللہ نے فقیر کے قریب آکر بتایا کہ ترجمانی کرنے کے دوران خطیب صاحب نے اپنی طرف سے کہہ دیا تھا کہ بیعت کرنی ضروری نہیں ہے اگر کرنی بھی ہو تو اپنے دلیس کے مشائخ سے کرنی چاہئے۔ پر ویسی تو آج آئے کل گئے۔ اسی لئے لوگ دعا کے بعد چلے گئے۔ فقیر نے کہا مولانا! اگر اللہ تعالیٰ کو سلیے کی اشاعت منظور ہوئی ہے تو کوئی آدمی راستہ روک نہیں سکتا۔ ابھی ہم لوگ یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان آیا اور اس نے مولانا عبد اللہ کو بتایا کہ میں یہاں کے مدرسے کا طالب علم ہوں۔ ہم پانچ طلباء اس شیخ سے بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ بیڑھیوں والے کمرے میں منتظر ہیں۔ چنانچہ طلباء کے کمرے میں جا کر انہیں بیعت کیا۔

ستم بالائے ستم :

مغرب کی نماز کے بعد ہم لوگوں نے اوفافانا تھا۔ کئی لوگوں سے دریافت کیا کہ اوفافا کیسے جاتے ہیں؟ سب نے کہا کہ ہوائی جہاز کے ذریعے۔ پوچھا کہ ریل گاڑی کے ذریعے جاسکتے ہیں؟ جواب ملتا کہ ہمیں معلوم نہیں۔ فقیر کے پاس روس کا نقشہ تھا جب اس پر کاڈان اور اوفافا کے شہروں کو دیکھتا تو پتہ چلتا کہ قریب قریب ہیں لیکن جب لوگوں سے پوچھتا تو محسوس ہوتا کہ یہ ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ فقیر نے مولانا عبد اللہ سے کہا کہ ہم لوگ بس اسٹیشن پر جاتے ہیں وہاں سے ہمیں مزید معلومات حاصل ہو جائیں گی۔ ہم لوگ ٹیکسی کے ذریعے بس اسٹینڈ پر پہنچے۔ فقیر نے وہاں کے میجر کے کمرے میں جا کر معلوم کیا کہ ہمیں اوفافا جانا ہے کیسے جائیں؟ اس نے جواب دیا کہ ہوائی جہاز کے ذریعے۔ فقیر نے پوچھا کوئی اور طریقہ وہاں جانے کا؟ اس نے کہا مجھے معاف کیجئے کہ میرے علم میں کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ فقیر نے کہا کہ مجھے آپ ریلوے لائن کا نقشہ دیں۔ اس نے ایک فائل میں سے نکال کر دیا۔ جب دیکھا تو پتہ چلا کہ شہر تو اتنے قریب ہیں کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ تین سو کلومیٹر ہے لیکن کیونسٹ ڈہن نے سوچا کہ اگر ان دونوں شہروں کے لوگ ایک دوسرے سے

آسانی سے ملتے رہیں گے تو اپنی روش پر قائم رہیں گے۔ ان کی قوت توڑنے کے لئے ان کو ایک دوسرے سے دور کر دو۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے دونوں شہروں کے درمیان نہ تو کوئی سڑک مائی نہ ہی ریلوے لائن بچھائی۔ ہوائی جہاز سے آنا جانا ہر مدے کے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ ستر سال کے دوران دونوں شہروں کے لوگ ایک دوسرے سے دور ہو گئے۔ فقیر نے ریلوے لائن کے نقشے کو سامنے رکھ کر دیکھا تو حساب لگایا کہ اگر ہم ریل گاڑی کے ذریعے جائیں تو کیا ممکن ہے۔ پتہ چلا کہ دو گاڑیاں راستے میں بدل کر اوفافا جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ایک ہزار کلو میٹر کا لمبا سفر کر کے ہم لوگ تین سو کلو میٹر دور شہر میں پہنچ گئے۔

اوفافا کا قیام :

اوفافا خوبصورت شہر تاجکستان کا دار الخلافہ ہے۔ اس کے قرب وجوار میں اتنے خوبصورت مناظر دیکھنے میں آئے کہ بے اختیار زبان پر یہ آیت آئی

فتبارك الله احسن الخالقين

(پس برکت والا اللہ بہترین خالق ہے)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو سرسبز و شاداب اور نندی نالے کی جگہیں بہت پسند تھیں۔ پھولوں میں سے گلاب کا پھول بہت پسند تھا۔ اسی وجہ سے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو بھی گلاب کے پھول سے بہت محبت تھی۔ دارالعلوم دیوبند کے جن میں اس پھول کو بڑی چاہت سے لگایا جاتا تھا۔ ایک درخت کیکر کا بھی لگوایا گیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ درخت رضوان جس درخت کے نیچے لی گئی تھی وہ کیکر کا تھا۔ اسی ماء پر حصول برکت کے لئے اسے دارالعلوم دیوبند میں لگایا گیا ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ فارسی زبان میں گلاب کو گل سرخ، ہندی زبان میں گلاب کا پھول، انگریزی زبان میں روز، سنسکرت میں ستا پتری اور عربی زبان میں ورد احمر کہا جاتا ہے۔ تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پودا حضرت آدم علیہ

السلام کے نزول سے پہلے ہی اس دنیا میں موجود تھا۔ امریکہ میں ایک دریا کی پرانی گزرگاہ کی کھدائی کے دوران گلاب برآمد ہوا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق یہ ساڑھے تین کروڑ سال پہلے کا گلاب ہے۔ یونانی دیو مالا سے پتہ چلتا ہے کہ اس پھول کے بغیر وہ لوگ عبادت بھی نہیں کرتے تھے۔ خصوصاً وینس کے چرنوں میں گلاب ضرور چڑھایا جاتا تھا۔ رومن بادشاہ سب سے بہادر جرنیل کو گلاب کا پھول بطور تحفہ دیا کرتے تھے۔

مارک انطونی نے خود کشی کرنے سے پہلے قلو پٹرہ کو وصیت کی تھی کہ اس کی قبر گل سرخ سے ڈھانپ دی جائے۔ جب قلو پٹرہ نے مارک انطونی کو پہلے پہل اپنے محل میں دعوت دی تھی تو تمام راستوں کو گلاب کی پتھریوں سے سجادیا تھا۔ محل کے جس کمرے میں دعوت کا انتظام تھا وہاں گھٹنے گھٹنے تک گلاب کی پتیوں کا فرش تھا۔ معروف ایرانی شاعر عمر خیام بھی گلاب کا شیدائی تھا۔ عمر خیام کی رباعیات کو انگریزی کے قالب میں ڈھالنے والے مشہور مترجم ایڈورڈ فزجرالد کا 1883ء میں جب انتقال ہوا تو اس کی قبر پر عمر خیام کے مزار سے گلاب کی قلم خاص طور پر منگوا کر بطور عقیدت لگائی گئی۔ شیکسپیر نے کئی جگہ پر اس پھول کی تعریف کی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کو نارستان سے جو خراج ملتا تھا اس میں عرق گلاب کی تین ہزار بوتلیں بھی شامل تھیں۔ بابر بادشاہ نے افغانستان کے مشہور باغ ”باغ وفا“ میں گلاب کے دس ہزار پودے لگوائے تھے۔ بابر نے بیٹیوں کے نام بھی گل بدن، گل چہرہ، گل رنگ وغیرہ رکھے۔ نور جہاں گلاب کی شیدائی تھی۔ گلاب کا عطر سب سے پہلے لاہور میں تیار کیا گیا۔ پاکستان میں چوآسیدن شاہ کے گلاب مشہور ہیں۔ بھارت میں اکبر آبادی گلاب مشہور ہے۔ بعض لوگ پھول کے نام پر نام رکھتے ہیں جیسے مہاراجہ گلاب سنگھ، گلاب دین، گلاب رائے۔ لاہور میں ایک ہسپتال گلاب دیوی کے نام سے آج بھی مشہور ہے۔ یہ سب باتیں تاریخ کا حصہ سہی مگر ایک مسلمان کو تو گلاب کا پھول اس

لئے پسند ہوتا ہے کہ ہمارے آقا و سر دار ﷺ کو پسند تھا۔

جب مرکزی مسجد میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ مفتی اعظم تاجکستان کا سیکرٹیر نیٹ بھی یہیں واقع ہے مگر وہ کسی کام کے سلسلے میں شر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ ان کے نائب مفتی سے فقیر کی ملاقات ہوئی۔ نائب مفتی صاحب نے فقیر کو دعوت دی کہ نماز جمعہ کا خطبہ دیں۔ فقیر نے حامی بھر لی۔ چنانچہ مولانا عبداللہ نے ترجمانی کی۔ حاضرین مسجد نے دل کھول کر اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔ فقیر کے پورے سفر میں اتنے نعرے کہیں بھی نہیں لگائے گئے تھے۔ فقیر کو عجیب لگ رہا تھا۔ نماز کے بعد مولانا عبداللہ نے کہا حضرت! آج کامیاب تاریخی نوعیت کا تھا۔ اہل اوقاف سے مدتوں تک یاد کریں گے۔ آپ نے ان لوگوں کو بغیر دام کے خرید لیا ہے۔ لوگ کثرت سے بیعت ہوئے اور فقیر کو چوم چوم کر اور سینے سے لگا لگا کر ادھ مو اکر دیا۔

بوڑھی عورت کا اظہار محبت :

نماز جمعہ کے بعد راویل تاج الدین نے یاد دلایا کہ ہمیں کل کے سفر کے لئے ہوائی جہاز کے ذریعے اوقاف سے تاشقند جانا ہے۔ لہذا آج ہی ٹکٹیں خرید لینی چاہئیں۔ کھانے سے فراغت پر ہم چار آدمی اتر پورٹ پر گئے۔ راویل تاج الدین کا خیال تھا کہ فقیر کی ٹکٹ ڈالر میں بہت منگنی بنے گی جب کہ باقی ٹکٹیں کم قیمت میں بنیں گی۔ مگر ٹکٹ مانے والی عورت نے سب لوگوں کی ٹکٹیں روپل میں مانویں۔ جب فقیر نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے کہا کہ دستور تو یہی ہے کہ غیر ملکی کی ٹکٹ ڈالر میں بنتی ہے جو مقامی لوگوں کی ٹکٹ سے دو سو گنا منگنی ہوتی ہے۔ مگر میں چونکہ آپ کی ٹکٹ بنا چکی ہوں لہذا آپ اسی پر سفر کیجئے۔ اسٹیشن میجر میرے دوست ہیں۔ میں اس سے خصوصی رعایت حاصل کر لوں گی۔ فقیر نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ جب حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ یہ بچت اتنی ہی تھی جتنی رقم رشیا کے مختلف شروں کے سفر کرنے میں لگی تھی۔

ہم چار آدمی آپس میں کھڑے باتیں کر رہے تھے کہ ایک بوڑھی عورت ہمارے قریب آکر کھڑی ہو گئی۔ مولانا عبداللہ نے پوچھا کیا کہنا چاہتی ہیں؟ تو اس نے کہا کہ تم چار ہو اور میں پانچویں ہوں۔ سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے۔ راویل تاج الدین نے کہا کہ اس عورت نے بڑے پیارے الفاظ میں اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ فقیر نے کہا کہ اس کے لئے ہدایت کی دعا کرنا ہمارے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ کیا عہد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو مسلمان معاذے اور قیامت کے دن ایمان والوں کی صف میں شامل فرمادے۔

اکھیوں کے جھروکوں سے :

والہی پر فقیر نے احباب کے لطائف تازہ کئے۔ امیر تیمور کا قلب جاری ہو چکا تھا۔ اس کا معمول روزانہ پانچ گھنٹے مراقبہ کرنے کا تھا۔ راویل تاج الدین نے جمعہ کے دن عرفی جبہ پہنا اور عمامہ باندھا تو بہت ہی زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ ابراہیم اوہم فقیر کے اندازے سے زیادہ ذہین نکلا۔ اسے سنت لباس سے اتنی محبت ہو گئی ہے کہ اب اس کا محبوب مشغلہ بن گیا ہے کہ لوگوں کے جسم سے انگریزی لباس اتروائے اور مسنون لباس پہنائے۔ دور ان سفر کئی علمائے کرام اس کی باتیں سن کر سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ ابو عثمان خاموش طبع ہے مگر وقوف قلبی کا خیال رکھنے میں دوسروں سے آگے نکل گیا ہے۔

ہفتے کے دن جب ہم لوگ اتر پورٹ پر پہنچے تو بورڈنگ کارڈ لے کر لاؤنج میں آگئے۔ تھوڑی دیر میں ایک اتر ہو سٹس آئی اور فقیر کے ہاتھ چومنے لگی۔ فقیر جلدی سے پیچھے ہٹا اور راویل تاج الدین کو آواز دی کہ پوچھیں یہ محترمہ کیا چاہتی ہے؟ اتر ہو سٹس نے کہا کہ میں اس شخص کے ہاتھوں کو بوسہ دینا چاہتی ہوں۔ راویل نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس نے کہا کہ میرے ماں باپ بہت نیک تھے مگر میں راستے سے بھٹک گئی۔ میں نے شراب و شباب کی زندگی کے مزے لوٹے۔ اس وقت میرے

والدین فوت ہو چکے ہیں۔ میں نے اس شیخ کو دیکھا ہے تو مجھے اپنے والد کی باتیں یاد آگئی ہیں۔ میں اپنی اکھیوں کے جھروکوں سے دیکھ رہی ہوں کہ جیسے وہ مجھے کہہ رہے ہیں کہ تو اس شیخ کی باندی بن جا اور ان کی نصیحت پر زندگی گزار لے۔ یہ کہہ کر لڑکی فقیر کے قدموں پر گر پڑی۔ فقیر پیچھے ہٹا اور وہ اتر ہو سٹس سجدے کی حالت میں پڑی زارو قطار رو رہی تھی۔ ہم سب کے لئے یہ ایک عجیب صورت حال تھی۔ غیر محرم ہونے کی وجہ سے کوئی اسے اٹھا بھی نہیں سکتا تھا۔ کچھ دیر اسی حال میں گزری۔ فقیر نے راویل تاج الدین سے کہا کہ اسے کھواٹھو اور شیخ کی باتیں سنو۔ چنانچہ اس نے سراٹھایا۔ فقیر نے اسے قریب والی سیٹ پر بٹھا کر توبہ کے کلمات پڑھائے اور سلسلہ عالیہ میں داخل کیا۔ راویل نے اسے معمولات و وظائف کی تفصیل بتائی اور اس نے راویل سے کہا کہ اس شیخ سے کہیں کہ مجھے ایک چھوٹی سی تمنا پوری کرنے دے۔ فقیر نے پوچھا کونسی تمنا؟ اس نے کہا کہ میں ان کے جسم کو اگر نہیں چھو سکتی تو یہ مجھے اجازت دیں کہ میں ان کے کپڑوں کو چوم لوں اور اپنی آنکھوں سے لگا لوں۔ میرے گناہ شاید اسی وجہ سے معاف ہو جائیں۔ مولانا عبد اللہ نے کہا کہ حضرت! اس کی شرعاً اجازت ہے۔ اس لڑکی کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ آپ اسے منع نہ کریں۔ فقیر کو خاموش ہونا پڑا۔ اس لڑکی کی محبت و عقیدت کو دیکھ کر امیر تیمور نے اونچا اونچا روٹا شروع کر دیا۔ سب حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔ اسی دور ان فلائٹ کی روانگی کا اعلان ہوا تو ہم لوگ پر غم آنکھوں کے ساتھ جہاز پر سوار ہوئے۔ اور تاشقند کے سیاحت ہوٹل میں پہنچ کر دم لیا۔

تین دن میں اگلے سفر کی تیاری مکمل کی اور بذریعہ ہوائی جہاز داغستان پہنچے۔



باب 9

کوہ قاف کے دیس میں

داغستان کا علاقہ روس کے زیر تسلط ان مجاہدین کا مسکن ہے جنہوں نے سرخ انقلاب کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور نئی تہذیب کے گندے انڈوں کو اپنے سے دور ہی رکھا۔ یہاں کا اکثر علاقہ خوبصورت سرسبز و شاداب پہاڑی علاقہ ہے۔ لوگ اس قدر خوبصورت ہیں کہ خدا کی پناہ۔ سرنگیں آنکھیں، کالے بال اور سرخ و سفید رنگت کے متنافی چہرے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاعر حضرات کے تخیلاتی محبوب یہاں بستے ہیں۔ یہاں کی عورتوں کو اسی حسن و جمال کی وجہ سے کوہ قاف کی پریاں کہا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے چچے اس قدر نرم و نازک اور خوبصورت ہوتے ہیں کہ بے اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال یاد آ جاتا ہے۔ یہ مزے کی بات ہے کہ ان لوگوں کا ظاہر جس قدر خوبصورت ہے ان کا باطن اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ پھلوں کی بہتات نے کھانے پینے سے بے فکر کر دیا ہوا ہے۔ جانور چرانے سے دودھ اور گوشت کی کمی پوری ہو جاتی ہے۔ داغستان کی ہر بستی میں مسجد سے ملحقہ مدرسہ بھی ہوتا ہے۔ عوام الناس بھی روانی کے ساتھ

عربی زبان بولتے ہیں۔ علماء صلحاء کی کثرت ہے۔ ہر چے کے لئے دینی تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ مغربی فاشی اور بے حیائی سے ہزاروں میل دور یہ لوگ پرہیزگاری اور خدا خونی کی زندگی گزارنے کے عادی ہیں۔

کفر مٹا چا جن کے آگے۔

روس میں جب سرخ انقلاب آیا اور سرخ آندھی لینن گراڈ سے چلتی ہوئی دریائے آمو کے کنارے تک پھیل گئی اس وقت داعستان کے علماء نے علم جہاد بلند کیا۔ نقشبندی مشائخ کی دعاؤں نے ان جہادی کوششوں میں رنگ بھر دیا۔ روسی فوج چالیس سال تک ٹکریں مارتی رہی مگر گوریلا جنگ میں کامیاب نہ ہو سکی۔ امام شاملؒ کی زیر قیادت مسلمان مجاہدین نے جرأت و شجاعت کے وہ جوہر دکھائے کہ تاریخ کا حصہ بن گئے۔ وسائل کی کمی اور بھوک پیاس کی شدت کے باوجود مجاہدین اپنی بات کے پکے اور من کے سچ ثابت ہوئے۔ روسی قیادت نے جنگ بند کرنے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ آپ لوگوں کو باعزت اپنی جگہ پر رہنے دیا جائے گا۔ آپ اپنے دین پر عمل کرنے میں آزاد ہوں گے۔ حکمرانی بھی آپ کے اپنے لوگوں کی ہوگی۔ فقط تین باتیں مشترک ہوں گی۔

①- فوج مرکز کی ہوگی۔

②- کرنسی ایک ہوگی۔

③- رابطے کے لئے روسی زبان اختیار کی جائے گی۔

کفر کے دانت کھٹے ہوئے اور وہاں کے مسلمان چاروں طرف سے کیمونسٹوں میں گھرنے کے باوجود دین اسلام پر کاربند رہے۔ آج کے دور میں اسے اسلام کا معجزہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

اسلاف کی یادیں تازہ :

فقیر مولانا عبداللہ، امیر انجمن اودھم اور راول تاج الدین کے ہمراہ واغستان کے ہوئی اڈے پر اترا تو حضرت مولانا محمد رسول کو استقبال کے لئے موجود پایا۔ جمعرات کا دن مقامی علماء کے ساتھ ملاقات کرنے میں گزر گیا۔ نماز جمعہ کے خطبہ کے لئے لوگوں کو پہلے سے اطلاع دی جا چکی تھی۔ فقیر نے عشق الہی پر بیان کیا جسے بہت زیادہ پسند کیا گیا۔ کثیر تعداد میں لوگ سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد کھانے سے فراغت ہوئی تو مولانا محمد رسول کی بستی جانے کے لئے رخت سفر باندھا۔

تین گھنٹے کا پہاڑی علاقے میں سفر بڑا پر لطف رہا۔ جگہ جگہ آبشاریں، مرغزاریں اور بیل کھاتی ہوئی راہیں نظر آئیں۔ بستی پہاڑی وادی میں تھی۔ اور لوگوں کا رہن سہن پرانے وقت کے عریوں کی مانند تھا۔ حیات صحابہؓ کو پڑھ کر جو تصور بنتا ہے۔ مقامی لوگوں کی زندگی بالکل اس کے مطابق تھی۔ سو فیصد لوگ نماز کے پاہد، ہر طرف شریعت و سنت کی پاہدی، لوگ مقامی زبان کی بجائے عربی زبان میں گفتگو کرنا زیادہ پسند کرتے تھے۔ اکثر مکان وسیع و عریض تھے ہر گھر میں اونٹ اور بکریوں وغیرہ کے لئے اصطلب بنا ہوا تھا۔ گھوڑے گدھے کی سواری عام تھی۔ کھانے کے لئے پورے جانور کی کھال اتار کر اسے انگاروں پر بھون دیا جاتا۔ عورتوں میں مکمل پردہ داری والی زندگی تھی۔ اذان ہوتے ہی مسجد لوگوں سے بھر جاتی۔ ایسے لگتا کہ لوگ عید کی نماز پڑھنے کے لئے گھروں سے آرہے ہیں فضا میں خنکی، ہوا شفاف، ماحول میں خاموشی اور ہر طرف سنت لباس دیکھ کر ایسے محسوس ہوتا جیسے کسی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

مولانا محمد رسول کے گھر پہنچ کر چائے پی تو فقیر نے کہا کہ مجھے مقامی مشائخ کے

بارے میں بتائیں۔ مولانا محمد رسول نے بتایا کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک ہی شیخ ہیں وہ بھی صاحب فراش ہیں۔ کافی عرصہ سے سالکین کو بیعت کرنے سے معذور ہیں۔ فقیر نے کہا چلیں ان کی عیادت کرتے ہیں۔ جب ان کے گھر پہنچے تو انہوں نے فقیر سے معافہ کیا۔ فقیر نے ان کے لطائف پر توجہ دی تو ان پر جذبہ طاری ہو گیا۔ مولانا محمد رسول اور دیگر احباب پریشان ہو گئے کہ یہ کیا بنا؟ فقیر نے کہا کہ آپ خاموش رہیں تھوڑی دیر میں سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چند ہی لمحوں کے بعد اس شیخ نے فقیر کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور کہا کہ میں آپ کی کیفیت سلب کرنا چاہتا تھا مگر آپ نے پہلے ہی میرا معاملہ صاف کر دیا۔ میں آپ کی شاگردی میں آنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے اپنا چہرہ مجھ کر سلوک سکھائیں۔ حاضرین محفل کے لئے یہ ان ہونا واقعہ تھا۔ جب لوگوں کو پتہ چلا کہ ہمارے شیخ نے بیعت کر لی ہے تو اہل قریہ کا حال دیکھنے کے قابل تھا۔

مغرب کی نماز کے بعد میان ہوا۔ مولانا محمد رسول نے ترجمانی کی۔ میان کے بعد حاضرین محفل سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ مولانا محمد رسول نے نقشبندی شیخ کے بیعت ہونے کا واقعہ بھی سنایا۔ مسجد کے ملحقہ ہال میں مستورات کے لئے میان سننے کا انتظام تھا۔ عورتوں نے رقعے بچھے کہ ہم نے بھی بیعت کی ہے۔ آپ ہمیں بھی تفصیل سے سمجھائیں کہ اوراد و وظائف کیسے کرنے ہیں؟ معمولات بتانے کے بعد فقیر نے مراقبہ کروایا اور جی بھر کر توجہات دیں۔ فقیر کی طبیعت میں اس قدر انشراح پیدا ہوا کہ جی چاہتا تھا سب کے سینوں میں نسبت کو انڈیل دیا جائے۔ زندگی میں بہت کم ایسی کیفیت محسوس ہوئی ہے۔ جب محفل سے فارغ ہوئے تو فقیر نے حاضرین سے درخواست کی کہ فقط مصافحہ پر ہی اکتفا کریں۔ مگر چند نوجوان لوگوں نے مصافحہ کیا اس کے بعد بوڑھوں کی باری آئی تو انہوں نے فقیر کے ہاتھوں، رخساروں

اور پیشانی کو چوم چوم کر حیران کر دیا۔ بوڑھے بوڑھے لوگ فقیر کو سینے سے لگا کر اتنا زور سے دباتے کہ یوں لگتا ان جیسا جو ان کوئی ہے ہی نہیں۔ زندگی میں پہلی مرتبہ فقیر کو احساس ہوا کہ پیلیوں کو اور زیادہ مضبوط ہونا چاہئے تھا۔ خدا خدا کر کے مسجد سے نکل کر گھر پہنچے۔ آدھا گھنٹہ تو فقیر کے جسم میں سکت ہی نہیں تھی۔ میزبان بار بار پوچھتے کہ دسترخوان پر کھانا لگائیں مگر فقیر منع ہی کرتا رہا۔ بالآخر دل میں خیال پیدا ہوا کہ دوسرے لوگوں کو بھوک لگی ہوگی اور فقیر کی وجہ سے دیر ہو رہی ہے۔ چنانچہ مولانا عبداللہ اور راویل تاج الدین کا سہارا لے کر فقیر اٹھا اور دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ کھانے سے فراغت پر مولانا محمد رسول نے بتایا کہ گھر کے بڑے کمرے میں بستی کی نوجوان لڑکیاں جمع ہو چکی ہیں اور آپ کا خصوصی میان سننے کی متمنی ہیں۔ فقیر نے ہمت کر کے بیان شروع کر دیا پھر تو ایسا سماں بندھا کہ زہے نصیب۔ محمد رسول کی بیوی نے بتایا کہ لڑکیاں اس قدر روئیں کہ دوپٹے آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔ داغستان کی تاریخ میں یہ رات ایک یادگار کی طرح ذہنوں میں نقش رہے گی۔

والپسی کا سفر :

اگلے دن گیارہ بجے ہوائی جہاز کے ذریعے تاشقند واپسی ہوئی۔ عباس خان نے بتایا کہ ہفتے کے دن کی ٹکٹ بن چکی ہے۔ فقیر نے تین دن کی مہلت کو غنیمت سمجھتے ہوئے سہ روزہ تربیتی پروگرام شروع کر دیا۔ ہم لوگ صبح سے شام تک کا وقت اعجاز کی طرز پر گزارتے۔ سارا دن مکتوبات شریفہ کی تعلیم ہوتی۔ رات تہجد کی نماز اہتمام سے ادا کی جاتی۔ فقیر کثرت سے استغفار کرتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے آخر میں کثرت سے استغفار کیا جائے۔ شاید اس لئے ہر فرض نماز کے سلام پھیرنے پر ایک مرتبہ اونچی آواز سے اللہ اکبر کہنا اور تین مرتبہ

استغفر اللہ کہنا سنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتے ہیں۔

فسبح بحمد ربك و استغفره انه كان توابا

(پس اپنے رب کی تعریف کر اور استغفار کر بیشک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیائے کرام کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا

كانوا قليلا من اليل يهجعون و بالاسحار هم يستغفرون

(وہ رات کو تھوڑا سوتے تھے اور سحری کے وقت وہ غش

طلب کرتے تھے)

ہفتہ کے دن صبح اٹھ بے تابانی آفس پہنچے تو ڈاکٹر منصور دو گاڑیاں لے کر آئے۔

ائر پورٹ پر پہنچے تو بعض مقامی علمائے کرام بھی الوداع کرنے کے لئے آئے ہوئے

تھے۔ ائر پورٹ کا عملہ حیران تھا کہ اس شخص کے ساتھ ازبکستان، تاجکستان،

قزاقستان، ماسکو اور یوکرائن وغیرہ ممالک کے لوگ موجود ہیں۔ فقیر نے دعا کروائی

تو عملے کے باوردی لوگ بھی اس دعا میں شریک ہوئے۔ ایک شخص نے فقیر سے پوچھا

کہ یہ سب لوگ مختلف قبیلوں اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے آپ کے ساتھ کیسے

منسلک ہوئے؟ فقیر نے کہا کہ دین اسلام میں اتنی مقناطیس ہے کہ دلوں کو ایک

دوسرے سے مربوط کر دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

ان الذين امنوا و عملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودا

(بیشک جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کئے اللہ تعالیٰ ان سب کو دوست بنا دیتا ہے)

جب فقیر سامان بک کروانے کے بعد لاؤنج کی طرف جانے لگا تو اکثر احباب نے

پر غم آنکھوں اور پر غم دلوں کے ساتھ فقیر کو رخصت کیا۔ فقیر اپنی بے بضاعتی اور بے

عملی پرگریہ کناں تھا کہ ڈاک پہنچانے کا جیسے حق تھا وہ حق صحیح طور پر ادا نہ ہو سکا۔ کسی

نے کیا اچھا کہا ہے :

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا ترے کرم سے ہوگا

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے :

پی آئی اے کا طیارہ تاشقند سے کراچی پہنچا تو جماعت کے احباب ایئرپورٹ پر ملنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ دو دن کراچی میں قیام کرنے کے بعد فقیر اپنے گھر پہنچا۔ جب اطمینان اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اپنے سفر کے حالات پر غور کیا تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ایک شہنشاہ کا دربار صاف کرنا ہو تو بھی کو جھاڑو دینے کا حکم ملتا ہے۔ جھاڑو دینے کے دوران بھی شہنشاہ کے تخت پر بھی چڑھتا ہے۔ خاص خاص کر سیوں کو بھی ہاتھ لگاتا ہے، ہر چیز کو قریب سے دیکھتا ہے مگر جھاڑو کر لینے کے بعد اس کا اپنا مقام جو توں میں ہی ہوتا ہے۔ بھیگی کو چاہئے کہ اپنی اوقات کو ہر گز نہ بھولے۔ بالکل اسی طرح فقیر کو وسط ایشیاء جانے کا حکم ملا۔ اس سفر میں مشائخ کے مزارات کو دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو بہت قریب سے دیکھا، لیکن واپسی پر اپنے آپ کو وہی پایا جو جانے سے پہلے تھا۔ فقیر کو بھی چاہئے کہ اپنی اوقات کو یاد رکھے اللہ تعالیٰ فقیر کے اس سفر کو قبولیت عطا فرمائے تو زہے نصیب۔

شاہاں ہاں چہ عجب گر ہوا زند گدارا
(بادشاہوں کے لئے یہ کوئی انوکھی بات نہیں اگر وہ کسی گدا کو نوازدیں)

